ارواحِ ثلاثہ

یعنی

حکایاتِ اولیاء

جدید ترتیب اور اضافوں کے ساتھ

دارالاشاعت
کراچی

ارواحِ ثلاثہ

یعنی

حکایاتِ اولیاء

جدید ترتیب اور اضافوں کے ساتھ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور اُن کے خاندان کے تمام مشائخ اور اکابر علماء و مشائخ دیوبند کے حالات وحکایات پر نہایت مستند اور دلچسپ کتاب اس دفعہ جدید اضافوں اور جدید ترتیب کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔

مُرتّبہ

از حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

ناشر

دارالاشاعت

مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی نمبر۱

اضافہ شدہ جدید عکسی ایڈیشن

باہتمام محمد رضی عثمانی

PRINTED AT : TANVEER PROCESS LIAQUATABAD KARACHI. PHONE : 416729

ملنے کے پتے

دارالاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی ۱

ادارۃ المعارف ڈاکخانہ دارالعلوم کراچی ۱۴

مکتبہ دارالعلوم ڈاکخانہ دارالعلوم کراچی ۱۴

ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور

فہرستِ مضامین حکایاتِ اولیاء

پیش لفظ

از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ العالی

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

تجربہ شاہد ہے کہ بزرگانِ دین کی حکایات و روایات میں بھی ایک خاص نور ہوتا ہے جو سُننے والے پر کسی درجہ میں وہی اثر ڈالتا ہے جو ان بزرگوں کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے ہمیشہ بزرگانِ دین نے ایسی حکایات کے جمع کرنے اور شائع کرنیکا اہتمام کیا ہے۔ زیرِ نظر کتاب اسی مقصد کیلیے حکیم الامت حضرت سیدی مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کے ایماء پر چند حضرات نے لکھی اور حضرتؒ نے انہیں سے بعض پر کچھ حواشی بھی تحریر فرمائے۔ یہ مجموعہ حضرت ہی کے زمانہ میں حضرت ہی کی تجویز سے ارواحِ ثلاثہ کے نام سے شائع ہوا۔

مولانا ظہور الحسن صاحب کسولوی سابق صدر مدرس مدرسہ مظاہر علوم جن کو حق تعالیٰ نے پاکستان بننے کے بعد خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کے نظم و انتظام کا شرف عطا فرمایا ہے۔ انہوں نے اس کتاب کی طبع ثانی میں تینوں رسالوں کے مضامین ایک نئی ترتیب اور مفید تمہید کیساتھ شائع کیا۔ اس کے بعد اسی ترتیب و تمہید کے ساتھ بار بار شائع ہوتی رہی

حال میں برخوردار مولوی محمد رضی سلمہٗ مالک کتبخانہ دارالاشاعت بندر روڈ کراچی نے اس کتاب کے شائع کرنیکا ارادہ کیا اور مجھ سے مشورہ لیا۔ اس وقت کتاب پر نظر ڈالنے سے چند ترمیمات مناسب معلوم ہوئی ہیں:۔ (۱) مذکورہ رسائل پر حواشی حضرت حکیم الامت کے لکھے ہوئے تھے گذشتہ طباعت میں اُن حواشی کو بھی متن کے اندر لے لیا گیا تھا جس سے پڑھنے والوں کو اُلجھن پیش آتی تھی۔ اس جدید ایڈیشن میں حواشی کو حاشیہ پر ہی لکھ دیا گیا ہے۔

(۲) چونکہ اس نئی ترتیب میں تینوں رسالوں کے مضامین کو یکجا کر دیا گیا ہے اسلیے اب اُن تمہیدات

کی خاص ضرورت نہ رہی جو ہر رسالہ کے شروع میں لکھی ہوئی تھی مگر مفید معلومات پر مشتمل ہونیکی بنا پر پہلی اشاعتوں میں مولانا ظہور الحسن صاحب کی تمہید کے بعد اصل کتاب شروع ہونیسے پہلے اُن تمہیدات سابقہ کو بھی لکھدیا گیا ہے جو بظاہر اسجگہ بے جوڑ نظر آتی ہے اسلیے اس جدید طباعت میں تمہیدات سابقہ کو آخر میں لگادیا گیا ہے۔

(۳) پچھلی طباعت میں مولانا ظہور الحسن صاحبؒ نے کچھ جدید اضافے بزرگوں کی حکایات کے اپنی طرف سے بھی مستند حوالوں کیساتھ کیے تھے اسی سلسلہ میں آخر کتاب میں ایک حکایت سیدی و استادی حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب معروف بہ میانصاحب رحمۃ اللہ کی بھی لکھی۔ یہ بزرگ اگرچہ قرن و عمر کے اعتبار سے سب بزرگوں کے شاگرد تھے مگر بچپن ہی سے گویا ولی اللہ تھے۔ میرے والد ماجد حضرت مولانا محمد یسینؒ کے شاگرد تھے۔ والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ان کو بچپن میں بھی کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا۔ بعض اوقات کوئی خطا ہوگئی اور کسی کو خبر نہیں ہوئی کہ یہ کام کس نے کیا۔ والد صاحب دوسرے شاگردوں سے پوچھ رہے ہیں کہ یہ کام کس نے کیا۔ سب کے سب ڈر کے مارے خاموش ہیں، حضرت میانصاحب خود آگے بڑھ کر فرما دیتے یہ خطا مجھ سے ہوگئی ہے معاف کر دیجیے۔ احقر پر موصوف کی بڑی شفقت و عنایت تھی اسلیے ان کی کچھ حکایات مجھ سے سنی ہوئی اور کچھ آپ بیتی میرے بڑے لڑکے مولوی محمد زکی نے اپنے ایک مضمون میں جمع کر دی تھیں جو ماہنامہ البلاغ کراچی میں شائع ہوئی۔ یہ حکایات بھی آخر کتاب میں شامل کر دی گئیں۔

افسوس ہے کہ اب سے ڈیڑھ ماہ پہلے یہ برخوردار دنیا سے رخصت ہوگئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اس وقت یہ مضمون مرحوم کی یادگار بھی ہے اور بہت سی عبرتوں اور نصیحتوں کا مجموعہ بھی۔ اللہ تعالیٰ نافع و مفید فرمادے:

بندہ محمد شفیع خادم دار العلوم کراچی
۲۴ صفر ۱۳۹۵ھ

تمہید رسالہ ارواحِ ثلاثہ

مجموعہ امیر الروایات و روایات الطیب و اشرف التنبیہ وغیرہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. اما بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا زمانہ وہ زمانہ تھا کہ ہر شخص انتہا درجہ کی جہالت و ضلالت کا شکار تھا۔ خواہش پرستی اور ہوا بازی ہر شخص کا شعار تھا۔ وہ اپنی اولاد کو زندہ درگور کردینے کو اپنی عزت سمجھتے تھے۔ حق اور ناحق کی طرفداری اور عصبیت انکا شب و روز کا شیوہ تھا۔ قتل و فساد سے مطلقاً باک نہ کرتے تھے۔ حق پوشی اور ناحق کوشی رات دن کا شغل تھا۔ بداطواریاں اور بداخلاقیاں یہاں تک ترقی کرگئی تھیں کہ ان کو انسان کہنا مشکل تھا۔ باوجود اس جہالت و گمراہی کے اس کیمیاوی اثر کو دیکھئے کہ جس شخص نے ہدایت پاکر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھ کر آقائے دوجہان فداہُ ابی و امی صلی اللہ علیہ وسلم کے رُخِ انور کو دیکھ لیا، نہیں بلکہ پردہ کے پیچھے سے ہی آپ کی آواز سُن لی، وہ ایسا کُندن بنگیا کہ نہ ابو حنیفہؒ و شافعیؒ اسکے رتبہ کو پہنچ سکتے ہیں نہ جنیدؒ و شبلیؒ نہ کوئی اور بڑے سے بڑا تابعی ؎

جرعہ خاک آمیز چوں مجنون کند　　صاف اگر باشد ندانم چوں کند

پس اُن حضرات کے مراتب کا اندازہ کون لگا سکتا ہے جنہوں نے اپنی عمر کا بڑا حصہ حضورؐ کی زیر تربیت گذارا ہو اور اپنی نشست و برخاست، طعام و کلام، سفر و حضر کی ہر حالت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت و اتباع کے مدتوں زیر اثر رکھا ہو۔

وہ کیا بات تھی کہ جس نے ادنیٰ درجہ کے صحابی کو بڑے سے بڑے تابعی کا سرتاج

بنا دیا۔ غور کرنے اور نصوص کی دلالت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضورؐ کی صحبتِ فیض اثر تھی۔

پس معلوم ہوا کہ صحبت ایسی قوی التاثیر اور سریع الاثر شے ہے کہ ذرا سی دیر میں آدمی کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہے۔ کیوں نہ ہو صحبت تو وہ چیز ہے کہ روحانیت سے گزر کر مادّیات تک میں اپنا اثر دکھلاتی ہے۔ چنانچہ سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

گِلے خوشبوئے در حمام روزے — رسید از دستِ محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکے یا عبیری — کہ از بوئے دِلآویزِ تو مستم
بگفتا من گِلے ناچیز بودم — ولیکن مدتے با گل نشستم
جمالِ ہمنشین در من اثر کرد — وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

حضراتِ صوفیہ نے اس راز کو خوب سمجھا ہے اور مستفیدین وطالبین کی اصلاح کیلئے صحبتِ نیک کو نہایت ضروری قرار دیا ہے اور مختلف عنوان سے اس کی اہمیت کو مؤکد فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ہے ؎

صحبتِ نیکاں اگر یک ساعتست — بہتر از صد سالہ زہد و طاعتست
؎ ہر کہ خواہد ہمنشینی با خدا — گو نشیند در حضورِ اولیا
؎ یک زمانے صحبتِ با اولیا — بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا
؎ گر تو سنگِ خارہ و مرمر شوی — چوں بصاحبدل رسی گوہر شوی
؎ صحبتِ صالح ترا صالح کند — صحبتِ طالح ترا طالح کند

اسی بنا پر حضراتِ صوفیائے کرام کے یہاں صحبت کو طریق کا جزوِ اعظم قرار دیا گیا ہے اور مشائخ اپنی تصانیف اور ملفوظات ومکتوبات میں اس کی جا بجا تاکید فرماتے رہے ہیں۔ چنانچہ عارف شیرازی فرماتے ہیں ؎

مقامِ امن و مئے بے غش و رفیق شفیق گرت مدام میسّر شود زہے توفیق

اکبرؔ الٰہ آبادی ان ہی بزرگوں کی ترجمانی اس طرح فرماتے ہیں ؎

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

اور چونکہ یہ ظاہر ہے کہ ہر شخص اپنی ناداری و کم مائگی یا مشاغل کیوجہ سے اس پر قادر نہیں ہے کہ بال بچوں اور روزگار کو چھوڑ کر دور دراز کے سفر کی مشقت اور کرایہ و زادِ راہ کے اخراجات کو برداشت کر سکے۔ بلکہ بہت لوگ اپنی بیکسی ناداری یا دُور اُفتادگی یا دوسروں کی ملازمت و تابعداری کیوجہ سے ایسے ناچار و مجبور ہیں کہ گھر اور ملازمت وغیرہ چھوڑ کر تھوڑا وقت بھی بزرگوں اور اللہ والوں کی صحبت کیلئے نہیں نکال سکتے۔ یا وہ مدت نفعِ تام کیلئے ناکافی ہوتی ہے۔ اسلئے بزرگانِ ملت نے ایسے لوگوں کیلئے بطورِ مکافات بزرگوں کی حکایات و ملفوظات اور ایسے حضرات جو صحبتِ نیک سے محروم ہیں اُن کیلئے ایسی کتابوں کا مطالعہ ہی صحبتِ نیک کا قائم مقام ہے اور مواعظ کا مطالعہ تجویز فرمایا ہے۔ حضرت عارف شیرازی کا یہ شعر اسی حالت پر محمول ہے۔

؎ دریں زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل است صراحیٔ مئے ناب و سفینۂ غزل است

چنانچہ زمانہ سلف سے یہ معمول جاری ہے کہ بزرگوں کی حکایات و ملفوظات اور حالات کو جمع کر کے کتابی[ع] صورت میں شائع کر دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ کتاب قصص الانبیا، روض الریاحین، تذکرۃ الاولیار، حکایات الصالحین، سب اسی موضوع پر لکھی گئی ہیں اور ہمیشہ حضرات مشائخ طالبین کو اُن کے مطالعہ کی ترغیب و تاکید فرماتے رہے ہیں چونکہ یہ طبعی امر ہے کہ جن بزرگوں سے انسان کو خاندانی انتساب اور محبت ہوتی ہے اُنکی حکایات و حالات سے خاص اُنس اور اُن کے اعمال و اقوال کے اتباع کی جانب خاص کشش ہوتی ہے۔

لیکن اب تک کوئی کتاب ایسی شائع نہ ہوئی تھی جس میں ہمارے قریب زمانہ کے

ع یعنی کتب دینیہ کا مطالعہ ۱۲

خاندانِ ولی اللّٰہی بزرگوں کی حکایات کا ذخیرہ موجود ہو۔ اسلیے ضرورت تھی کہ بزرگانِ قریبہ کے حالات سے بھی کوئی کتاب مرتب کی جائے۔

حق تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں حضرت امیر شاہ خانصاحبؒ کو جنہوں نے باوجود علم رسمی تحصیل نہ کرنیکے بزرگوں کے فیضِ صحبت سے وہ درجہ حاصل کیا کہ آج اصطلاحی عالم بھی اُن کے علمی و عملی مرتبہ پر رشک کرتے ہیں۔

حق تعالیٰ نے ان کو عمر و ذہن اور حافظہ بھی اسقدر وافر عطا فرمایا تھا کہ وہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے لیکر موجودہ زمانہ کے بزرگوں کے حالات و واقعات کو روایاتِ حدیث کیطرح بسندہٖ وبلفظہٖ نقل فرماتے ہیں۔ اور پھر حضرت حکیم الامت مرشدی و مولائی جناب مولانا محمد اشرف علی صاحب دام فیوضہم کو حق تعالیٰ دوجہان میں مراتبِ اعلیٰ عطا فرمائیں کہ آپنے حضرت خانصاحبؒ موصوف سے بزرگوں کی حکایات کو بذریعہ مولوی حبیب احمد صاحب کیرانوی ضبط کرانیکا اہتمام فرمایا جنکی کوشش اور اہتمام سے یہ تمام حکایات کتابی صورت میں جمع ہوگئیں۔ اور کتاب کا نام راوی کے نام کی مناسبت سے "امیر الروایات" تجویز ہوا۔ اسی سلسلہ میں ہم مولانا مولوی محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند دام فیوضہم کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے بھی حضرت امیر شاہ خانصاحب سے سنکر بزرگوں کے حالات کا ایک مجموعہ "روایات الطیب" کے نام سے جمع کر کے شائع کیا۔ ایسے ہی جناب مولوی محمد نبیہ صاحب "واصل" ٹانڈوی دام فیوضہم کی سعی قابلِ صد منت ہے کہ آپنے حضرت حکیم الامت تھانوی دام فیوضہم کے ملفوظات سے بزرگانِ "ولی اللّٰہی" کی حکایات کو جمع کر کے بصورت رسالہ "اشرف التنبیہ" کے نام سے

ؔ خاندانِ ولی اللّٰہی سے وہ حضرات مراد ہیں جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ دہلوی اور اُن کے خاندان سے عقیدت کا تعلق رکھتے ہیں اور جن کے خدام کو آجکل جماعت دیوبند سے تعبیر کیا جاتا ہے ۱۲

شائع کیا۔ پس ان سب حضرات کی سعی اور کوشش سے یہ تین رسالے بزرگان سلسلہ ولی اللّٰہی کے حالات میں جمع ہو گئے۔

(۱) امیر الروایات (۲) روایات الطیب (۳) اشرف التنبیہ۔ چونکہ بزرگوں کے بعض حالات واقوال محتاجِ تفصیل ہوتے ہیں لہٰذا پہلے دو رسالوں کے بعض بعض مقامات پر حضرت حکیم الامۃ دام فیوضہم نے بغرض بیان مراد و تفصیل حواشی بھی تحریر فرمائے جنکو ہر حکایت کیساتھ حاشیہ میں لکھ دیا گیا ہے۔ پہلے رسالہ کے حاشیہ کا نام "تشریف الدرایات" اور دوسرے رسالہ کے حاشیہ کا نام "سقایات الصیب" رکھا گیا۔

طبعِ ثانی کیوقت مولانا محمد نبیہ صاحب موصوف اور مولوی جلیل احمد علیگڑھی دامت الطافہما نے رسالہ "اشرف التنبیہ" کے آخر میں دو اضافے بھی فرمائے اور اس مرتبہ احقر نے بھی بعض بعض بزرگوں کی حکایات کا معتبر کتابوں سے انتخاب کر کے اضافہ کیا۔ اور پھر چونکہ یہ "مجموعۂ حکایات" علاوہ اضافات موصوفہ کے تین رسالوں پر منتشر تھا۔ اور ہر رسالہ میں بھی ہر ایک بزرگ کی حکایات منتشر طور پر تھیں اس لیے ناظرین کے لیے باعثِ انتشار تھیں۔

لہٰذا احقر نے چاہا کہ تینوں رسالوں اور اضافات سے ہر ہر بزرگ کی حکایات کو انتخاب کر کے جدا جدا جمع کر دیا جائے تاکہ ناظرین کو ہر بزرگ کے حالات یکجا طور پر مل سکیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہ رسالہ اسی صورت سے تیار ہو کر ہدیۂ ناظرین ہے۔ اور حسب تجویز حضرت حکیم الامت مدفیوضہم اس رسالہ کو "ارواحِ ثلاثہ" سے ملقب کیا جاتا ہے اور ناظرین کی آسانی کے لیے ہر جگہ رسالہ موصوف میں ماخذ کا حوالہ بھی لکھدیا گیا۔ تاکہ ضرورت کے وقت حوالہ دیکھنے میں آسانی ہو۔ حق تعالےٰ

اس کو ناظرین اور احقر کے لیے سببِ خیر بنائیں اور ان بزرگوں کے فیوض و برکات سے مستفیض، اور اُن کے اقوال و اعمال و احوال کا تتبع اور اپنی محبت کی چاشنی سے ہم سب کو بہرہ اندوز فرمائیں۔

احب الصالحین ولست منھم لعل اللہ یرزقنی صلاحا

پس اوّل مزید بصیرت کے لیے تینوں رسالوں کی سابق تمہیدات کو[1] بترتیبِ رسائل نقل کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد روایات و حکایات شروع ہوں گی۔ فقط والسلام۔

(ادنیٰ غلام آستانہ اشرفی، احقر ظہور الحسن غفرلہٗ)

---

[1] اب اس اشاعت میں یہ تمہیدات کتاب کے آخر میں شائع ہوئی ہیں۔ بندہ محمد رضی عثمانی ۱۲ منہ

سید الطائفہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی حکایات

حکایت (۱) خان صاحب نے فرمایا کہ ایک شخص نے شاہ ولی اللہ صاحبؒ، مولانا فخر الدین صاحبؒ، مرزا مظہر جانِ جاناں صاحبؒ کی دعوت کی۔ تینوں کو ایک جگہ بٹھا کر چلا گیا۔ دوپہر ڈھلے آیا اور ایک ایک ٹکہ تینوں کے ہاتھ پر رکھدیا اور یہ کہا کہ حضرت میں ایک کام کو چلا گیا اور دعوت کا بالکل خیال نہ رہا۔ اسوقت ناوقت ہو گیا ہے کھانیکا انتظام نہیں ہو سکتا۔ اسلیے کھانے کے دام دیے گئے۔ مولانا فخر الدین صاحبؒ نے تو اس کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ بھائی یہ بھی تمہارا احسان ہے۔ کیونکہ اگر ہم صبح سے اسوقت تک مزدوری کرتے تب ایک ٹکہ کے مستحق ہوتے۔ اور تم نے ہم کو آرام سے بٹھا کر ایک ٹکہ دیدیا۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے خاموشی کیساتھ لیلیا اور کچھ نہ کہا۔ مگر مرزا صاحبؒ ناخوش ہوئے اور یہ کہا کہ تو نے ان حضرات کا وقت ضائع کیا۔ کیونکہ شاہ صاحب اسوقت تک حدیث پڑھاتے اور مولانا فخر الدین صاحب اپنے مریدوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں، اپنی نسبت کچھ نہیں کہتا کہ میں کیا کرتا۔ مگر تو نے ان حضرات کو ان دینی خدمتوں سے روکدیا خبردار آئندہ ایسا نہ کرنا۔ اسکے بعد تینوں حضرات اُٹھ کر چلے آئے۔ یہ قصہ بیان فرما کر خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ مجھسے حضرت حاجی صاحبؒ نے بھی بیان فرمایا اور مولانا نانوتویؒ نے بھی اور مولانا گنگوہیؒ نے بھی۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے تو اس قصہ کو بیان فرما کر یہ فرمایا کہ مولانا فخر الدین صاحبؒ کی بات بہت انکساری کی ہے اس سے چشتیت ٹپکتی ہے! اور مولانا نانوتویؒ نے فرمایا کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی بات بڑھی ہوئی ہے کہ اُنکے نفس نے اصلاً حرکت نہ کی۔ اور حضرت گنگوہیؒ[۱] فرمایا کرتے تھے کہ مرزا صاحبؒ کی بات بہت بڑھی ہوئی ہے۔ عمل کا اقتضا یہی ہے جو کچھ مرزا صاحبؒ

[۱] احقر کا میلان حضرت گنگوہیؒ کی رائے کیطرف ہے۔ (اشرف علی)

ف۔ اس سے اپنے حضرات کا اختلاف مذاق اور اس سے اختلافِ آرار صاف ظاہر ہے۔

حکایت (۲) خان صاحب نے فرمایا کہ میں نے مولوی سراج احمد خورجوی اور مولوی محمد شاہ صاحب رامپوری سے سُنا ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے ایک خط میں شیخینؓ کی افضلیت پر اس آیت سے استدلال فرمایا ہے واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخواناً اور تقریر استدلال اسطرح فرمائی ہے کہ حق تعالیٰ نے صحابہؓ پر اپنا احسان جتاتے ہوئے فرمایا ہے کہ تم خدا کی اس نعمت کو یاد کرو کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے اُس نے تمہارے دلوں کو ملا دیا اور تم اُسکی نعمت سے بھائی بھائی ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہؓ میں آپس میں عداوت نہ تھی اور وہ آپسمیں بھائی بھائی تھے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ یہ برکت تھی آپؐ کے وجود اور آپؐ کی تعلیم کی۔ جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ صحابہ میں یہ صفتِ اخوت پورے طور پر کس وقت تک رہی۔ سو پورے طور پر یہ صفت دو خلافتوں تک رہی اور اگر حضرۃ عثمانؓ کی خلافت کے ابتدائی چھ برس بھی شمار کیے جائیں تو کیے جا سکتے ہیں۔ اور اسکے بعد صحابہؓ میں آپسمیں مخالفتیں اور جھگڑے قصے پیدا ہو گئے۔ سو اس سے پتہ چلتا ہے کہ اول کی ڈھائی خلافتیں اخیر کی ڈیڑھ خلافت سے افضل ہیں۔ اور اس زمانہ کے خلیفوں کی برکت اور تعلیم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت اور تعلیم کا بہ نسبت اخیر کے خلیفوں کی برکت و تعلیم کے زیادہ حصہ لیے ہوئے تھی اور اس سے پہلے خلیفوں کی افضلیت بعد کے خلیفوں پر ظاہر ہے۔ اور ثابت ہے کہ پہلے دو خلیفوں کی تعلیم اخیر کے دو خلیفوں سے زیادہ[1] علیٰ منہاج النبوۃ تھی۔

حکایت (۳) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبد القیوم صاحب فرماتے تھے شہزادہ

---

[1] یہ تفاوت ناقص کامل کا نہیں اکمل کامل کا ہے۔ (اشرف علی)

جنات کا سانپ کی صورت میں قتل کرنا اور اسکے بعد قاضی جنات کی عدالت میں بحیثیت مجرمانہ پیش ہونا اور قاضی کا حدیث مَنْ قُتِلَ فِیْ غَیْرِ زِیِّہٖ فَدَمُہٗ ہَدَرٌ کی بنا پر مجرم کو رہا کرنا یہ واقعہ شاہ ولی اللہ صاحب کو پیش آیا تھا نہ کہ شاہ اہل اللہ صاحب کو۔ اور انہوں نے اس روایت کے علاوہ اس جن سے اور حدیثیں بھی سُنی ہیں جنکو شاہ صاحب نے جمع کر کے اسکا نام مسندِ جن رکھا ہے اور مولانا عبد القیوم صاحب فرماتے تھے کہ میں نے وہ مسند بھی دیکھا ہے۔

اسکے بعد خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی اس قصہ کو بروایت شاہ عبد الغنی صاحب شاہ اہل اللہ صاحب کیطرف منسوب کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ قصہ شاہ اہل اللہ صاحب کا ہے نہ کہ شاہ ولی اللہ صاحب کا۔ میں نے اس معاملہ میں مولانا سے گفتگو بھی کی مگر مولانا اپنی رائے پر قائم رہے[1]۔ واللہ اعلم

حکایت (۸) خانصاحب نے فرمایا کہ شاہ ولی اللہ صاحب جب بطنِ مادر میں تھے کہ اُنکے والد ماجد شاہ عبد الرحیم صاحبؒ ایکدن خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوئے اور مراقب ہوئے اور ادراک بہت تیز تھا۔ خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ تمہاری زوجہ حاملہ ہے اور اس کے پیٹ میں قطب الاقطاب ہے۔ اسکا نام قطب الدین احمد رکھنا۔ اقرار و تسلیم فرمایا اور آ کر بھول گئے۔ ایک روز شاہ صاحبؒ کی زوجہ نماز میں تھیں۔ جب انہوں نے دُعا مانگی تو اُنکے ہاتھوں میں دو چھوٹے چھوٹے ہاتھ نمودار ہو گئے وہ ڈر گئیں اور گھبرا کر شاہ صاحب سے فرمایا کہ یہ کیا بات ہے؟ فرمایا ڈرو مت، تمہارے پیٹ میں ولی اللہ ہے۔ پس اسی لیے اصل نام تو قطب الدین احمد رکھا گیا۔ اور اکثر تحریرات میں اس نام کو حضرت شاہ صاحب لکھتے بھی تھے، اور مشہور ولی اللہ ہوا۔　　(منقول از روایات الطیب)

---

[1] مولانا کا قول اسلیے راجح ہے کہ اسکی سند معلوم ہے۔ چنانچہ احقر کے رسالہ زیارات میں مذکور ہے۔ اور دوسرے قول کی سند معلوم نہیں۔ پس ترجیح ظاہر ہے۔　　(اشرف علی)

حکایت (۵) حضرت گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ شاہ ولی اللہ صاحب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو بمقتضائے بشریت بچوں کی صغر سنی کا تردد تھا۔ اسی وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ تشریف لائے اور فرماتے ہیں کہ (تو کاہے کا فکر کرے ہے جیسی تیری اولاد ویسی میری) پھر آپ کو اطمینان ہو گیا۔ مولانا نے فرمایا کہ شاہ صاحب کی اولاد عالم ہوئی اور بڑے مرتبوں پر پہنچی۔ جیسے بھی صاحب فضل و کمال ہوئے ظاہر ہے۔

(از تحریرات بعض ثقات) (منقول از اضافہ مولوی محمد نبیہ صاحب در اشرف التنبیہ)

اضافہ از احقر ظہور الحسن کسولوی غفرلہٗ

حکایت (۶) ایک بار ارشاد فرمایا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور زندگی سے یاس ہوتے تو بمقتضائے بشریت بچونکی صغر سنی کا تردد تھا۔ اسی وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ تشریف لائے اور فرماتے ہیں کہ تو کاہے کا فکر کرے ہے جیسے تیری اولاد ویسی ہی میری) آپ کو اطمینان ہو گیا۔ شاہ صاحب کی اولاد سب عالم ہوئی اور بڑے مرتبوں پر پہنچے جیسے بھی صاحب فضل و کمال ہوئے ظاہر ہے۔ آپ کے چار صاحبزادے ہوئے۔ اب اُن کی اولاد میں بجز عبد السلام غیر تعلیم یافتہ اور کوئی بھی نہیں۔ (منقول از تذکرۃ الرشید)

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ کی حکایات

حکایت (۷) خانصاحبؒ نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے کسی بزرگ سے نہیں سُنا۔ صرف دیوان اللہ دیلے سے سُنا ہے وہ بیان کرتے تھے کہ مرزا جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کا یہ

معمول تھا کہ جامع مسجد میں جب جمعہ کی نماز کیلئے تشریف لاتے تو جنوبی دروازہ سے داخل ہوتے۔ اور جب نماز سے فارغ ہو کر تشریف لیجاتے تو شرقی دروازہ کو جاتے۔ جمعہ کی نماز کے بعد شرقی دروازہ کی شمالی سہ دری میں ایک بزرگ مصلّی بچھا کر بیٹھتے تھے۔ اور اُن کے سامنے ایک مٹی کا لوٹا اور اُسکے اوپر ایک گھسی ہوئی اینٹ رکھی ہوتی تھی۔ جب مرزا صاحب نماز سے فارغ ہو کر تشریف لاتے تو ان بزرگ کے لاتیں مارتے اور بُرا بھلا کہتے اور اُن کے نیچے سے مُصلّا نکالکر پھینک دیتے لوٹا اٹھا کر توڑ دیتے۔ اور اینٹ کو بھی اٹھا کر پھینک دیتے اور یہ کہہ کے روانہ ہو جاتے۔ لوگ اس حرکت کو دیکھ کر اور مرزا صاحب کی شان کیخلاف سمجھ کر اس پر تعجب کرتے۔ مگر دریافت کرنیکی کسی کو ہمت نہ ہوتی۔ ایک مرتبہ کسی خاص شخص نے جرأت کر کے دریافت کیا کہ حضرت یہ کون بزرگ ہیں اور آپ اُن کیساتھ یہ برتاؤ کیوں کر رہے ہیں۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ اس کا واقعہ یہ ہے کہ جب ہم لڑکے تھے تو ہماری شکل صورت اچھی تھی۔ ہمارے چاہنے والے ہمارے پاس آیا کرتے تھے۔ یہ بھی ہمارے چاہنے والوں میں سے[1] تھے اور یہ بھی ہمارے پاس آیا کرتے تھے۔ اُسوقت ان کیساتھ یونہی ہاتھا پائی ہوا کرتی تھی۔ جوں جوں ہم جوان ہوتے گئے ہمارے چاہنے والے رخصت ہوتے گئے۔ مگر ایک یہ شخص تھا جو برابر آتا رہا۔ اب خدا نے ہمیں ہدایت کی اور ہم سلوک کیطرف متوجہ ہوتے اور خدا کے فضل سے صاحب اجازت ہوئے۔ ایکروز ہمیں خیال ہوا کہ یہ شخص باوفا دوست ہے اس کیطرف توجہ کرنی چاہیئے۔ میں نے جو اس کیطرف توجہ کی تو میں اس کے عکس ہی میں دب گیا اور میں نے اسکو اپنے سے بہت اونچا دیکھا۔ اب تو میں نہایت پریشان ہوا اور میں نے اس کا نہایت ادب کیا۔ اور اپنی جگہ اس کیلئے چھوڑی اور کہا کہ میں اس جگہ کے قابل نہیں ہوں آپ میری جگہ

[1] ان کی محبت نفسانی نہ تھی۔ ورنہ سب کے ساتھ یہ بھی رخصت ہو جاتے۔ (اشرف علی)

تشریف رکھیں اور میں آپکی جگہ۔ مگر اس نے نہ مانا۔ میں نے بہت اصرار کیا مگر اس نے میرے اصرار پر بھی نہ مانا اور کہا کہ تمہیں میرے ساتھ وہی برتاؤ کرنا ہوگا جو اب تک کرتے رہے ہو۔ اسکو میں نے نہ مانا۔ اسپر انہوں نے میری تمام کیفیت سلب کر لی[1] اور میں کورا رہگیا۔ اب میں بہت پریشان ہوا اور میں نے کہا کہ میری کیفیت دیدو۔ اُس نے کہا۔ اس شرط پر واپس کرتا ہوں کہ وعدہ کرو کہ مجھ سے ہمیشہ وہی برتاؤ کرتے رہو گے جو اب تک کرتے رہے ہو اور یہاں نہیں بلکہ جامع مسجد میں سب لوگوں کے سامنے ؎

لگتی ہیں گالیاں بھی ترے منہ سے کیا بھلی   قربان تیرے پھر مجھے کہدے اسی طرح

(یہ شعر اس جگہ خانصاحب نے اپنی طرف سے پڑھا تھا) میں نے ناچار اس کو منظور کیا اور اس مجبوری سے میں ایسا کرتا ہوں۔

حکایت (۸) خانصاحب نے فرمایا کہ مرزا جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ شاہی خاندان سے تھے اور عالمگیر کے خالہ زاد بھائی تھے۔ ان کے والد کا نام مرزا جانی تھا اور مرزا صاحب کا نام جانِ جاناں عالمگیر نے رکھا تھا۔ انکی شہادت کا واقعہ یہ ہے کہ دہلی میں نجف خاں رافضی کا تسلط تھا اور رافضی اسوقت زور شور پر تھے۔ اتفاق سے دو رافضی مرزا صاحب کی خدمت میں آئے اور کہا کہ آپ شیخینؓ کی نسبت کیا کہتے ہیں۔ مرزا صاحب نے فرمایا میرا کیا منہ ہے کہ میں انکی نسبت کچھ کہہ سکوں انکی نسبت تو خدا فرماتا ہے والسابقون الاولون الخ۔ اس پر انہوں نے کہا کہ وہ نزول آیت کے وقت بیشک ایسے ہی تھے اسلیے خدا

---

[1] اس سلب کی حقیقت جیسا احقر نے حضرت مولانا گنگوہیؒ سے سنی ہے یہ ہے کہ معمول کے قوی ادراکیہ و عملیہ میں ایسا تصرف کیا جاتا ہے جس سے اسمیں غباوت پیدا ہو جاتی ہے۔ باقی کمال و قرب کو کوئی زائل نہیں کر سکتا۔ احقر کہتا ہے کہ ایسی غباوت کسی مرض یا کسی دوا وغیرہ کے غلبہ سے بھی پیدا ہو سکتی ہے اور اس سے فی نفسہٖ کوئی ضرر بھی نہیں۔ گو لذت کی کمی سے قلق ہوتا ہے البتہ بواسطہ اسلیے گاہے مضر ہو جاتا ہے کہ وہ سبب ہو جاتا ہے نشاط کی کمی کا۔ اور وہ مفضی ہو جاتی ہے تقلیل فی الاعمال کیطرف۔ اسی لیے جہاں ایسا احتمال ہو وہاں یہ تصرف حرام ہے اور جہاں کیفیات نفسانیہ کا غلبہ ہو ضرر دینیہ یا دنیویہ کا وہاں یہ تصرف طاعت ہے۔ اور جہاں مصلحت مبلہ ہو وہاں مباح ہے جیسا اس قصہ میں ہوا۔ (اشرف علی)

نے ایسا فرما دیا اور بعد کو ان کی حالت بدل ہوگئی اور اس معاملہ میں خدا کو بداء ہوا ہے۔ اس پر مرزا صاحب نے فرمایا کہ ایسے احمق خدا کو میں نہیں مانتا جسکو یہ بھی خبر نہ ہو کہ شیخین نعوذ باللہ مرتد ہو جاوینگے اور وہ ان کو خوشنودی کا بھی پروانہ دیدے اور انسے جنت کا بھی وعدہ کرلے۔ ایسا خدا رافضیوں کا خدا ہے۔ اسپر انہوں نے بندوق ماری جو مرزا صاحب کے سینہ میں لگی۔ بندوق ایسے انداز سے لگی کہ مرزا صاحب کا فوراً انتقال نہیں ہوا بلکہ وہ سخت زخمی ہو گئے۔ شاہ عالم کو جب علم ہوا تو عیادت کیلئے آئے اور پوچھا، مرزا صاحب کیسا مزاج ہے۔ آپنے فرمایا کہ بندوق لگی ہے سو اسکی تو چنداں تکلیف نہیں کیونکہ یہ سینہ پہلے ہی سے چھلنی تھا۔ ہاں بندوق چونکہ قریب سے لگی ہے اسلیئے کچھ بارود اندر چلی گئی ہے اور اسکی بو سے دماغ سخت پریشان ہے۔ یعقوب خاں خورجوی اور ابوبکر خورجوی بیان فرماتے تھے کہ مرزا صاحب نے اس حادثہ سے چار پانچ ہی روز پہلے یہ غزل لکھی تھی ع

بلوحِ تربتِ من یافتند از غیب تحریرے کہ ایں مقتول را جز بیگناہی نیست تقصیرے

اور یہ شعر آپ کی تربت پر علیحدہ کندہ بھی ہے۔

اضافہ از احقر ظہور الحسن کسولوی

حکایت (۹) ایک روز ارشاد فرمایا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اور مولانا فخر الدین صاحب چشتی اور حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہم اجمعین تینوں کا ایک زمانہ تھا اور تینوں حضرات دہلی میں تشریف رکھتے تھے۔ ایک شخص نے چاہا کہ تینوں حضرات اتفاق سے ایک شہر میں موجود ہیں ان کا امتحان لینا چاہیے کہ کس کا مرتبہ بڑا ہے۔ یہ شخص اول شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا

یعنی بطورِ الزام کے فرمایا کہ تمہارے قول پر اس صورت کا قائل ہونا لازم آتا ہے۔ (اشرف علی)

کہ حضرت کل آپ کی میرے یہاں دعوت ہے قبول فرمادیں! اور نو بجے دن غریب خانہ پر خود تشریف لاویں میرے بلانیکے منتظر نہ رہیں۔ شاہ صاحب نے فرمایا بہت اچھا۔ اس کے بعد وہ شخص مولانا فخرالدین صاحبؒ کیخدمت میں پہنچا اور عرض کیا کہ ساڑھے نو بجے میرے بغیر میرے بلائے مکان پر تشریف لاویں اور ماحضر تناول فرمادیں۔ یہانسے اٹھ کر یہ شخص مرزا جانِ جاناں کیخدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ کاروبار کے سبب خدمت میں حاضر نہ ہوسکوں گا پورے دس بجے دن کو غریب خانہ پر تشریف لے آویں۔ تینوں حضرات نے دعوت قبول فرمائی اور اگلے روز ٹھیک وقت مقررہ پر اُس شخص کے مکان پر پہنچ گئے۔ اوّل نو بجے شاہ صاحب تشریف لائے اُس نے انکو ایک مکان میں بٹھایا اور چلا گیا ساڑھے نو بجے مولانا تشریف لائے انکو دوسرے مکان میں بٹھایا۔ پھر دس بجے مرزا صاحب تشریف لائے اِن کو تیسرے مکان میں بٹھایا۔ غرض تینوں حضرات علیحدہ علیحدہ مکان میں بٹھائے گئے کہ ایک کو دوسرے کی اطلاع بھی نہیں ہوئی۔ جب تینوں حضرات بیٹھ گئے تو یہ شخص پانی لیکر آیا۔ ہاتھ دُھلائے اور یہ کہہ کر چلا گیا کہ ابھی کھانا لیکر حاضر ہوتا ہوں۔ کئی گھنٹے گذر گئے اور اس شخص نے خبر نہ لی۔ آکر یہ بھی نہ دیکھا کہ کون گیا اور کون بیٹھا ہے۔ جب ظہر کا وقت آگیا اور اُس نے سوچا کہ مہمانوں کو نماز بھی پڑھنی ہے تو اوّل شاہ ولی اللہ صاحب کیخدمت میں حاضر ہوا اور شرمندہ صورت بنا کر عرض کیا حضرت کیا کہوں گھر میں تکلیف ہوگئی تھی اسلیے کھانیکا انتظام نہ ہوسکا۔ دو پیسے نذر کیے اور کہا انکو قبول کر لیجیے۔ شاہ صاحب نے خوشی سے دو پیسے لے لئے اور فرمایا کیا مضائقہ ہے۔ بھائی گھروں میں ایسا ہو ہی جاتا ہے شرمندہ ہونیکی بات نہیں۔ یہ فرما کر چل دیے۔ پھر یہ شخص مولانا فخرالدین صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہی کہا جو وہاں کہا تھا اور دو پیسے نذر کیے۔ مولانا نے فرمایا

بھائی فکر کی کیا بات ہے۔ اکثر گھروں میں ایسے قصے پیش آجاتے ہیں اور کھڑے ہو کر نہایت خندہ پیشانی سے تعظیم کیساتھ رومال پھیلا دیا، دو پیسے کی نذر قبول فرمائی اور رومال میں باندھ کر روانہ ہوئے۔ دونوں کو رخصت کر کے یہ شخص حضرت مرزا جان جاناں کی خدمت میں پہنچا اور وہی عذر بیان کر کے دو پیسے نذر کیے۔ مرزا صاحب نے پیسے تو اٹھا کر جیب میں ڈال لیے اور پیشانی پر بل ڈالکر فرمایا کچھ مضائقہ نہیں مگر پھر ہمیں ایسی تکلیف مت دیجیو" یہ فرما کر تشریف لیگئے۔ اس شخص نے یہ قصہ اور بزرگوں سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ مولانا شاہ فخر الدین صاحب فنِ درویشی میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں کہ انہوں نے وہ نذر خندہ پیشانی کیساتھ تعظیم سے کھڑے ہو کر قبول فرمائی اور اُنسے کم درجہ شاہ ولی اللہ صاحب کا ہے کہ کھڑے تو نہیں ہوئے مگر بخوشی نذر کو قبول فرمایا اور تیسرے درجہ پر مرزا صاحب ہیں کہ نذر کی قبولیت کیساتھ ملال بھی ظاہر فرمایا۔ یہ قصہ نقل فرما کر حضرت[1] امام ربانی نے ارشاد فرمایا کہ اُس زمانہ کے بزرگوں کا یہی خیال تھا مگر میرے نزدیک تو حضرت مرزا صاحب کا درجہ بڑھا ہوا ہے کہ باوجود اسقدر نازک مزاج ہونیکے اتنا صبر و تحمل فرمایا۔ اور "کچھ مضائقہ نہیں" جواب عطا فرمایا۔

حکایت (۱۰) مرزا جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کی لطافتِ طبع اور نفاست و نازک مزاجی کے بہتیرے قصے حضرت ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ ایکدن فرمانے لگے کہ مرزا صاحب کی ایک شخص نے دعوت کی اور چونکہ وہ آپکی نازک مزاجی سے واقف تھا اسلیے گھر کو خوب صاف کیا، جھاڑ دی، کلی کرائی جب سب طرح اسکو ستھرا اور خوبصورت بنا لیا تو مرزا صاحب کو بلایا۔ مرزا صاحب تشریف لائے اور ایکطرف بیٹھ گئے۔ جب کھانا سامنے آیا اور مرزا صاحب نے نظر اٹھائی تو سر ہاتھ سے پکڑ لیا اور فرمایا "میاں یہ روڑا زمین سے کیسا اٹھا ہوا ہے۔ جبتک یہ صاف نہ ہوگا مجھے

[1] یعنی مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲

کھانا نہ کھایا جائیگا۔ چنانچہ اسی وقت روڑا نکال کر زمین کو ہموار کیا جب مرزا صاحب نے نوالہ لیا۔

حکایت (۱۱) بے قاعدہ رکھی ہوئی چیز دیکھ کر مرزا صاحب کے سر میں درد ہونے لگتا تھا۔ ایک دن بہادر شاہ بہت الحاح والتجا کے بعد اجازتِ حضوری ملنے پر زیارت کیلئے حاضر ہوا موسم گرما تھا۔ بادشاہ کو پیاس لگی اور پانی طلب کیا۔ حضرت نے فرمایا وہ گھڑا رکھا ہوا ہے پیالہ میں لیکر پانی پیو۔ بادشاہ نے پانی پیا اور پیالہ گھڑے پر رکھدیا۔ مرزا صاحب کی نظر جو گھڑے پر پڑی تو پیالہ ذرا ترچھا دھرا ہوا تھا۔ دیر تک ترچھی نگاہ سے دیکھتے رہے آخر ضبط نہ ہو سکا فرمایا، جناب آپ بادشاہت کیا کرتے ہونگے ابھی تک خدمتگاری تو آئی ہی نہیں۔ دیکھو تو گھڑے پر پیالہ رکھنے کا یہی طور ہے۔ اس کے بعد مرزا صاحب نے ترشی کیساتھ فرمایا "آئندہ ہمیں ایسی تکلیف نہ دیجیو"۔

حکایت (۱۲) ایک رات مرزا صاحب کو سردی کیوجہ سے نیند کم آئی۔ ایک بڑھیا خادمہ کو یہ حال معلوم ہوا تو حاضر ہو کر عرض کرنے لگی اجازت ہو تو رزائی بنادوں؟ حضرت نے فرمایا بہت اچھا۔ بعد نمازِ عشاء، بڑھیا رزائی لیکر حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ حضرت رزائی حاضر ہے آپ اُسوقت چارپائی پر لیٹ چکے تھے۔ فرمایا مائی میں تو اب لیٹ رہا۔ اُٹھنا مشکل ہے تو ہی آکر میرے اوپر ڈالدے۔ بڑھیا نے رزائی حضرت کو اُڑھادی اور چلی گئی۔ صبح ہوئی تو مرزا صاحب نے خادم سے فرمایا، غلام علی مجھے تو تمام رات نیند نہیں آئی دیکھو تو رزائی میں کوئی جوں تو نہیں ہے؟ شاہ غلام علی صاحب نے خوب غور سے دیکھا نئی رزائی تھی جوں کا کہاں پتہ۔ ہاں جلدی میں نگندے ٹیڑھے پڑے تھے۔ جب پرکار سے خط کھینچ کر درست کیے گئے تو مرزا صاحب کو آرام ملا۔

حکایت (۱۳) ایک روز ارشاد فرمایا کہ شاہ غلام علی مرزا صاحب کے خاص

خادم تھے۔ جب پنکھا کرنے کھڑے ہوتے تو بہت احتیاط رکھتے تھے مگر پھر بھی یہ حال تھا کہ جب ذرا سہج سہج پنکھا ہلتا تو حضرت فرماتے میاں تمہارے ہاتھوں میں جان نہیں ہے؟ اور جب ذرا تیز جھلتے تو فرماتے تُو تو مجھے اُڑا دیگا۔ آخر ایکروز شاہ غلام علی صاحب نے دبی زبان سے عرض کیا کہ حضرت یوں بن پڑے نہ وُوں بن پڑے۔ حضرت مرزا صاحب کو غصہ آگیا اور جھڑک کر فرمایا۔ "ہمارا پنکھا چھوڑ دو" پھر شاہ غلام علی صاحب روئے اور خطا معاف کرا کر پنکھا جھلنے کی درخواست کی۔ حضرت نے اجازت دیدی۔

حکایت (۱۴) ایک بار قاضی صاحب بلباس فاخرہ حاضر ہوئے۔ ایک شیخزادہ ہمراہ تھے۔ شیخ صاحب کو پیاس معلوم ہوئی۔ مرزا صاحب نے گھڑے سے پانی پینے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ شیخ جی نے پانی پی کر گلاس ڈھکدیا۔ مرزا صاحب نے سر پکڑ لیا اور خود کھڑے ہو کر گلاس کو گھڑے پر درست کر کے رکھا۔ اتفاق سے شیخ صاحب کا پاجامہ ایکطرف ڈھلا ہوا اور نیفہ کی چڑیا اپنی جگہ سے سرکی ہوئی تھی۔ حضرت مرزا صاحب کی جو نظر پڑی تو پریشان ہو گئے اور قاضی صاحب سے فرمایا آپ کی ان شیخ صاحب کیساتھ کیونکر نبھتی ہوگی جنہیں پاجامہ پہننے کا بھی سلیقہ نہیں دونوں سُرین ایک ہی پائنچہ میں ڈال لیے۔

حضرت مرزا صاحب کے حجرہ سے باہر تشریف لانیکا جب وقت ہوتا تو پہلے سے شاہ غلام علی صاحب فرش کو صاف کر دیا کرتے تھے۔ ایکدن مرزا صاحب جو حجرہ سے باہر تشریف لائے تو سر پکڑ کر بیٹھ گئے اور فرمایا۔ "غلام علی تجھ کو اب تک تمیز نہ آئی دیکھ تو سہی وہ فرش پر تنکا پڑا ہوا ہے جلدی اُٹھا۔

حکایت (۱۵) ایک مرتبہ کسی اور شخص نے بہت اہتمام سے لوز تیار کر کے نذر گذارے۔ آپنے رکھ لیے کوئی جواب نہ دیا۔ دوسرے دن اُس شخص نے دریافت کیا حضرت

لوز پسند بھی آئے۔ آپ خاموش ہو گئے۔ پھر پوچھا پھر کچھ نہ فرمایا۔ تیسری مرتبہ اس شخص نے پھر یہی سوال کیا اُسوقت مرزا صاحب سے ضبط نہ ہو سکا۔ فرمایا لوز تھے یا جوتے کا تلہ۔ ہاتھ کی تین یا چار انگلیاں اُٹھا کر فرمایا اتنے اتنے بڑے بھی لوز کہیں ہوتے ہونگے۔ ایسے انوکھے لوز تو آپ تیار کر کے لائے اُس پر طرّہ یہ کہ داد بھی چاہتے ہیں۔ میاں لوز بادام کو کہتے ہیں بادام ہی کی برابر ہونا چاہیے کہ آدمی کھانیکے بعد ایک دو منہ میں ڈال لے۔

حکایت (۱۶) پھر ایک مرتبہ کوئی شخص لوز تیار کر کے لائے تو آپ کو پسند آئے۔ اگلے دن شاہ غلام علی صاحب کو بُلا کر چند لوز عطا فرمائے۔ انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیے۔ مرزا صاحب نے غایت کلفت کیساتھ ہائے کی اور فرمایا "میاں کاغذ لاؤ اور اسمیں لو"۔ شاہ صاحب جلدی سے کاغذ لائے مرزا صاحب نے اسمیں لوز رکھدیے۔ انہوں نے کاغذ کی پُڑیہ باندھ لی۔ پھر دوبارہ مرزا صاحب منقبض ہوئے اور سر ہاتھ سے تھام کر فرمایا غلام علی تو مجھے مار کر چھوڑیگا۔ بندش کا بھی سلیقہ نہیں یہ لوز اسطرح بندھتے ہونگے؟ اس کے بعد خود لیکر سلیقہ کیساتھ ان کو لپیٹا اور ہر چہار گوشہ صاف ستھرے سیدھے سچے موڑ کر اُن کے حوالے کیے۔ اگلے دن دریافت فرمایا کہو غلام علی لوز کھائے انہوں نے کہا۔ جی حضرت کھائے بڑے مزے کے تھے۔ آپنے فرمایا کتنے کھائے؟ عرض کیا حضرت سب کھالیے۔ اتنا سنکر مرزا صاحب بے کیف ہو گئے اور تعجب سے فرمایا، ایں سب کھالیے آدمی ہو یا ڈنگر؟

حکایت (۱۷) حضرت مرزا صاحبؒ کا امتحان اور مجاہدہ سب اسی نفاست و نزاکتِ طبع میں تھا۔ ایک عورت تھی نہایت بد مزاج کج خلق اور منہ پھٹ۔ حضرت مرزا صاحب کو الہام ہوا کہ اگر اس عورت سے نکاح کرو اور اسکی بدزبانی و ایذادہی پر صبر کروگے تو تم کو نواز لیا جائیگا۔ حضرت نے فوراً پیام بھیجدیا اور اُس سے نکاح کر لیا۔ وہ عورت اس

درجہ تند خو بدخصلت سخت دل اور فحش گو تھی کہ الامان ۔ حضرت مرزا صاحب خوشی خوشی دولت خانہ تشریف لیجاتے اور وہ سڑی سڑی سنانی شروع کرتی چپکے بیٹھے سنتے رہتے زبان سے اُف نہ نکالتے، اندر گھلتے ۔ آخر واپس تشریف لے آتے تھے ۔ آپ کا معمول تھا کہ روزانہ صبح ہوتے ہی خادم کو حکم فرماتے کہ جاؤ دروازہ پر حاضر ہو کر میرا سلام عرض کردو اور پوچھو کوئی کار خدمت ہو تو انجام دیا جائے ۔ بموجب ارشاد خادم آستانہ پر حاضر ہوتا اور شیخ کا پیغام پہنچا کر مزاج پرسی کرتا ۔ وہ نیک بخت بجائے جواب سلام گالیاں سناتی اور وہ وہ مغلظات بکتی تھی کہ سننے والے شرما جاتے تھے ۔ مگر مرزا صاحب کی خادم کو تاکید تھی کہ دیکھو اہلیہ کی شان میں گستاخی نہ ہونے پائے کسی بات کا جواب مت دینا جو کچھ فرمادیں سن لینا ۔ ایک روز کوئی ولائتی خادم اس خدمت پر مامور ہوا ہر چند اس کو تاکید تھی کہ جواب نہ دیا جائے ۔ مگر بیچارہ ضبط نہ کرسکا جب دروازہ پر پہنچ کر حضرت کا سلام پہنچایا مزاج پرسی کی تو عورت نے بکنا شروع کیا ۔ پیر بنا بیٹھا ہے اُسے یوں کردوں اور ووں کردوں ۔ ہر چند کہ ولائتی نے ضبط کی کوشش کی مگر آخر کہاں تک ۔ پیر کو گالیاں نہ سن سکا اور غصہ میں آکر کہا بس چپ رہ ورنہ گردن اُڑا دوں گا ۔ اس جواب پر وہ نیک بخت اور آگ بگولا ہوگئی ۔ اب لگی ہونے تو تو میں میں ۔ غل کی آواز جو مرزا صاحب کے کان میں پہنچی تو گھبرا اٹھے اور جلدی سے ولائتی کو واپس بلا بھیجا اسکو ہٹایا اور فرمایا تم ناواقف ہو دوسرے خادم کو بھیجا وہ گالیاں سنکر واپس آگیا ۔ حضرت مرزا صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں اس عورت کا نہایت مشکور و احسانمند ہوں اسکے باعث مجھے بہت نفع پہنچا ہے اور حقیقت میں اسکی شدائد اور سختیوں کو برداشت کرتے کرتے حضرت مرزا صاحب کے اخلاق غایت درجہ مہذب ہوگئے اور آپ کا سب غیظ و غضب فرو ہوگیا تھا ۔

حکایت (۱۸) مرزا صاحب کی نزاکتِ طبع کا یہ حال تھا کہ ایک شخص زیادہ کھانیوالا تھا اُسکو لوگ اکول کہتے تھے۔ مرزا صاحب کی خدمت میں جب حاضر ہوتا تو اُسکی صورت دیکھ کر زیادہ کھانیکے تصور سے سر میں درد ہو جاتا اور کتنی کتنی دیر تک سر تھامے بیٹھے رہتے۔ فرش کے نیچے کوئی سنگریزہ ہوتا اور بچھونا اُبھرا رہتا اُسپر اگر نظر پڑ جاتی تو بے چین اور متاذی ہو جاتے تھے۔

حکایت (۱۹) ایک شخص نے مرزا صاحب کے کھانے کو لوز تیار کر کے بھیجے۔ اس بیچارے نے اپنی دانست میں اچھے ہی بھیجے تھے۔ مگر مرزا صاحب نے دیکھا تو فرمایا کیسے لوز ہیں جیسے گھوڑے کے نعل ہوں۔ اس کے بعد حضرت امامِ ربانی نے فرمایا کہ مرزا صاحب کسی کی خدمت اور کسی کا تحفہ پسند نہیں فرماتے تھے۔ اس سے طالبین کی اصلاح منظور تھی۔ یہی سبب ہے کہ شاہ غلام علی صاحب کی بہت اصلاح ہوئی تھی۔

فرمایا کہ شاہ غلام علی صاحب میں عجز و انکسار اتنا بڑھ گیا تھا کہ ایک سید نے شاہ صاحب کی خدمت میں آکر عرض کیا حضرت آپ مجھے اپنا خادم بنا لیں۔ شاہ صاحب گھبرا اُٹھے اور فرمایا "بابا یہ لفظ ہرگز زبان سے نہ نکالنا، تم فرزندِ علی ہو اور میں غلامِ علی ہوں۔" (منقول از تذکرۃ الرشید حصہ دوم)

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کی حکایات

حکایت (۲۰) خان صاحب نے فرمایا مجھ سے قاری عبد الرحمٰن صاحب پانی پتی اور مولوی اعلم علی صاحب مرادآبادی نے بیان فرمایا کہ میاں صاحب (شاہ محمد اسحاق صاحب کا لقب ہے) فرماتے تھے ان العبد لیعمل بعمل اھل النار فیسبق علیہ القدر فیعمل بعمل اھل

الجنۃ ویدخل الجنۃ کا مصداق اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ واقعہ اسکا یہ ہے کہ نانا صاحب (شاہ عبدالعزیز صاحب) کے دربار میں ایک پنڈت حاضر ہوا کرتے تھے جو کہ لڑکپن کے زمانہ سے اُن کے دوست تھے ہم ان کو نانا کہا کرتے تھے اُن کا معمول تھا کہ وہ روزانہ صبح کو مدرسہ میں آتے اور کنویں پر نہاتے اور سورج پر جل چڑھاتے۔ یہ بات ہمکو گراں تھی۔ مگر ادب کیوجہ[1] سے ہم کچھ نہ کہہ سکتے۔ اب نانا صاحب کا انتقال ہوگیا اور مدرسہ کا اہتمام ہمارے ہاتھ میں آیا اور اُن پنڈت کا وہی معمول رہا۔ مگر ہم اب بھی کچھ نہ کہہ[2] سکے۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ وہ کنویں پر سورج کیطرف منہ کیے اور ہاتھ میں لُٹیا لیے سورج پر جل چڑھانے کے لیے کھڑا تھا مگر چڑھایا نہ تھا۔ اتفاق سے میں پہنچ گیا۔ میں نے اُسوقت کے قاعدے سے اُسے[3] سلام کیا۔ اس نے مجھے دعا دی اور کہا بیٹا یہاں آؤ۔ میں گیا تو اس نے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ ہماری تمہارے نانا سے بچپن کی دوستی ہے اور وہ دوستی اُن کے انتقال کیوقت تک برابر قائم رہی اور آنا جانا اٹھنا بیٹھنا میل ملاپ بہت کچھ رہا۔ مگر انہوں نے مجھ سے کبھی کہا کہ تم مسلمان ہو جاؤ اور نہ مجھے کبھی اسکا خیال ہوا۔ لیکن آج آپ ہی آپ میرا دل بےچین ہے اور بےساختہ جی چاہتا ہے کہ میں مسلمان ہو جاؤں کیونکہ میں ہمیشہ سے سورج کی پرستش کر رہا ہوں۔ لیکن آج مجھے خیال آیا کہ جب ہم چاہتے ہیں چلتے ہیں اور جب چاہتے

---

[1] یعنی حضرت شاہ صاحب کے ادب کیوجہ سے [2] یہ بھی اسی ادب حیات کا غلبہ تھا جسکا اثر بعد وفات بھی رہا۔ اور اس کا ادراک اہل وجدان کو ہوتا ہے۔ اور چونکہ اس فعل میں حضرت میاں صاحب کا کوئی دخل نہیں۔ نہ نسبتاً نہ رضاءً، اسلئے کوئی اعتراض بھی نہیں ہو سکتا۔ رہا یہ کہ نہی عن المنکر تو کر سکتے تھے۔ سو یہ نہی توقع قبول کیوقت واجب ہوتی ہے ورنہ نہیں۔ رہا استحباب سو عجب نہیں حضرت بڑے شاہ صاحب کے سکوت کو کسی حکمت پر اجمالاً محمول فرما لینا یہ ملح ہوا ہو۔ ایتان مستحب ہے اور تعیین اس حکمت کی واقعہ کے اخیر جزو سے کہ اس پنڈت کا مسلمان ہو جانا ہے ہو سکتی ہے۔ یعنی حضرت شاہ صاحب کو مکشوف ہو گیا ہو کہ اگر اس کیساتھ سختی نہ کی جاوے تو ممکن ہے کہ اس نرمی سے اُس کے قلب میں اسلام کی الفت پیدا ہو جاوے۔ چنانچہ آخر وہ اس دولت سے مشرف ہوا۔ [3] کافر کو سلام ضرورت یا معتد بہا مصلحت سے یا کسی حال محمود کے غلبہ سے جائز ہے۔ اور احتمال ثالث پر وہ غلبہ حال ادب تھا حضرت شاہ صاحب کا۔ نیز مکشوف ہوا ہوگا کہ اس کے اسلام کا زمان وقت معین ہے۔ اب اس سے پہلے توقع قبول نہ تھی اور عدم توقع کے وقت امر بالمعروف کا ضروری ہونا ابھی مذکور ہوا ہے۔

ہیں آرام کرتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں جاتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں نہیں جاتے. مگر سورج ہے کہ رات دن مارا مارا پھرتا ہے نہ وہ ایکدم کیلئے ٹھہر سکتا ہے اور نہ وہ اپنی معیّنہ چال کیخلاف چل سکتا ہے. پس معلوم ہوا کہ وہ تو ہم سے بھی زیادہ مجبور اور زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے اور ہرگز قابلِ پرستش نہیں. نیز معلوم ہوا کہ دینِ اسلام دینِ حق ہے. بس بیٹا تم مجھے مسلمان کرلو. گو میں اسلام کی باتیں جانتا ہوں مگر میں چاہتا ہوں کہ تمہارے ہاتھ پر اسلام لاؤں تاکہ تم میرے اسلام کے گواہ رہو. میں نے کہا آپ کو ختنہ کرانی پڑے گی.[۱] اُس نے کہا جو کچھ تم کہو گے میں سب کچھ کرونگا. الحاصل میں نے اُسے مسلمان کیا اور اس کی ختنہ کرائیں. اُس نے یہ بھی کہا کہ میرے بیٹا بیٹی نہیں ہاں پوتے نواسے ہیں. مگر جب میں مسلمان ہو جاؤنگا وہ سب میرے مخالف ہو جائینگے اسلیے میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے اپنے یہاں رہنے کیلئے جگہ دیدو. کھانے پینے کیلئے میرے پاس بہت کچھ ہے. میں نے کہا کہ اگر آپ کا جی چاہے تو مال بھی اپنے پوتوں وغیرہ ہی کو دیجئے میں آپکی اپنے نانا کیطرح خدمت کروں گا. الغرض میں نے ان کو رہنے کیلئے جگہ دی اور اُن کی خدمت کرتا رہا. وہ چالیس روز زندہ رہے اور اس کے بعد ان کا انتقال ہو گیا.

حکایت (۲۱) خانصاحب نے فرمایا کہ لوگ شاہ عبدالعزیز صاحب کو متساہل[۲] کہتے ہیں مگر یہ لوگ اُن مشکلات سے واقف نہیں ہیں جو شاہ صاحب کے سامنے تھیں.

---

[۱] یہ بطور شرط اسلام کے نہیں فرمایا بلکہ حکم اسلام کے طور پر فرمایا. یعنی اگر کوئی اس عمل پر آمادہ نہ ہو اسلام کی تو اس کو بھی تلقین کر دی جاوے گی لیکن اسلام کا یہ حکم پھر بھی بتلایا جاوے گا. اور بالغ کے بدن کو ختنہ کی ضرورت سے دیکھنا اس میں گو اختلاف ہے مگر فقہاء نے اس کے جواز کو بھی راجح کہا ہے. (اشرف علی) [۲] اس حکایت میں تو کوئی بات موہم تساہل مذکور نہیں بعض قصے جو اس طرز کے مشہور ہیں اس کی تحقیق یہ ہے کہ اس کا استعمال دفع مضرت دنیویہ کے لیے ہو یا خاطب کے لیے جلب منفعت دینیہ کے لیے ہو تو محمود ہے اور اگر اپنے جلب منفعت دنیویہ مالیہ یا جاہیہ کے لیے ہو تو مذموم ہے. خوب سمجھ لو اس میں اکثر دھوکہ ہو جاتا ہے گا ہے بزرگوں پر بدگمانی کا گاہے اپنے پر تقلید بزرگان کی نیک گمانی کا.

(اشرف علی)

شاہ صاحب کا زمانہ ایک نہایت سخت فتنہ کا زمانہ تھا جس میں اظہارِ حق نہایت دشوار تھا اسلیے شاہ صاحب ترویج دین نہایت حزم وتدبیر کیساتھ کرتے تھے اور فتنہ انگیز عنوانات سے احتراز فرماتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنے جتنے بزرگوں کو دیکھا ہے وہ سب جتنے شاہ عبد العزیز صاحب کے معتقد تھے اسقدر نہ مولوی اسمٰعیل صاحب کے معتقد تھے اور نہ کسی اور کے، حالانکہ ان حضرات نے نہایت آزادی اور جانفروشی کیساتھ دین کو رائج کیا ہے۔ وجہ اسکی یہ تھی کہ شاہ صاحب کو جن لوگوں سے واسطہ پڑا تھا وہ دین سے بالکل آشنا نہ تھے ایسے لوگوں کو راہ پر لگانا سخت دشوار تھا اور شاہ صاحب نے ان کو راہ پر لگایا۔ یہ دلیل ہے اُن کے کمال عقل اور حکیم کامل ہونیکی اور جن لوگوں سے مولوی اسمٰعیل صاحب وغیرہ کو واسطہ پڑا ہے یہ وہ لوگ تھے جو یا تو راہ راست پر آچکے تھے یا کم از کم دین سے بہت زیادہ بُعد نہ رہا تھا۔ اب میں اُس زمانہ کے حالات دکھلاتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ وہ زمانہ کسقدر سخت فتنہ کا تھا اور اسمیں اظہارِ حق کتنا مشکل تھا اُس زمانہ میں ایک تو روافض کا نہایت غلبہ تھا۔ چنانچہ دہلی میں نجف علیخاں کا تسلط تھا جس نے شاہ ولی اللہ صاحب کے پہنچے اُتروا کر ہاتھ بیکار کردیے تھے تاکہ وہ کوئی کتاب یا مضمون نہ تحریر کرسکیں۔ اور مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کو شہید کرادیا تھا اور شاہ عبد العزیز صاحب اور شاہ رفیع الدین کو اپنے قلمرو سے نکالدیا تھا اور یہ ہر دو صاحبان مع زنانوں کے شاہدرہ تک پیدل آئے تھے۔ اسکے بعد مولانا فخر الدین صاحب کی سعی سے زنانوں کو تو سواری مل گئی تھی اور وہ پھلت روانہ ہوگئے تھے۔ مگر شاہ رفیع الدین اور شاہ عبد العزیز صاحب کو سواری بھی نہ ملی تھی اور شاہ رفیع الدین صاحب تو پیدل لکھنؤ چلے گئے تھے۔ اور شاہ عبد العزیز صاحب پیدل جونپور چلے گئے تھے کیونکہ نہ اِن دونوں کو سوار ہونیکا حکم

تھا اور نہ ساتھ رہنے کا اور دو دفعہ روافض نے شاہ صاحب کو زہر دیا تھا اور ایک مرتبہ چھپکلی کا اُبٹن ملوا دیا تھا جس سے شاہ صاحب کو برص اور جذام ہو گیا تھا اور جونپور کے سفر میں شاہ صاحب کو لُو بھی لگی تھی جس سے مزاج میں سخت حدّت پیدا ہو گئی تھی جس سے جوانی ہی میں بینائی جاتی رہی تھی اور ہمیشہ سخت بے چین رہتے تھے۔ اور دوسرے مصنوعی صوفیوں کا غلبہ تھا جن کا اثر بادشاہ پر اور شہزادوں، شہزادیوں پر اور عوام پر تھا۔ اور اس وجہ سے ان کی جرأت اور گستاخی اسقدر بڑھ گئی تھی کہ علماء کے پاس آتے تھے اور کہتے تھے کہ او مسجد کے مینڈھے کچھ دلوا ہم رنڈی رکھیں گے شراب پئیں گے، بھنگ پئیں گے۔ علماء کو مجبوراً دینا پڑتا تھا۔ حتیٰ کہ شاہ عبدالقادر صاحب بھی دیتے تھے۔ مگر وہ کہتے تھے کہ میاں صاحب لو کھانا کھا لینا۔ لیکن شاہ عبدالعزیز صاحب نے کبھی کسی کو نہیں دیا اور ہمیشہ لطائف الحیل سے پیچھا چھڑایا۔ چنانچہ اس پر ایک قصّہ سناتا ہوں یہ قصہ میں نے مولوی عبدالقیوم صاحب، مولانا گنگوہی صاحب اور دوسرے بہت سے اشخاص سے سنا ہے وہ قصہ یہ ہے کہ قطب صاحب کا ایک مجاور دہلی میں آیا اور علماء کے پاس گیا وہ جس عالم کے پاس جاتا اُس سے یہ کہتا کہ مجھ سے قطب صاحب نے فرمایا ہے کہ تم فلاں کے پاس جاؤ اور ان کو ایک ٹکہ دو اور کلاوہ اُنکے سر پر باندھ آؤ۔ لہٰذا میں تعمیل حکم کیلئے آیا ہوں۔ اور یہ کہہ کر وہ ٹکہ پیش کرتا اور کلاوہ باندھ دیتا اور کچھ نذرانہ لیکر چلتا ہوتا۔ یہ شخص شاہ صاحب کے پاس بھی آیا اور آ کر اُن سے بھی یہی کہا مگر شاہ صاحب نے حکمتِ عملی سے کام لیا اور فرمایا کہ رکھدو اسوقت مجھے وضو نہیں ہے۔ اُس نے وہ کلاوہ اور ٹکہ رکھدیا اور منتظر ہوا کہ شاہ صاحب کچھ دینگے مگر شاہ صاحب نے کچھ نہ دیا۔ جب اُس نے دیکھا کہ یہ کچھ نہیں دیتے تو اُس نے کہا کہ حضرت مجھے کچھ تبرک مِلجاوے۔ شاہ صاحب

نے فرمایا کہ آپ قطب صاحب کے فرستادہ تھے آپ نے تعمیل حکم کر دی جب قطب صاحب مجھے حکم دینگے میں بھی خدمت میں پیش کر دونگا۔ وہ مجبوراً رخصت ہو گیا۔ اب ایک اور قصہ سُنیئے اُس زمانہ میں ایک صاحب مولوی نصیر الدین صاحب تھے جو مدنی الاصل قوم کے سید اور شاہ صاحب کے شاگرد تھے۔ یہ صاحب خانم کے بازار میں رہتے تھے اور نہایت خوش بیان اور ذہین عالم تھے۔ ایک مرتبہ یہ صاحب اور شاہ صاحب چاندنی چوک گئے۔ شاہ صاحب چونکہ نابینا تھے اسلیے اُنکے کندھے پہ ہاتھ رکھے ہوئے تھے وہاں پہنچ کر شاہ صاحب کو معلوم ہوا ایک شور مچ رہا ہے۔ انہوں نے مولوی نصیر الدین صاحب سے فرمایا کہ جا کر دیکھو کہ کیا شور ہے۔ وہ گئے اور واپس آکر شاہ صاحب سے کہدیا کہ حضرت کوئی بات نہیں یونہی بیہودہ شور ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ علم شے بہ از جہل شے، تم جا کر اس شور کا اصل منشار معلوم کرو۔ جب شاہ صاحب نے اصرار فرمایا تو انہوں نے مجبوراً عرض کیا کہ حضرت ایک فقیر بیٹھا ہوا ہے اور اپنے عضوِ تناسل کو تانے ہوئے اور اس میں ڈورا باندھے ہوئے ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ نعوذ باللہ یہ الف ہے اللہ کا۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ جاؤ اور اسکی کمر میں اتنی زور سے لات مارو کہ وہ گر پڑے اور کہو۔ او بے وحدت خود منڈے کیا بکتا ہے (خود منڈے، بے پیرے، خودرو) الف خالی ہوتا ہے اور اِسکے نیچے دو نقطے ہیں چنانچہ مولوی نصیر الدین صاحب نے ایسا ہی کیا اور اسکا اثر یہ ہوا کہ اس فقیر کے پیچھے تالی بج گئی اور وہ نہایت خفیف ہو کر چلدیا۔ غرض ان حکمتوں سے شاہ صاحب نے باطل کو شکست دی ہے۔ ایک اور قصہ سنو۔ اس زمانہ میں بد دین صوفیوں کا ایک فرقہ امام شاہی تھا جو چار ابرو کا صفایا کرتا تھا اور بیہودہ باتیں کیا کرتا تھا۔ اس فرقہ کا موجد ایک شخص امام شاہ تھا۔ یہ فرقہ شکارپور سے نکلا تھا۔ چونکہ امام شاہ کی قبر ایک باغیچہ میں تھی اسلیے اسکے سلسلہ والے

اپنا نام باغ کی مناسبت سے رکھتے تھے اور کسی کا نام گلاب شاہ تھا کسی کا چنبیلی شاہ، کسی کا بہار شاہ وغیرہ وغیرہ۔ جب ہندوستان میں انگریزی حکومت ہوئی تو فوجیوں کی بہت قدر تھی اور رسالداروں وغیرہ کی بڑی بڑی تنخواہیں ہوتی تھیں اور اختیارات بھی وسیع ہوتے تھے۔ اُس زمانہ میں ایک شخص نسیم خاں نام شاہجہانپور کے رہنے والے تھے۔ جو بہت خوبصورت اور تنومند تھے اور شاعر بھی تھے۔ چنانچہ نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ نے اُنکے حالات اپنے تذکرہ میں لکھے ہیں۔ یہ نسیم خاں انگریزی فوج میں رسالدار تھے اور رخصت لے کر شاہجہانپور جا رہے تھے۔ راستہ میں شکارپور میں قیام کیا۔ جس سرائے میں یہ مقیم تھے اُس کے سامنے ایک باغ تھا جسمیں امام شاہ مدفون تھا۔ اتفاق سے نسیم خاں ٹہلنے کو نکلے اور اُس باغ میں پہنچ گئے اس باغ میں ایک مکان تھا جس میں امام شاہ کا سجادہ نشین رہتا تھا اور اس مکان کو اس زمانہ کے محاورہ کیمطابق منڈف (یعنی کُٹی) کہا جاتا تھا۔ اُس زمانہ میں جو سجادہ نشین اس مکان میں رہتا تھا اس کا نام گلزار شاہ تھا۔ نسیم خاں ٹہلتے ٹہلتے جب اُس مکان کے قریب پہنچے تو گلزار شاہ کو ان کے پاؤں کی آہٹ معلوم ہوئی اور اُس نے اندر سے آواز دی، کون؟ چونکہ ان کا نام نسیم خاں تھا اور اس زمانہ میں یہ عادت تھی کہ اپنا پورا نام نہ لیتے تھے، اسلیے انہوں نے جواب دیا کہ، نسیم! گلزار شاہ نے اندر سے کہا کہ، نسیم ہے تو گلزار سے نہ جائیگی۔ یہ سُنتے ہی نسیم خاں پر کچھ ایسا اثر ہوا کہ گلزار شاہ کے مرید ہو گئے اور چار ابرو کا صفایا کر کے فقیری اختیار کر لی اور اپنے ہمراہیوں کو بُلا کر اُنسے کہہ دیا کہ یہ جسقدر ساز و سامان ہے اس کا تم کو اختیار ہے چاہے تم میرے گھر دے دینا اور چاہے خود رکھ لینا مجھے اب نہ گھر بار سے کوئی تعلق ہے اور نہ تم سے کچھ سروکار، تم سب لوگ اپنے اپنے گھر چلے

جاؤں میں تو یہاں رہونگا اور بیوی کو طلاق لکھ کر اس پہ گواہیاں کرا کر اُن کے حوالہ کر دی اور یہ کہدیا کہ یہ طلاق نامہ میری بیوی کے پاس پہنچا دینا۔ الغرض اُن کے ہمراہی روانہ ہو گئے اور وہ گلزار شاہ کے پاس رہ پڑے۔ گلزار شاہ کا یہ تصرف چونکہ ایک عجیب تصرف تھا اسلیے عوام پر اس کا بہت اثر ہوا اور امام شاہی سلسلہ کو بہت ترقی ہو گئی تھوڑے دنوں بعد گلزار شاہ کا انتقال ہو گیا اور اسکی جگہ نسیم خاں سجادہ نشین ہو گئے اور ان کیطرف بہت کچھ رجوعات ہوئی۔ کچھ زمانہ کے بعد انہوں نے سیر کی غرض سے دِلّی کا سفر کیا اور دِلّی پہنچ کر شاہ صاحب کی خدمت میں بھی پہنچے۔ مخلوقات کی رجوعات سے نسیم خاں کا دماغ آسمان پر پہنچ چکا تھا اسلیے انہوں نے شاہ صاحب کی کوئی تعظیم و تکریم نہیں کی بلکہ آزادانہ اُن کے پاس گئے اور جا کر اپنے محاورہ کے مطابق سلام کیا اور کہا کہ شاہ صاحب شریعت کی قید میں کب تک رہو گے۔ نکلو اس قید سے اور چھوڑ دو شریعت کو۔ شاہ صاحب نے نہایت اخلاق سے فرمایا آئیے شاہ صاحب تشریف لائیے اور اپنے پاس بٹھالیا اور بہت دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے اسکے بعد باتوں ہی باتوں میں شاہ صاحب نے فرمایا کہ میاں صاحب آپنے قرآن بھی پڑھا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ اسکے بعد پوچھا، کچھ فارسی بھی پڑھی ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں۔ پھر پوچھا کچھ عربی بھی پڑھی ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں میر قطبی تک پڑھی ہے۔ اسکے بعد پوچھا، کچھ گھوڑے کی سواری بھی سیکھی ہے؟ کہا جی ہاں۔ پھر پوچھا فنونِ سپہگری بھی سیکھے ہیں۔ انہوں نے کہا جی ہاں پھکیتی بنکیتی اور تیر اندازی وغیرہ سب سیکھے ہیں۔ پھر پوچھا پہلے آپ کیا کام کرتے تھے۔ انہوں نے کہا، فوج میں رسالدار تھا۔ پھر پوچھا کہ قرآن کتنے زمانہ میں پڑھا اور فارسی کتنے زمانہ میں اور عربی کتنے زمانہ میں اور فنونِ سپہگری کتنے عرصہ میں سیکھے اور ملازمت کتنا زمانہ کی۔ اُس نے ان تمام باتوں کا بھی جواب دیا۔ پھر پوچھا کہ اس

سلسلہ میں کب سے داخل ہوئے اُس نے اسکا بھی جواب دیا جب شاہ صاحب نے ان تمام باتونکا اقرار لے لیا تو للکار کر فرمایا کہ فقیر سنبھل کر بیٹھ اور سُن، تُو نو مہینے تو ماں کے پیٹ کی قید میں رہا اور اُس سے باختیار خود نہ نکل سکا اور اتنے دنوں تُو ماں کے پستانوں کی قید میں رہا اور اُس سے نہ نکل سکا اور اتنے دن تک تُو انگلی پکڑنیکی قید میں رہا اور اتنے دن مونہڈوں کی قید میں رہا اور اتنے دن تُو قرآن کی قید میں رہا اُستاد نے تھپڑ بھی لگاتے ہونگے، قمچیاں بھی لگائی ہونگی مگر تُو اس قید سے نہ نکل سکا اور اتنے دن تو فارسی کی قید میں رہا اور اتنے دن عربی کی قید میں رہا اور اتنے دن تو کُشتی کی قید میں رہا اور اتنے دن پھکیتی کی قید میں رہا، اتنے دن بکیتی کی قید میں رہا، اتنے دن سواری کی قید میں رہا اتنے دن تیر اندازی کی قید میں رہا اتنے دن انگریزوں کی قید میں رہا اور اب چار اَبرُو کی صفائی کی قید میں ہے پھر تُو اپنے آپ کو آزاد کیسے کہہ سکتا ہے۔ الحاصل اِس عالم میں کوئی ایسا نہیں جو کسی نہ کسی قید میں نہ ہو تو چار اَبرو کی صفائی کی قید میں ہے اور ہم شریعت کی قید میں ہیں۔ مگر یاد رہے کہ تمہاری قید کچی چاندی ہے تم اسکی قیمت مانگو گے تو اسکو تپایا جائیگا اور بغیر تپائے کوئی نہ لیگا۔ اور ہماری قید پر سکہ شاہی لگا ہوا ہے جہاں چاہینگے بھنا لینگے۔ وہ فقیر نہایت شرمندہ ہوا اور اٹھ کر چلا گیا۔ اس قسم کے اور قصے بہت ہیں جنسے اُس زمانہ کی حالت معلوم ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے اُس زمانہ میں کتنی ہوشیاری سے دین کو سنبھالا ہے۔

حکایت (۲۲) خاں صاحب نے فرمایا کہ میں نے اس قصہ کو بہت لوگوں سے سُنا ہے۔ لیکن کسی نے خواب دیکھنے والے کا نام نہیں لیا[1] مگر جب میں نے مولوی ماجد علی صاحب اور مولوی احمد علی خیر آبادی سے اسکو بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ یہ خواب مولوی فضل امام صاحب کا تھا۔ مولوی فضل امام صاحب نے خواب دیکھا کہ جناب رسول اللہ علیہ وسلم میرے مکان میں تشریف لائے ہیں اور مکان کے فلاں کمرے میں بیٹھے ہیں۔ اسکی تعبیر میں[2] شاہ عبد العزیزؒ نے فرمایا کہ

---

[1] میں نے کسی ثقہ سے بھی نام سنا ہے مگر راوی یاد نہیں ہے۔ [2] میں نے ان راوی سے یہ بھی سنا ہے کہ انہوں نے مولوی فضل حق صاحب کو حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں تعبیر پوچھنے بھیجا تھا۔

تم فوراً جاکر اپنا تمام سامان اُس کمرہ سے نکال لو اور اسکو بالکل خالی کر دو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اس کے بعد وہ کمرہ فوراً گر گیا (جس سے تعبیر کا صحیح ہونا معلوم ہو گیا) مگر یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ اس خواب کی یہ تعبیر کیونکر ہوئی۔ کیونکہ ہزاروں لوگ جناب رسول اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری خواب میں دیکھتے ہیں اور کچھ بھی ضرر نہیں ہوتا۔ آپنے فرمایا کہ اسوقت بے اختیار یہ آیت[1] ذہن میں آگئی تھی ان الملوك اذا دخلوا قرية افسدوها۔

حکایت (۲۳) خاں صاحب نے فرمایا کہ میرے پھوپھا کا انتقال ایکسو پانچ برس کی عمر میں ہوا ہے اور بتّیس برس کی عمر میں انہوں نے یہ خواب دیکھا کہ ایک کشتی بالکل پاخانہ سے بھری ہے اور اس کشتی کے کنارے پر میں کھڑا ہوں اور اپنے پاؤں کی حرکت سے اس کشتی کو کنارے کیطرف لیجا رہا ہوں مگر اپنے جسم اور کپڑوں کو نہایت احتیاط کیساتھ اس پاخانہ سے بچاتا ہوں اور بہت کچھ بچ گیا ہوں مگر کسی قدر پاخانہ پاؤں میں لگ گیا ہے۔ جب کشتی کنارہ پر آگئی تو میں اس سے کود گیا۔ اس خواب کو انہوں نے شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں بیان کیا۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ تم[2] بہت جلد کسی اچھی ریاست میں نوکر ہو جاؤ گے۔ اور اسکا پورا انتظام تمہارے متعلق ہوگا چنانچہ اسی سال پھوپھا صاحب مالاگڈھ کی ریاست میں نواب ولی داد خاں کے یہاں ملازم ہو گئے اور تا بقدر ملازم رہے اور نہایت دیانت کیساتھ کام کیا۔ یہ واقعہ خود میرے پھوپھا نے مجھ سے بیان کیا ہے۔

حکایت (۲۴) خان صاحب نے فرمایا کہ پھوپھا صاحب نے مذکورہ بالا اپنا خواب بیان کر کے فرمایا کہ ایک شخص اکثر یہ خواب دیکھتا تھا کہ میرے گھر میں چھپکلیاں لڑتی ہیں۔ اس

---

[1] عجب نہیں شاہانہ لباس میں زیارت ہونا بیان کیا ہو اسپر یہ آیت ذہن میں آئی اور عام طور سے جو زیارت ہوتی ہے تو لباس انبیاء میں۔ اور ہر تعبیر کا اطراد ضروری نہیں۔ اس میں خصوصیاتِ مقام کو دخل ہوتا ہے۔

[2] غالباً یہ تعبیر اس پر مبنی ہے کہ دنیا کی صورت مثالیہ یہ ہے اور اس سے دنیائے مباحہ کا حرام ہونا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ پاخانہ سے ہر قسم کا انتفاع تو حرام نہیں ہے۔ مثلاً کھیت ہی میں ڈالنا اس کا جائز ہے۔ اسی طرح دنیائے مباحہ کے بھی قیود ہیں اور اصل اور رکھال میں آنا تناسب کافی ہے جو کہ بنا ہوتی ہے تعبیر کی۔ (اشرف علی)

خواب کو اس نے شاہ صاحب سے بیان کیا۔ شاہ صاحب نے اس خواب کو سنکر فرمایا کہ تیری بیوی موئے زہار قلینچی[1] سے کترتی ہے۔ اس نے آکر بیوی سے دریافت کیا بیوی نے تصدیق کی۔

حکایت (۲۵) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب کے صاحبزادے مولوی یوسف صاحب فرماتے تھے کہ جب انگریزوں کا تسلط ہوا تو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے فرمایا کہ اب ہندوستان کی سلطنت حکمار کے ہاتھ میں آگئی ہے اُن کے ہاتھ سے نکلنا بہت مشکل ہے۔ یہ روایت میں نے مولوی یوسف سے بلاواسطہ بھی سُنی ہے۔ اور بواسطہ مولوی محی الدین خاں صاحب مرادآبادی بھی سُنی ہے۔

حکایت (۲۶) خانصاحب نے فرمایا کہ چار شخص شاہ صاحب کے خاندان میں بہت سخی تھے۔ ایک شاہ رفیع الدین صاحب، انکی نسبت سید احمد خاں نے لکھا ہے کہ ان کا کیسہ زر ہمیشہ خالی رہتا تھا۔ اھ۔ یہ مکان سے باہر چبوترہ پر بیٹھا کرتے تھے اور اسپر فرش نہ ہوتا تھا، صرف چٹائی ہوتی تھی اور کبھی چٹائی بھی دیدیتے تھے اور خالی زمین پر بیٹھتے تھے۔ سارے محلے کی عورتوں کا کام کیا کرتے تھے۔ میرے اُستاد میاں جی محمدی صاحب فرماتے تھے کہ ایک روز شاہ صاحب عورتوں کا سوداخریدنے گئے۔ چونکہ سودے مختلف اور متعدد تھے اسلیے اوّل انہوں نے سودے رومال میں باندھے۔ جب رومال میں گنجائش نہ رہی تو کُرتے میں رکھے۔ جب اسمیں بھی گنجائش نہ رہی اور ایک سودا باقی رہگیا تو اُسے ٹوپی میں لیلیا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت وال مجھے دیدیجئے اور ٹوپی خالی کر کے اوڑھ لیجئے۔ تو آپنے فرمایا، نہیں مسلمان کی ہر چیز کام میں آنی چاہیے۔ دوسرے سخی مولینا شاہ اسحٰق صاحب تھے۔ جب یہ اجمیر پہنچے اور مجاور انکے پیچھے لگے تو آپنے فرمایا اسوقت تم ہمارے پاس نہ آؤ

---

[1] مناسبت ظاہر ہے اور اس میں اس فعل کے ناجائز ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔
[2] اس پیشین گوئی کیلئے کرامت وفراست دونوں ہو سکتے ہیں انفراداً یا اجتماعاً۔ (اشرف علی)

ہم پہلے زیارت کرلیں۔ جب زیارت کرکے اپنی قیامگاہ پر پہنچیں ہمارے پاس آنا۔ مجاوروں نے ایسا ہی کیا اور آپکی قیامگاہ پر پہنچے۔ اسوقت آپنے مجاوروں کو بلا گنے ہوئے اور لپیں بھر بھر کے روپیے دیئے۔ یہ دیکھ کر مجاوروں نے کہا کہ ان کو کون وہابی کہتا ہے ایسا تو اب تک کوئی بھی نہیں آیا۔ صرف فلاں بیگم آئی تھی۔ سو اُس نے بھی اتنا نہیں دیا تھا۔ یہ تو اُنکا اپنے ذاتی روپے کیساتھ برتاؤ تھا اور اگر کوئی درخواست کرتا کہ حضرت فلاں شخص سے میری سفارش کر دیجئے تو آپ بے تکلف سفارش کرتے تھے۔ چنانچہ فرخ آباد والے نواب کو ایک سال میں ایک ہزار سفارشی خط لکھے اور اس نے ہر خط کی تعمیل کی۔ آخر مجبور ہو کر عرض کیا کہ حضرت کے سفارشی والانامے اس سال ایک ہزار پہنچے ہیں۔ اسپر آپنے فرمایا کہ واقعی آپ کو بہت تکلیف ہوئی مگر میں سفارش کے بغیر رہ نہیں سکتا۔ تم میری تحریروں پر عمل نہ کیا کرو۔ مولینا گنگوہی نے یہ قصہ بیان فرماکر فرمایا کہ اپنی اپنی طبیعت ہے۔ چنانچہ مولوی محمد یعقوب صاحب کی طبیعت اس کیخلاف تھی اور وہ کبھی کسی کو سفارشی خط نہ لکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ اسمیں دو تکلیفیں ہوتی ہیں۔ اگر سفارش نہ کیجاوے تو اس کو تکلیف ہوتی ہے جو خواہانِ سفارش ہے اور سفارش کیجاوے تو اسکو تکلیف ہوتی ہے جس سے سفارش کیجاتی ہے لیکن چونکہ طالبِ سفارش کی تکلیف کا منشا خود اسکی طلب ہے اور جس سے سفارش کیجاتی ہے اسکی تکلیف محض بلاوجہ۔ اسلیے میں طالبِ سفارش کی تکلیف کو اسکی تکلیف پر ترجیح دیتا ہوں جس سے سفارش کیجاوے۔ اور یہ بیان فرماکر مولینا گنگوہی نے فرمایا کہ میرا مذاق بھی وہی ہے جو مولینا محمد یعقوب صاحب کا تھا اور میں بھی سفارش نہیں کرتا[۱] تیسرے سخی مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید تھے مگر انمیں بہ نسبت شاہ محمد اسحاق صاحب کے کچھ انتظامی شان تھی۔ چوتھے سخی

---

[۱] احقر بھی اسی مذاق کا متبع ہے یعنی بشاشت سے سفارش نہیں کرتا۔ کیونکہ جو سفارش مسنون ہے وہ اسوقت نہیں رہی، جبر و کراہت رہ گئی جو کہ ناجائز ہے۔ (اشرف علی)

مولانا اسمٰعیل صاحب کے صاحبزادے مولوی محمد عمر صاحب تھے۔ یہ پورے کھوج کھوؤ اور گھر کھوؤ تھے۔ ان کی حالت یہ تھی کہ اگر کوئی ٹوپی مانگتا تو ٹوپی دیدیتے۔ اسکے بعد یہ کہتے کہ لو یہ عمامہ بھی لیجاؤ، پھر کہتے کہ اچھا یہ کرتہ بھی لیلو حتیٰ کہ پاجامہ بھی دیدیتے تھے۔

حکایت (۲۷) خانصاحب نے فرمایا کہ جب شاہ صاحب کا تحفہ لکھنؤ پہنچا ہے تو لکھنؤ کے نواب نے جو اسوقت برسرِ حکومت تھا مجتہدینِ شیعہ سے درخواست کی کہ اسکا جواب لکھا جاوے۔ مجتہدین میں سے دلدار علیخاں نے جواب کا بیڑا اٹھایا لیکن تحفہ کی زبان چونکہ بینظیر تھی اسلیے مرزا قتیل سے درخواست کیگئی کہ مضامین قبلہ وکعبہ لکھیں اور آپ اپنی عبارت میں ادا کر دیں تاکہ مضامین کا جواب مضامین سے اور عبارت کا جواب عبارت سے ہو جاوے۔ مگر قتیل نے عذر کیا اور کہا کہ میں شاہ صاحب کی سی فارسی عبارت لکھنے پر قادر نہیں ہوں اور اسکی تائید میں اس نے بیان کیا کہ دِلّی میں ایک رنڈی سے میری آشنائی ہے اور میں نے نہایت دماغ سوزی سے اور اپنی پوری قابلیت صَرف کر کے اُسے ایک خط لکھا تھا وہ رنڈی خط کو دِلّی کے تمام لائق فائق لوگوں کے پاس لیگئی اور درخواست کی کہ اسکا جواب لکھدیا جاوے مگر اُس کے جواب کا کسی نے اقرار نہیں کیا مجبور ہو کر وہ اس خط کو شاہ صاحب کی خدمت میں لیگئی اور ظاہر کیا کہ میں تمام جگہ پھر چکی ہوں مگر کسی نے جواب کی حامی نہیں بھری اب میں مجبور ہو کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں حضور اسکا جواب لکھدیں۔ شاہ صاحب نے خط سُنتے ہی فی البدیہہ[1] اسکا جواب لکھوادیا۔ وہ خط چھ مہینے سے میرے پاس رکھا ہے اور میں کوشش کرتا ہوں کہ اسکا جواب لکھوں مگر ابتک مجھ سے اس کا جواب نہیں ہو سکا۔ اب آپ غور فرمالیں

---

[1] اگر کسی کو وسوسہ ہو کہ ظاہراً فسق ہی کا علاقہ تھا تو اُس کی تقویت واعانت کیسے کی؟ جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ قاطمہ اور قتیل دونوں اس قابل نہ رہے ہوں صرف اظہار لیاقت ہی کے لیے مکاتبت ہوئی ہو۔ تو معین پر بدگمانی کا کچھ حق نہیں ہے

بگذار از ظنِ خطا اے بدگمان | اِنَّ بعضَ الظّنِّ اِثمٌ را بخواں

داشرف علی

کہ میں تحفہ کی عبارت کا جواب کسطرح دیسکتا ہوں۔ جب قتیل نے عذر کیا تو ناچار قبلہ وکعبہ نے خود ہی جواب لکھا۔ اس جواب کو نواب صاحب نے مرزا قتیل کے سامنے پیش کیا اور پوچھا کہ بتلائیے کیسا جواب ہے۔ مرزا قتیل نے اسکو دیکھ کر کہا کہ اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو عرض کروں نواب صاحب نے فرمایا کہ فرمائیے۔ مرزا قتیل نے کہا کہ سچ تو یہ ہے کہ قبلہ وکعبہ سے تو اپنی کتاب کا نام بھی رکھنا نہ آیا۔ شاہ صاحب تو تحفہ پیش کرتے ہیں اور قبلہ وکعبہ تحفہ کا جواب تلوار سے دیتے ہیں (مرزا قتیل کے اس اعتراض کا منشا یہ تھا کہ قبلہ وکعبہ نے اپنی کتاب کا نام ذوالفقار رکھا تھا) اسکے بعد قبلہ وکعبہ نے فرمایا کہ اچھا عبارت کی نسبت کچھ فرمائیے، قتیل نے کہا کہ حضور! کہاں جائس کا جولاہا اور کہاں دلّی کی سیڑھیوں کا بیٹھا ہوا شہدہ۔ (یہ قتیل نے اسلیے کہا کہ قبلہ وکعبہ جائس کے تھے اور جائس کے جولاہے مشہور ہیں۔)

حکایت (۲۸) خاں صاحب نے فرمایا کہ میرے اُستاد میانجی محمدی صاحب فرماتے تھے کہ شاہ رفیع الدین صاحب اور شاہ عبدالعزیز صاحب کے درمیان جناب رسول اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کے متعلق اختلاف تھا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب تو یہ فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص خواب میں دیکھے اور دل گواہی دیدے کہ آپ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو خواہ کسی شکل میں دیکھے اس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دیکھا۔ اور شاہ رفیع الدین صاحب یہ فرماتے تھے کہ جو صورت آپکی واقعی تھی اگر اسمیں بال برابر بھی تفاوت ہے تو اُس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا۔ مثلاً اگر آپکے بیس بال سفید تھے اور دیکھنے والے نے اکیس دیکھے تو اس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا اور اسکی دلیل یہ بیان فرماتے تھے کہ اگر صحابہؓ کے زمانہ میں کوئی شخص جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کا دعویٰ کرتا تو صحابہ اُس سے حُلیہ[۱] دریافت کرتے اور بغیر اسکے

---

[۱] اس کا یہ جواب ہو سکتا ہے کہ خاص اُن صحابہ کا یہی مسلک ہو گا سب سے ایسا سوال منقول نہیں یا اس زمانہ کی استعداد کا یہی مقتضا کہ تمثل بعیدہ نہ ہوتا ہو تو اُس سے ضعیف الاستعداد کے لیے تمثل بعید کا بطلان لازم نہیں آتا۔

تصدیق نہ کرتے۔ اور اس بارہ میں دونوں بھائیوں میں تحریریں ہوئی ہیں۔ لیکن زبانی گفتگو کبھی نہیں ہوتی۔ بلکہ اگر کسی وجہ سے مجلس میں اسکا تذکرہ بھی چھڑ گیا اور شاہ عبد العزیز صاحب اس مسئلہ پر تقریر فرمانے لگے تو شاہ رفیع الدین صاحب بالکل خاموش سنتے رہتے تھے اور اصلاً نہ بولتے تھے (خانصاحب نے فرمایا کہ کسی نے شاہ رفیع الدین صاحب سے کہا کہ آپ شاہ صاحب سے تحریری گفتگو کرتے ہیں ایک دفعہ دونوں بیٹھ کر زبانی گفتگو کیوں نہیں کر لیتے۔ تو شاہ رفیع الدین صاحب نے فرمایا کہ یہ سب کچھ سہی لیکن میرے پاس میاؤں کا جواب نہیں اگر شاہ صاحب نے یوں فرمایا کہ میں یوں کہتا ہوں تو میرے پاس اسکا جواب نہیں ہے۔ یہ فرما کر خانصاحب نے فرمایا کہ یہ بات زبانی گفتگو کے متعلق سوال کرنیکی مجھے یاد نہیں کہ میں نے کس سے سنی ہے) خانصاحب نے فرمایا کہ میانجی صاحب یہ بھی فرماتے تھے کہ شاہ اسحاق صاحب کا اس مسئلہ میں ایک تیسرا مسلک تھا وہ یہ فرماتے تھے کہ اگر دیکھنے والے نے آپکو اس زمانہ کے اتقیاء کی وضع میں دیکھا ہے تو اس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور اگر اس وضع کے خلاف وضع میں دیکھا ہے تو نہیں دیکھا۔

حکایت (۲۹) خاں صاحب نے فرمایا کہ مولوی عبد القیوم صاحب اور میانجی محمدی صاحب فرماتے تھے کہ شاہ عبد العزیز صاحب کا معمول تھا کہ شاہ ولی اللہ صاحب اور شاہ عبد الرحیم صاحب کے مزارات پر سال بھر میں ایکمرتبہ تشریف لیجاتے، آپکے متعلقین بھی آپ کیساتھ جاتے اور وہاں جاکر فاتحہ پڑھتے فاتحہ کے بعد قرآن شریف یا مثنوی کا وعظ فرماتے اور وعظ کے بعد چنے یا الائچی دانے یا اور کچھ تقسیم فرما دیتے۔ مگر شاہ اسحاق صاحب بھی آپکے ہمراہ جاتے لیکن جسوقت فاتحہ پڑھ لیتے تھے تو شاہ صاحب شاہ اسحاق صاحب سے فرماتے کہ میاں اسحاق بیٹھوگے یا جاؤگے، اس پر شاہ صاحب فرماتے کہ حضور جاؤں گا، اور یہ کہہ کر واپس

تشریف لے آتے۔ یہ کبھی جلسہ[1] میں شریک نہیں ہوئے اور نہ شاہ صاحب نے اُن کے عدمِ شرکت پر اُن سے کبھی کچھ تعرض فرمایا۔

حکایت (۳۰) خانصاحب نے فرمایا کہ میرے اُستاد میاں جی محمدی صاحب بیان فرماتے تھے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب ایکمرتبہ کھانا کھانے کیلئے زنانہ مکان میں تشریف لیگئے تھے اور کچھ لوگ آپکے انتظار میں مدرسہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اتفاق سے عبدالوہاب نجدی کا ذکر چھڑ گیا۔ انمیں سے دو آدمیوں میں اس کے متعلق مناظرہ ہونے لگا، ایک نے عبدالوہاب کی مذمت اور تفسیق و تکفیر شروع کی، دوسرے نے اسکی تعریف و تحسین اور خوب گفتگو ہوئی انمیں سے ایک مذمت کرنیوالے نے یہ بھی کہا کہ عبدالوہاب بددین تھا اور اس نے ابن تیمیہ اور ابن قیم مردودوں اور بددینوں کے دین کو چمکانا چاہا۔ اتنے میں اتفاق سے شاہ صاحب بھی مکان سے تشریف لے آئے۔ شاہ صاحب ابھی بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ اُس شخص نے جو عبدالوہاب کا مخالف تھا شاہ صاحب سے کہا کہ حضرت میں تو کہتا ہوں کہ عبدالوہاب کافر تھا اور ایسا تھا ویسا تھا اور اُس نے ابن تیمیہ اور ابن القیم جیسے بددینوں کے دین کو رواج دینا چاہا۔ شاہ صاحب نے اُسکے منہ سے یہ الفاظ سنتے ہی منہ پر انگلی رکھی اور فرمایا ہا ہا، اور دیر تک ایسا ہی کیا (مطلب یہ تھا کہ یہ بات نہایت بُری ہے تم ایسا نہ کہو) اسکے بعد بیٹھ کر فرمایا کہ عبدالوہاب بھی نہایت سچا اور پکا مسلمان اور متبع سنت تھا مگر بدعقل اور ابن تیمیہ اور ابن القیم بھی نہایت سچے اور پکے مسلمان تھے مگر بشر تھے اُن سے غلطی ممکن ہے اور اس غلطی کی بنا پر اُن کو بُرا بھلا کہنا ہرگز نہیں چاہیے اسکے بعد شاہ صاحب نے فرمایا کہ حجۃ الوداع میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی پر سوار ہو کر طواف فرمایا تھا جس سے مقصود تعلیم افعالِ طواف تھی اور اس حالت میں

---

[1] اختلافِ مسلک اُسی اختلافِ نظر سے تھا جو حکایاتِ سابقہ کے حاشیہ میں مذکور ہوا اور شاگرد و اُستاد دونوں کا کس درجہ انصاف و حسنِ ظن ثابت ہوتا ہے۔ (اشرف علی)

آپکی اونٹنی نے نہ جگالا نہ مینگنیاں کیں اور نہ پیشاب کیا۔ پس حرمتِ مسجد بھی محفوظ رہی اور مقصودِ تعلیم بھی حاصل ہوگیا۔ عبدالوہاب اپنی غلطی سے اونٹنی پر طواف کو سنت سمجھ گیا اور اُسنے اپنے اتباع سمیت اونٹوں پر طواف کیا جس سے تمام مسجد مینگنیوں اور پیشاب سے بھر گئی۔ سوگویہ اسکی غلطی تھی، مگر اسکا منشار اتباعِ سُنت تھا اسلیے اس کو بُرا کہنا نہ چاہیے۔ (منقول از امیر الروایات)

حکایت (۳۱) فرمایا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے پاس ایک جہاز ران انگریز آیا اور کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کو ہر فن میں دخل ہے۔ جہاز رانی میں بھی آپ کو کچھ آتا ہے؟ شاہ صاحب نے جو بعض پرزوں کے حالات بیان کیے تو وہ اسکو بھی یاد نہ تھے۔ اُسکو حیرت ہوگئی۔ پوچھا تو فرمایا کہ بچپن میں اس فن کی ایک کتاب دیکھی تھی، اسمیں سے ہی کچھ یاد ہوگیا ہوگا۔

حکایت (۳۲) فرمایا کہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے پاس دو قوال آئے انمیں کسی راگنی میں اختلاف تھا۔ اور شاہ صاحب کو حَکم بنایا۔ دونوں نے شاہ صاحب کے سامنے گایا۔ شاہ صاحب نے ایک کی تصویب کی اور دوسرے کا تخطیہ، اور بتلا دیا کہ یہ خرابی ہے۔ اُنکو بڑا تعجب ہوا تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ جب ہم مکتب میں جاتے تھے تو ہمارے راستہ میں ایک ڈوم نے بالاخانہ کرایہ پہ لے رکھا تھا۔ ہم آتے جاتے سنا کرتے تھے، اُسی سے ہمنے کچھ معلوم کیا تھا جو ہمیں یاد ہے۔ (امیر الروایات) ۱۰

اضافہ از احقر ظہور الحسن غفرلہ کسولوی

حکایت (۳۳) ایک بار شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے جناب امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کو خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ مذاہبِ اربعہ میں کون مذہب آپکے مذہب کیمطابق ہے؟ فرمایا کوئی بھی نہیں۔ پھر سلاسلِ اربعہ کو دریافت کیا، اسکی بابت بھی وہی ارشاد ہوا کہ

لہ یہی فرق ہے اہلِ صورت و اہلِ معانی میں کہ وہ افعال کو دیکھتے ہیں اور یہ افعال کے مناشی کو۔ اسلیے کبھی ایسے امر پر مواخذہ کرتے ہیں جو ظاہراً موجبِ مواخذہ نہیں ہوتا اور کبھی ایسے امر پر تسامح کرتے ہیں جو ظاہراً قابلِ تسامح نہیں ہوتا۔ (اشرف علی)

کوئی بھی نہیں۔ جب اس خواب کی خبر مرزا جانانِ جان رحمۃ اللہ علیہ کو ہوئی تو آپنے شاہ صاحب سے پوچھ بھیجا کہ یہ خواب اضغاثِ احلام تو نہیں ہے؟ اسکے کیا معنی کہ سلاسلِ اربعہ اور مذاہبِ اربعہ میں سے کوئی ایک بھی جناب امیر المومنین کے موافق نہ ہو؟ شاہ صاحب نے لکھا کہ یہ خواب رُؤیائے صالحہ ہے۔ اور عدمِ موافقت کا یہ مطلب ہے کہ من کل الوجوہ اور ہر ہر جزئیات میں کوئی سلسلہ اور کوئی مذہب آپکے مذہب کے مطابق نہیں ہے۔ اسلیے کہ ہر ایک مذہب مذاہب صحابہ کا مجموعہ ہے۔ کوئی مسئلہ حضرت صدیق رضؓ کے مطابق ہے تو کوئی مسئلہ حضرت علیؓ کے اور کوئی حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے اور یہی حال سلاسل مشائخ کا ہے۔ (منقول از تذکرۃ الرشید)

مولانا شاہ عبد القادر دہلویؒ کی حکایات

حکایت (۴۳) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ بات جو مَیں اسوقت لکھوانا چاہتا ہوں میں نے صدہا آدمیوں سے سُنی ہے اور اُسکے آخر میں مولوی محمود الحسن صاحب کا کچھ اضافہ ہے اسکو بھی آخر میں لکھوا دونگا۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ اگر عید کا چاند تیس کا ہونیوالا ہوتا تو شاہ عبد القادر صاحب اوّل روز تراویح میں ایک سیپارہ پڑھتے اور اگر انتیس کا چاند ہونیوالا ہوتا تو اوّل روز دو سیپارے پڑھتے۔ چونکہ اس کا تجربہ ہوچکا تھا اسلیے شاہ عبد العزیز صاحب اوّل روز آدمی کو بھیجتے تھے کہ دیکھ کر آؤ میاں عبد القادر نے آج کے سیپارے پڑھے ہیں۔ اگر آدمی آکر یہ کہتا کہ آج دو پڑھے ہیں تو شاہ صاحب فرماتے کہ عید کا چاند تو انتیس ہی کا ہوگا۔ یہ دوسری بات ہے کہ ابر وغیرہ کی وجہ سے دکھائی نہ دے اور حجتِ شرعی نہ ہونیکی وجہ سے ہم رویت کا حکم نہ لگا سکیں[1]۔ اس میں مولوی محمود الحسن صاحب یہ اضافہ فرماتے تھے کہ یہ بات دلّی میں اسقدر مشہور ہوگئی تھی کہ اہل بازار اور اہل پیشہ کے کاروبار اس پر مبنی ہو گئے تھے۔ مثلاً اگر شاہ عبد القادر

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ کسی کشف کا واقفیت سے کبھی متخلف نہ ہونا بھی کاملین کے نزدیک شرع کے مقابلہ میں حجت نہیں۔ (اشرف علی)

صاحب پہلے روز دو سیپارے سناتے تھے تو لوگ سمجھ لیتے تھے کہ اب کے عید کا چاند انتیس کا ہوگا اور درزی دھوبی وغیرہ انتیس رمضان تک کپڑوں کی تیاری کیلئے کوشش کرتے تھے، اور انتیس کو حتی الامکان کام پورا کر دیتے تھے، اور اگر اوّل روز ایک سیپارہ سناتے تو سمجھ لیتے کہ چاند تیس کا ہوگا اور تیس تاریخ تک تیاری کا اہتمام فرماتے۔

حکایت (۳۵) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ بات بھی میں نے صدہا لوگوں سے سنی ہے اور اپنے سب بزرگوں سے بھی سُنی ہے اور مولوی فیض الحسن صاحب سہارنپوری اور مولوی ماجد علی صاحب اور مولوی احمد علی خیرآبادی سے بھی سُنی ہے کہ مولوی فضل حق صاحب اور مفتی صدرالدین صاحب جس روز خود کتاب لیکر جاتے اس روز شاہ عبدالقادر صاحب سبق پڑھاتے تھے اور جس روز کتاب خدمتگار کے ہاتھ لوا کر لاتے اُس روز سبق نہ پڑھاتے۔

حکایت (۳۶) خاں صاحب نے فرمایا کہ مولوی فیض الحسن صاحب فرماتے تھے کہ میرے استاد مولوی فضل حق صاحب خیرآبادی بیان فرماتے تھے، میں حضرت مجدّد صاحب کے سلسلہ کا زیادہ معتقد نہ تھا لیکن جب سے میں نے شاہ عبدالقادر صاحب کو اور فلاں بزرگ کو دیکھا ہے اُسوقت سے میں اس سلسلہ کا معتقد ہو گیا، کیونکہ اگر وہ سلسلہ فی الحقیقت ناقص ہوتا تو ایسے لوگ اس سلسلہ میں داخل نہ ہوتے[۲] (خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی فیض الحسن صاحب نے ان دوسرے بزرگ کا نام بھی لیا تھا مگر مجھے وہ نام یاد نہیں رہا) مولوی فیض الحسن صاحب یہ بھی فرماتے تھے کہ شاہ عبدالقادر صاحب سے کرامات کا اس زور شور سے صدور ہوتا تھا جیسے خزاں کے زمانہ میں پت جھڑ ہو یا بارش کے وقت بوندیں گرتی ہوں۔

حکایت (۳۷) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ بات میں نے صدہا سے سنی ہے مگر خاص یہ یاد

ف: دو کمال پر دلالت ہوئی۔ ایک کمال کشف، کیونکہ خدمتگار تو استاد کے سامنے تک تھوڑا ہی آنے دیتے تھے۔ دوسرا کمال تربیت، کہ زمیمۂ کبر کا کیسا لطیف علاج فرماتے تھے جو قولی سے انفع ہے (اشرف علی)

ف۲: مطلب یہ ہے کہ اس داخل ہونے کا استمرار نہ ہوتا۔ یعنی اگر غلطی سے داخل ہو بھی جاتے تو داخل رہتے نہیں۔ (اشرف علی)

میں نے مولینا نانوتوی سے سُنی ہے وہ فرماتے تھے کہ اس خاندان کے دو غبی ہیں، ایک شاہ عبدالقادر صاحب اور ایک مولانا اسحٰق صاحب، مولوی فضل حق صاحب اور مفتی صدرالدین صاحب یہ فرمایا کرتے تھے کہ اس خاندان کے لوگ علوم دینیہ جیسے حدیث تفسیر فقہ وغیرہ خوب جانتے ہیں مگر معقولات نہیں جانتے چنانچہ ایک روز جسوقت پڑھنے جارہے تھے ابھی وہ شاہ صاحب تک پہنچے بھی نہ تھے کہ شاہ صاحب نے خدام کو حکم دیا کہ ایک بوریا مسجد سے باہر ڈالدو اور ایک مسجد کے اندر، اور جب فضل حق اور صدرالدین آئیں تو انکو وہیں بٹھلا دو۔ بوریے حسب الحکم بچھا دیے گئے اور جب وہ دونوں آگئے تو ان کو وہیں بٹھلا دیا گیا جب ان کے آنیکی شاہ صاحب کو اطلاع ہوئی تو شاہ صاحب تشریف لائے اور آکر اپنے بوریے پر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ میاں فضل حق اور میاں صدرالدین آج سبق پڑھانے کو تو جی نہیں چاہتا یوں جی چاہتا ہے کہ کچھ معقولیوں کی خرافات میں گفتگو ہو۔ انہوں نے فرمایا کہ حضرت جیسے حضرت کی خوشی ہو۔ اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ اچھا یہ تبلاؤ کہ متکلمین کا کونسا مسئلہ ایسا ہے جو فلاسفہ کے مقابلہ میں بہت ہی کمزور ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت متکلمین کے تو اکثر مسائل کمزور ہی ہیں، مگر فلاں مسئلہ تو بہت ہی کمزور ہے۔ اسپر شاہ صاحب نے فرمایا کہ اچھا تم فلاسفہ کا مسئلہ لو اور ہم متکلمین کا، اور گفتگو کریں، انہوں نے عرض کیا کہ بہت اچھا۔ اسپر گفتگو ہوئی اور شاہ صاحب نے دونوں کو عاجز کر دیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ اچھا اب یہ تبلاؤ کہ فلاسفہ کا کونسا مسئلہ کمزور ہے۔ اس پر انہوں نے عرض کیا کہ فلاں مسئلہ بہت کمزور ہے۔ اسپر شاہ صاحب نے فرمایا کہ اچھا اب تم متکلمین کا پہلو لو اور ہم فلاسفہ کا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور شاہ صاحب نے اب بھی انکو چلنے نہیں دیا۔ جب ہر طرح ان کو مغلوب کر دیا تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ میاں فضل حق اور میاں صدرالدین

لے کتنا دقیق تقویٰ ہے کہ دونوں بوریے معقولات ہی کی گفتگو کیلئے بچھائے گئے تھے مگر مدعیان معقول کی نیت تقویت معقول کی تھی ان کا فعل طاعت نہ تھا اسکے لیے مسجد میں بیٹھنا جائز نہیں رکھا گیا اور حضرت شاہ صاحب کی نیت تزییف معقول کی تھی یہ فعل طاعت تھا اس کیلئے مسجد میں بیٹھنا جائز رکھا گیا۔ (اشرف علی)

تم یہ نہ سمجھو کہ ہم کو معقول نہیں آتی، بلکہ ہم نے انکو ناقص اور واہیات سمجھ کر ان کو چھوڑ دیا ہے، مگر انہوں نے ہمیں ابتک نہیں چھوڑا۔ وہ ابتک ہماری قدمبوسی کیے جاتے ہیں۔ یہ قصہ بیان فرما کر خانصاحب نے فرمایا کہ میں نے اپنے بزرگوں سے تو یوں سنا ہے کہ یہ گفتگو مولوی فضل حق صاحب اور مفتی صدر الدین صاحب دونوں سے ہوئی تھی۔ مگر مولوی احمد علی خیر آبادی اور مولوی ماجد علی یہ فرماتے تھے کہ اس گفتگو میں صرف مفتی صاحب تھے اور مولوی فضل حق صاحب سے گفتگو نہ ہوئی تھی۔

حکایت (۳۸) خانصاحب نے فرمایا کہ شاہ عبد القادر صاحب نے اپنی حیات میں اپنی کل جائداد حصص شرعیہ کے موافق اپنی صاحبزادی اور اپنے بھائیوں کے نام کر دی تھی۔ اور چونکہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب سے آپ کو بہت محبت تھی اور آپنے انکو متبنیٰ بھی[1] بنایا تھا اسلیے آپ نے بیٹی اور بھائیوں کی اجازت[2] سے کچھ حصہ اُن کے نام بھی کر دیا تھا اور خود بالکل متوکل[3] ہو کر بیٹھ گئے تھے، اور یہ بھی عادت تھی کہ کسی کا ہدیہ[4] نہ لیتے تھے۔ شاہ عبد العزیزؒ سے ان کو محبت تھی اسلیے دونوں وقت شاہ صاحب نہایت اہتمام کیساتھ اُنکے لیے کھانا بھجوایا کرتے تھے اور جب کپڑوں کی ضرورت ہوتی تو کپڑے بھی شاہ صاحب ہی بنا دیا کرتے تھے۔ اتفاق سے ایکروز ایک بھنگ فروش عورت آئی اور اُس نے نہایت سماجت سے عرض کیا کہ حضرت میں مجبور ہو گئی ہوں اور میری دُکان نہیں چلتی۔ آپنے اسکو ایک تعویذ[5] لکھ دیا

---

[1] اور متبنیٰ کی جو نفی آئی ہے وہ وہ جس میں احکام ابناء کے جاری کیے جاویں مثل میراث وغیرہ۔ [2] یہ اجازت لینا تبرع تھا ورنہ وقف مصلحت مالک کو اسکی اجازت ہے۔ [3] ترکِ اسبابِ ظنیہ اتو یار کو جائز ہے اور کسی مصلحت سے اسکو ترجیح دینا بھی خلافِ طریق نہیں [4] حاجت نہ ہونے کیوقت بمصلحت اس طور سے عذر کر دینا کہ مہدی کی دل شکنی نہ ہو خلاف طریق نہیں اور عدم حاجت بڑے شاہ صاحب کی کفالت کے سبب تھی اور مصلحت کا علم خود صاحبِ معاملہ کو ہو، کافی ہے۔ [5] اس تعویذ کی حقیقت تو آگے مذکور ہے جس سے معلوم ہو گا کہ وہ کوئی تعویذ ہی نہ تھا جس کے اثر سے بکری ہوتی ہو تو اعانت علی المعصیۃ کا شبہ تو متوجہ ہو ہی نہیں سکتا۔ باقی یہ شبہ کہ اسکو نہی عن المنکر کیوں نہیں کیا، اسطرح مدفوع ہے کہ توقع قبول کی نہ ہو گی۔ رہا یہ کہ اگر نہی نہیں فرمائی تو کم از کم تقریر تو نہ فرماتے جس سے شبہ دفع ہو، جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ اس وقت قدرت مغلوب ہو گئے ہوں اور مغلوب معذور ہوتا ہے۔ اور یہی انکار ... عدم تجبر کا ہوتا ہے ... غلبہ سبب ہوا ہو قبول ہدیہ کا۔ باقی قبول کے بعد اسکا مصرف اہل حاجت ہونا یہ تو قواعد شرعیہ کا مقتضا ہے باقی ... کا کافی ہونا یہ مزید رعایت ہے مال کے خبث کی۔ (...)

اور فرمایا کہ اسکو بھنگ گھوٹنے کے لوٹے پر باندھ دینا اور فرمایا کہ جب تیری دکان چل جائے تو مجھے یہ تعویذ واپس دیجانا۔ چونکہ آپ کی خدمت میں بڑے بڑے لوگ جیسے شاہ اسحاق صاحب، مولوی عبدالحی صاحب وغیرہم بیٹھتے تھے اسلیے ان کو شاہ صاحب کے اس فعل سے بہت خلجان ہوا کہ شاہ صاحب اور بھنگ کی بکری کا تعویذ۔ مگر اسکو دل ہی میں رکھا اور ظاہر نہیں کیا۔ چند روز کے بعد وہ عورت دو بھنگیاں مٹھائی کی لائی۔ آپنے خلاف معمول (کہ یہ ہدیہ نہ لیتے تھے) بھنگیاں قبول فرمالیں۔ اب توان حضرات کا خلجان اور ترقی کر گیا۔ جب وہ عورت چلی گئی تو آپنے وہ تعویذ ان لوگوں کو دیا اور فرمایا کہ اسے پڑھ لو اسمیں کیا لکھا ہے۔ انہوں نے پڑھا تو اسمیں لکھا تھا کہ دہلی کے بھنگ پینے والو تمہارا بھنگ پینا مقدر ہو چکا ہے تم اور جگہ نہ پیا کرو اسی کی دکان پر پی لیا کرو۔ اور اسی روز آپ نے حکم دیا کہ چار بوریے مسجد سے باہر[1] بچھا دیے جائیں اور ایک مسجد کے اندر بچھا دیا جاوے۔ خدام نے اس حکم کی تعمیل کردی۔ تھوڑی دیر میں چار جوگی آئے اور شاہ صاحب نے انکو چاروں بوریوں پر بیٹھایا اور خود مسجد کے اندر ڈالے ہوئے بوریے پر بیٹھ گئے اور تھوڑی دیر باتیں کر کے انکو رخصت کر دیا اور چاروں چھبڑے مٹھائیوں کے اُن کیساتھ کر دیے اور جن لوگوں کو شبہ ہوا تھا انکو سناتے ہوئے فرمایا، مالِ حرام بود بجائے حرام رفت۔ خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے مولوی عبدالقیوم صاحب سے سنا ہے۔

حکایت (۳۹) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب نے بیان فرمایا کہ شاہ عبدالقادر صاحب کا معمول تھا کہ کسی کی تعظیم نہ دیتے تھے مگر سید کی تعظیم دیتے تھے خواہ سُنی ہو یا شیعہ۔ ایک رئیس تھا شیعی، اسکے یہاں شاہ عبدالقادر صاحب کی اس عادت کا تذکرہ ہوا۔

---

[1] یہ ضروری نہیں کہ بوریے مسجد کے ہوں کیونکہ ان کا استعمال غیر مصالح مسجد میں ناجائز ہے۔ خود شاہ صاحب کے ہوں گے۔ (اشرف علی)

جن لوگوں نے ذکر کیا وہ سُنی تھے۔ اس پر وہ رئیس بولا کہ میں شاہ صاحب کی خدمت میں چلتا ہوں۔ اگر انہوں نے میری تعظیم دیدی تو میں سُنی ہو جاؤنگا اور اس سے میرے سید ہونیکی بھی تصدیق ہو جائے گی۔ یہ کہہ کر وہ شاہ صاحب کی خدمت میں روانہ ہو گیا اور جو لوگ اس وقت اسکے یہاں موجود تھے وہ بھی اس کیساتھ ہو لئے۔ اس رئیس نے سب سے کہدیا کہ سب لوگ میرے ساتھ چلیں، کوئی شخص میرے آگے نہ جاوے۔ جب وہ شاہ صاحب کی خدمت میں پہنچا تو حسبِ عادت شاہ صاحب نے اسکی تعظیم دی۔ اُس نے کہا حضرت آپ نے میری تعظیم کیوں دی۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارے سید ہونیکی وجہ سے۔ اُسنے کہا کہ میں تو شیعی ہوں۔ آپنے فرمایا کیا مضائقہ ہے۔ اُس نے کہا کہ آپ شیعونکی بھی تعظیم دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ سید اگر شیعی بھی ہوتا ہے تو اسکی تعظیم[1] دیتا ہوں۔ اُسنے کہا اسکی کیا وجہ؟ آپ نے فرمایا اگر قرآن شریف کاتب کی غلطی سے لکھا جاوے تو اسکو قرآن کہیں گے گو یہ بھی کہیں گے کہ غلط ہے۔ اِس پر وہ سُنی ہوگیا اور جتنے اُس کیساتھ شیعہ تھے وہ بھی سُنی ہو گئے اور جب اسکی خبر اور شیعوں کو ہوئی تو اور بھی چند شیعہ سنی ہو گئے۔ اور اس رئیس نے بہت دھوم کیساتھ مٹھائی بانٹی۔

حکایت (۴۰) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبد القیوم صاحب نے فرمایا کہ اور قصہ سناتا ہوں۔ اکبری مسجد جسمیں شاہ عبد القادر صاحب رہتے تھے اسکے دونوں طرف بازار تھا اور اس مسجد میں دونوں طرف حجرے اور سہ دریاں تھیں۔ انہیں سے ایک سہ دری میں شاہ عبد القادر صاحب رہتے تھے اور اپنے حجرے سے باہر سہ دری میں ایک پتھر سے کمر لگا کر بیٹھا کرتے تھے۔ بازار کے آنے جانیوالے آپکو سلام کیا کرتے تھے۔ سو اگر سُنی سلام کرتا تو آپ سیدھے ہاتھ سے جواب دیتے تھے اور اگر شیعی سلام کرتا تو اُلٹے ہاتھ سے جواب[2]

---

[1] توقیر مبتدع کے لزوم کا عذر یہ ہے کہ یہ توقیر من حیث البدعت نہ تھی۔ کسی دوسرے مقتضیٰ سے تو کافر کا اکرام بھی وارد ہے۔

[2] اس تفاوت کی بنا کرامت ہونا تو ظاہر ہے باقی کرامت میں جو دوام نہ ہونا مقرر ہے سو مراد دوام اختیاری کی نفی ہے۔ اور ہاتھ سے سلام کے منہی عنہ ہونیکا اگر شبہ ہو تو وہ غیر ضرورت میں ہے اور یہاں ضرورت ہوگی، مثلاً سلام کرنیوالا دور ہوتا ہوگا کہ جواب سنانے میں تکلف ہوتا ہوگا ایسی حالت میں خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اشارہ بالید ثابت ہے اور یا نہی کا محمل اکتفا بالاشارہ ہے اور جمع میں اجازت ہو۔ (اشرف علی)

دیتے تھے۔ یہ بیان کر کے مولوی عبدالقیوم صاحب نے فرمایا میں کیا کہوں المومن ینظر بنور اللہ۔

حکایت (۴۱) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب مولوی محمود پھلتی مولوی اعلم علی صاحب فرماتے تھے شاہ عبدالعزیز صاحب کے زمانہ میں کسی شخص پر جن آیا اسکے قرابتدار اسکو شاہ عبدالعزیز صاحب، شاہ غلام علی صاحب اور دوسرے بزرگوں کے پاس لیگئے اور سب نے جھاڑ پھونک گنڈے تعویذ کیے مگر کچھ افاقہ نہ ہوا۔ اتفاق سے شاہ عبدالقادر صاحب اسوقت دہلی میں تشریف نہ رکھتے تھے، جب شاہ صاحب تشریف لائے تو انکی طرف بھی رجوع کیا، شاہ صاحب نے بھاڑ دیا وہ اُسی روز اچھا ہو گیا۔ جب شاہ عبدالعزیز صاحب کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے شاہ صاحب سے پوچھا۔ میاں عبدالقادر تم نے کونسا عمل کیا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ حضرت میں نے تو صرف الحمد پڑھ دی تھی۔ اس پر شاہ صاحب نے دریافت فرمایا کہ خاص ترکیب سے؟ انہوں نے فرمایا کہ ترکیب کوئی نہیں فقط یا جبار کی شان میں پڑھ دی تھی۔ اھ (میں نے خانصاحب سے اس جملہ کا مطلب پوچھا، انہوں نے فرمایا کہ مطلب میں بھی نہیں سمجھا،[1] راویوں نے یہی الفاظ فرمائے تھے)

حکایت (۴۲) فرمایا کہ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وعظ میں ایک شخص کو دیکھا جس کا پائجامہ ٹخنوں سے نیچے تھا۔ آپنے بعد وعظ اُس سے کہا کہ ذرا ٹھہر جائیے، مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔ خلوت میں بٹھا کر یوں فرمایا کہ بھائی میرے اندر ایک عیب ہے کہ میرا پائجامہ ٹخنوں سے نیچے ڈھلک جاتا ہے اور حدیث میں یہ وعیدیں آئی ہیں اور آپ اپنا پائجامہ دکھلانے کیلئے کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ غور سے دیکھنا، کیا واقعی میرا خیال صحیح ہے یا محض وہم ہے۔ اُس شخص نے شاہ صاحب کے پاؤں پکڑ لیے اور کہا کہ حضرت آپ کے اندر تو یہ

---

[1] احقر کے ذہن میں جو بے تکلف مطلب آیا اسکو بسبیل احتمال عرض کرتا ہوں کہ کاملین میں ایک درجہ ابوالوقت ہوتا ہے کہ وہ جس وقت جس تجلی کو چاہیں اپنے اوپر وارد کر لیں کذا سمعت مرشدی، پس عجب نہیں کہ حضرت شاہ صاحب نے اس وقت جبار کی تجلی کو وارد کیا ہو اور اس شئی مظہریت کی حیثیت سے اس کو توجہ سے دفع فرمایا ہو۔ (اشرف علی)

عیب کیوں ہوتا، البتہ میرے اندر ہے۔ مگر اس طریق سے آجتک کسی نے مجھے سمجھایا نہیں تھا، اب میں تائب ہوتا ہوں انشاء اللہ آئندہ ایسا نہ کرونگا۔ ہمارے اکابر کا ہمیشہ سے یہی معمول رہا ہے۔ کسی کو ذلیل نہیں سمجھتے نہایت احترام سے اسکو نصیحت کرتے ہیں تشدد نہیں کرتے۔ اور بعض میں جو اسکا شبہ ہوتا ہے وہ حدت ہے شدت نہیں ہے۔ حدت کے باب میں تو حدیث میں آیا ہے لیس احد اولیٰ من صاحب القران فی جوفہ (کذا فی المقاصد الحسنہ) جسکی حقیقت غیرت ہے۔ لوگ حدت اور شدت میں فرق نہیں کرتے، حدت اور ہے شدت اور ہے، حدت لوازم ایمان سے ہے۔ مومن بہت غیر تمند ہوتا ہے مثلاً اگر کوئی کسی کی بیوی کو چھیڑے تو غصہ آتا ہے، اب اگر دیکھنے والا یہ کہے کہ یہ تو بہت تیز مزاج ہے تو اس سے یہ کہا جائیگا کہ کمبخت کچھ نہ کہنا تو بے غیرتی ہے اسلئے دیندار کو خلاف دین پر تحمل نہیں ہوتا۔

حکایت (۴۳) فرمایا مولوی فضل حق صاحب شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث پڑھتے تھے۔ شاہ صاحب بڑے صاحب کشف تھے اور اس خاندان میں آپکا کشف سب سے بڑھا ہوا تھا۔ جس روز مولوی فضل حق صاحب کسی ملازم پر کتابیں رکھوا کر لیجاتے تو پہنچنے سے پہلے خود لے لیتے، شاہ صاحب کو کشف سے معلوم ہو جاتا تھا۔ اسی روز مولوی صاحب کو سبق نہیں پڑھاتے تھے اور جب خود لیجاتے تو حضرت کو کشف ہو جاتا اور اس روز سبق پڑھاتے (جامع کہتا ہے) ؎

پیش اہل دل نگہدارید دل تا نباشید از گمان بد خجل (منقول از اشرف التنبیہ)

مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ کی حکایات

حکایت (۴۴) جناب خانصاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب شہیدؒ

وعظ فرما رہے تھے، اثنارِ وعظ میں ایک شخص اٹھا اور کہا کہ مولوی صاحب ہم نے سنا ہے کہ تم حرامی ہو۔ آپ نے نہایت متانت سے جواب[1] دیا کہ میاں تم نے غلط سُنا ہے، میرے ماں باپ کے نکاح کے گواہ بُڈھانہ، پھلت اور خود دلی میں ہنوز موجود ہیں۔ اور یہ فرماکر پھر وعظ شروع کردیا۔

حکایت (۵۴) خانصاحب نے فرمایا حکیم ضیار الدین رامپوری کے چچا مولوی محمد حسن صاحب کو میں بچپن سے جانتا ہوں کیونکہ میں نے اپنے استاد میاں جی محمدی صاحب سے اُنکے بہت سے حالات سُنے ہیں۔ مولوی صاحب موصوف مولوی اسمٰعیل صاحب شہیدؒ اور مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی کے شاگرد تھے۔ انکا قصہ حضرت گنگوہی سے سُنا ہے کہ جب سید صاحب کا قافلہ جہاد کو جاتے ہوئے سہارنپور پہنچا تو مولوی محمد حسن صاحب اُنسے سہارنپور آکر ملے مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے اپنے خدام کو حکم دیا کہ اسکا خیال رکھا جاوے کہ مولوی محمد حسن کسی صاحب کے مکان پر یا کسی دکان پر کھانا نہ کھائیں میں انکو اپنے ساتھ کھلاؤنگا۔ مولوی محمد حسن نہایت نازک مزاج اور نازک طبع تھے۔ جب کھانیکا وقت آیا اور مولوی صاحب مولانا شہیدؒ کیساتھ کھانا کھانے بیٹھے تو ایک ہی نوالہ لینے پائے تھے کہ مولانا شہیدؒ نے زور سے ناک سِنکی، مولوی صاحب کھانے سے فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور چلے گئے۔ مولانا شہیدؒ نے اُنکے اُٹھ جانیکی مطلق پروا نہ کی اور اپنے خدام سے فرمایا کہ اب اسکا زیادہ خیال رکھا جاوے کہ یہ کہیں کھانا نہ کھاسکیں، خدام نے ایسا ہی کیا۔ جب دوسرا وقت ہوا اور کھانا کھانے بیٹھے تو مولانا نے پھر زور سے سِنکا مگر مولوی محمد حسن اسوقت نہ اٹھے۔ جب وہ اُٹھے تو مولانا نے رینٹ کو اُنکے سامنے انگلیوں سے مَلا، اسپر اُنسے نہ رہا گیا اور یہ کہہ کر کہ مولانا کیا کرتے ہو فوراً اُٹھ کر چلے گئے۔ مولانا نے اپنے خدام کو پھر ہدایت کی کہ دیکھو ان کو ہرگز کہیں کھانا نہ کھانے دینا۔ جب تیسرا وقت ہوا تو پھر

---

[1] اس سے طالب حق کو معلوم ہو سکتا ہے کہ مولانا شہیدؒ کی تیزی وغیرہ سب دین کیلئے تھی، ورنہ ہیجان نفس کا اس سے بڑھ کر اور کونسا موقع ہو سکتا ہے۔ (اشرف علی)

کھانا کھانے بیٹھے۔ مولانا شہید نے پھر زور سے سنکا اور ہاتھ سے رینٹ کو ملتے ہوئے انکے کھانے کیطرف کو لیگئے، انہوں نے اپنا پیالہ مولانا کے سامنے کر دیا اور کہا کہ اب تو اگر آپ اسمیں ملا بھی دینگے تب بھی کھالونگا۔ مولانا نے فرمایا کہ بس اب علاج ہوگیا۔ خدام سے کہا کہ پانی لاؤ اور پانی منگاکر ہاتھ دھوڈالے۔ اسکے بعد فرمایا کہ میں نے یہ اسلیے کیا تھا کہ تم جہاد کو جارہے ہو اور جہاد میں نازک مزاجی نہیں نبھ سکتی۔[1]

حکایت (۴۶) خانصاحب نے فرمایا کہ ایک روز مولانا اسمٰعیل صاحب شہید دہلی میں جامع مسجد کے حوض پر بیٹھے ہوئے وعظ فرمارہے تھے۔ اتنے میں تبرکات نکلے اور لوگ اُن کیساتھ بہت زور شور سے نعت پڑھتے ہوئے آئے۔ مگر مولانا نے التفات نہیں کیا اور برابر وعظ کہتے رہے۔ یہ بات لوگوں کو ناگوار ہوئی اور انہوں نے یہ کہا کہ مولانا آپ کیا کر رہے ہیں اُٹھیے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات کی تعظیم کیجیے۔ مولانا اسپر بھی نہ اُٹھے۔ اسپر لوگوں کو اور اشتعال آیا اور انہوں نے اور سختی سے کہا۔ اس پر مولانا نے فرمایا کہ اوّل تو یہ تبرکات مصنوعی ہیں پھر میں اسوقت بحیثیت نیابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرض تبلیغ انجام دے رہا ہوں لہذا میں نہیں اٹھ سکتا۔ اس جواب کو سنکر اور شغب ہوا اور فساد تک نوبت پہنچی۔ مگر چونکہ مولانا کیساتھ بھی فدائی بہت تھے اسلیے فساد نے کوئی خطرناک صورت اختیار نہ کی اور صرف زبانی ہی تو تو میں میں تک قصہ رہگیا۔ یہ زمانہ اکبر شاہ ثانی کا تھا اکبر شاہ اس خاندان کا بہت معتقد تھا۔ لوگوں نے جاکر بادشاہ سے حضرت مولانا کی بہت شکایتیں کیں۔ اس قصہ کو یہاں چھوڑ کر ایک دوسری بات عرض کرتا ہوں، شاہ عالم کے وقت میں جو معاہدہ انگریزوں سے ہوا تھا اسمیں بادشاہ کے اختیارات قلعہ اور شہر اور اسکے

---

[1] ہو کما قال العارف الشیرازی ؎ نازپرورده تنعم نبرد راہ بدوست ٭ عاشقی شیوهٔ رندان بلاکش باشد
حکمائے امت اخلاق و ملکات کی اصلاح اس طرح کرتے ہیں۔ (اشرف علی)

اطراف اور قطب صاحب اور اسکے اطراف تک محدود تھے۔ لیکن اکبر شاہ کیوقت میں یہ اختیارات صرف قلعہ اور شہر تک رہ گئے تھے۔ اس جملہ معترضہ کے بعد اب پھر قصہ بیان کرتا ہوں۔ جب مولانا کی بادشاہ تک شکایتیں پہنچیں تو بادشاہ نے مولانا کو بلوایا اور اُن سے حوض کے واقعہ کی تفصیل دریافت کی۔ مولانا نے پورا واقعہ بیان فرمادیا اور یہ بھی فرمایا کہ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ تبرکات مصنوعی ہیں اور ان کی تعظیم ہمارے ذمہ نہیں ہے۔ اکبر شاہ نے کسی قدر تیز لہجہ میں کہا کہ عجیب بات ہے کہ آپ انکو مصنوعی کہتے ہیں۔ مولانا نے مسکراتے ہوئے اور نہایت نرم لہجہ میں کہا کہ میں تو کہتا ہی ہوں، مگر آپ انکو مصنوعی سمجھتے بھی ہیں اور معاملہ بھی اُن کیساتھ ایسا ہی کرتے ہیں۔ اکبر شاہ نے تعجب سے کہا کہ یہ کیسے؛ مولانا نے فرمایا کہ اس کا ثبوت یہ ہے کہ سال بھر میں دو دفعہ وہ تبرکات آپ کی زیارت کے لیے آتے ہیں اور آپ ایک دفعہ بھی ان کی زیارت کے لیے نہیں تشریف لے گئے۔ یہ سن کر اکبر شاہ چپ رہ گیا۔ اسکے بعد مولانا نے کسی سے فرمایا کہ ذرا قرآن شریف اور بخاری شریف لاؤ۔ چنانچہ وہ دونوں لائے گئے اور آپ نے انکو ہاتھ میں لیکر واپس کرایا اور اسکے بعد یہ تقریر فرمائی کہ ان تبرکات میں اوّل تو یہی کلام ہے کہ وہ مصنوعی ہیں یا اصلی لیکن اگر ان کو واقعی مان بھی لیا جاوے تب بھی اکثر تبرکات جیسے چادر اور قدم وغیرہ ایسے ہیں جن میں کوئی شرف ذاتی نہیں بلکہ ان میں محض تلبیس سے شرف آیا ہے لیکن قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے میں کسی کو شبہ نہیں، علیٰ ہذا بخاری شریف بھی قریب قریب بالاتفاق اصح الکتاب بعد کتاب اللہ ہے اسیلیے اسکا کلام رسول ہونا بھی ناقابلِ انکار ہے۔ اور کلام اللہ و کلامِ رسول کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اوڑھی ہوئی چادر وغیرہ سے اشرف ہونے میں بھی کسی کو کلام نہیں ہوسکتا، مگر باوجود ان تمام ناقابلِ انکار باتوں کے

کلامِ خدا و کلامِ رسول تمہارے سامنے آیا مگر تم لوگوں نے انکی کوئی تعظیم نہ دی بلکہ برابر اسی طرح بیٹھے رہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ حضرات تبرکات کی تعظیم اُن کے شرف کی وجہ سے نہیں کرتے بلکہ محض ایک رسم پرستی ہے اور کچھ نہیں۔ اس مضمون کو مولینا شہید نے نہایت بسط اور واضح تقریر میں ادا فرمایا۔ جب مولینا تقریر فرما رہے تھے تو بادشاہ گردن جھکائے ہوئے خاموش بیٹھا تھا اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اسی سلسلہ میں یہ بھی ہوا کہ بادشاہ ہاتھوں اور پاؤں میں سونے کے کڑے پہنے ہوئے تھا اور اسکے پاس ایک شہزادہ بیٹھا ہوا تھا جسکی داڑھی مُنڈی ہوئی تھی، مجھے اس شہزادہ کا نام بھی یاد تھا مگر اب یاد نہیں رہا۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ شہزادہ تو چکنا گھڑا ہے کہ پچاس برس شاہ عبدالعزیز کا وعظ سنا مگر اب تک داڑھی نہیں رکھوائی اور بادشاہ کی نسبت بھی کچھ فرمایا جو مجھے یاد نہیں رہا اس کا اثر یہ ہوا[1] کہ شہزادے نے داڑھی رکھ لی اور بادشاہ نے کڑے اتار دیے۔

حکایت (۷۴) خانصاحب نے فرمایا کہ میں نے حکیم خادم علی صاحب اورنگ آبادی سے سنا ہے کہ ایک مرتبہ مولوی اسمٰعیل صاحب شہید اور آپکے کچھ ساتھی جنمیں میں بھی تھا شکار کیلئے چلے۔ قطب صاحب کے پرلی طرف میل بھر کے فاصلے پر ایک گسائیں رہتا تھا جو کہ مرتاض تھا اور اسکے چیلے اسکے پاس رہتے تھے، اسکی کُٹی کے اطراف میں مور بہت زیادہ تھے۔ ہندوؤں کے نزدیک مور بہت عظمت کی چیز ہے۔ مولانا نے بندوق سے ایک مور کا شکار کر لیا! اسپر اس گسائیں کے چیلوں میں ایک شور مچگیا اور گوسائیں سمیت سب کے سب مولانا اور اُنکے ہمراہیوں سے لڑنے کیلئے آئے، مولانا کے ہمراہی بھی مقابلہ کیلئے تیار ہو کر اُدھر کو چلے۔ مولانا نے اپنے ہمراہیوں سے فرمایا کہ خبردار جبتک میں اجازت نہ دوں تم کچھ نہ بولنا اور فرمایا تم ذرا نرمی کرو انشاء اللہ ہم مور اسکو کھلا کر چلیں گے۔ اور یہ کہہ کر مولانا مسکراتے ہوئے گسائیں

---

[1] یہ بھی بڑی اہلیت ہے ان سلاطین کی، نیز اثر ہے مولانا کے خلوصِ و للہیت کا بھی۔ (اشرف علی)

کیطرف بڑھے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ گشائیں صاحب ذرا ہماری بات سُن لیجئے اسکے بعد جو آپکے جی میں آئے کیجئے، ہم آپ کے پاس موجود ہیں کہیں جاتے نہیں ہیں۔ غرض اس قسم کی نرم گفتگو سے اسکو نرم کیا۔ اس کے بعد آپ نے مناسب طور سے اُسے اسلام کی دعوت دی اور دونوں جانب سے اس معاملہ میں گفتگو رہی۔ اسکے بعد وہ گوشائیں اور اسکے اکثر ہمراہی مشرف باسلام ہوئے[1] اور کچھ لوگ گوشائیں کو بھی اور مولانا کو بھی بُرا بھلا کہتے ہوئے رخصت ہو گئے۔ مولانا نے رات کو گشائیں کے پاس آرام فرمایا اور مور پکوا کر اسکو کھلایا۔ خادم علی صاحب فرماتے تھے کہ یہ میرے سامنے کا واقعہ ہے اور میں بھی اسوقت مولانا کیساتھ تھا۔

حکایت (۴۸) خانصاحب نے فرمایا کہ حکیم خادم علی صاحب نے فرمایا کہ ایک مجذوب دلّی کی جامع مسجد کے پیچھے کی دکانوں میں سے ایک دکان میں رہتا تھا اور اس زمانہ کے لوگ اُسکے نہایت معتقد تھے، اور وہ مجذوب کبھی کبھی جامع مسجد کی اُن سیڑھیوں پر آ بیٹھتا تھا جو دریبہ کی جانب ہیں۔ اور اسکی شکل اسقدر ہیبت ناک تھی کہ اکثر لوگ اسکے خوف سے اسطرف کا راستہ چلنا چھوڑ دیتے تھے، اور وہ اپنی کوٹھڑی میں بھی اور سیڑھیوں پر بھی شیر کیطرح غرایا کرتا تھا۔ رات کے وقت تو اسکی کوٹھڑی میں کبھی کوئی گیا ہی نہیں، اگر کسی کو کچھ عرض معروض کرنی ہوتی تو بہت ڈرتے ڈرتے سیڑھیوں ہی پر کچھ کہہ لیتا تھا۔ وہ مجذوب لوگوں کو مارتا بھی تھا اور اینٹیں بھی پھینکتا تھا۔ مولانا اسمٰعیل شہید نے ایکروز اسکی دکان میں جانیکا ارادہ کیا۔ احباب نے منع کیا مگر انہوں نے کسی کی نہ سنی اور دُکان میں پہنچ گئے۔ مجذوب مولانا کو دیکھ کر اسقدر زور سے غرایا کہ کبھی اسقدر نہ غرایا تھا۔ مخالفین تو بہت خوش ہوئے کہ آج ان پر مجذوب کی مار پڑیگی[2]، اور یا تو مر جائینگے یا دیوانہ ہو جائینگے،

---

[1] اس پر شعر یاد آگیا ۔ آہن کہ بپارس آشنا شد ✧ فی الحال بصورت طلا شد (اشرف علی)

[2] یعنی اس کے تصرف باطنی سے کوئی سخت گزند پہنچے گا۔ (فائدہ) مگر ہر شخص کا یہ کام نہیں، ناقص کو کبھی دنیوی ضرر اور کبھی دینی ضرر پہنچ جانا محتمل ہے۔ (اشرف علی)

یا اور کوئی بلا نازل ہوگی، مگر کچھ بھی نہ ہوا بلکہ وہ مجذوب تھوڑی دیر تو غزایا لیکن اسکے بعد اسکا غزانا موقوف ہوگیا اور دونوں کی باتوں کی آواز آنے لگی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دو گھنٹے کے بعد مولانا اس کو نکال لائے اور باہر لاکر نماز پڑھادی۔ اسکے بعد سے اس کی یہ حالت ہوئی کہ برابر نماز پڑھنے لگا اور غزانا وغیرہ سب موقوف ہوگیا مگر کسی قدر دیوانگی باقی رہی۔

حکایت (۴۹) خانصاحب نے فرمایا کہ حکیم خادم علی صاحب فرماتے تھے کہ ایک شخص بڑے لوگوں میں سے جنکا نام تو یاد نہیں مگر اتنا یاد ہے کہ انکو منشی صاحب کہتے تھے، انہوں نے مولانا اسمٰعیل صاحب شہید سے اپنے یہاں مردانہ میں وعظ کہلایا۔ وعظ میں مولانا کی یہ حالت تھی کہ جو تڑاق پڑاق ان کے وعظ میں ہوتی تھی اس وعظ میں نہ تھی بلکہ لہجہ نہایت کمزور تھا۔ مولوی رستم خاں بریلوی جو مولانا کے خازن اور نہایت جاں نثار تھے ان سے اُن منشی صاحب نے دریافت کیا کہ آج مولانا کی آواز اُبھرتی کیوں نہیں اسکا کیا سبب ہے۔ چونکہ منشی صاحب مخلص تھے اور پوچھا بھی اصرار سے، اسلیے انہوں نے جواب میں فرمایا کہ اس ضعفِ لہجہ کا سبب یہ ہے کہ مولانا پر تین وقت سے فاقہ ہے اور انہوں نے تین وقت سے کچھ نہیں کھایا ہے۔ منشی صاحب یہ سُن کر اٹھے اور مولانا سے کہا کہ مولٰنا اب وعظ کو موقوف فرمادیجئے مجھے اور بھی ضروری کام ہیں۔ وعظ موقوف ہوگیا اور وہ مولانا کو الگ ایک مکان میں لے گئے۔ وہاں ان کے سامنے کھانا رکھا۔ مولانا یہ دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا منشی جی تم سے کسی نے کہدیا ہے مگر میں کھانا نہیں کھاؤنگا۔ انہوں نے پوچھا حضرت کیوں، آپنے فرمایا کہ میرے ساتھیوں نے بھی کھانا نہیں کھایا ہے اور میں ان سے الگ نہیں کھانا کھا سکتا[1]۔ انہوں نے ساتھیوں کو بھی بلالیا اور سبکو کھانا کھلایا اور کئی وقت تک دعوت کی۔

حکایت (۵۰) خانصاحب نے فرمایا کہ میں نے میاں جی محمدی صاحب اور حکیم خادم علی

---

[1] یہ ادائے حقوق موافقت ان حضرات کے ادنیٰ کمالات سے ہے۔　(اشرف علی)

صاحب اور مولوی سراج احمد صاحب خورجوی اور میانجی رحیم داد صاحب خورجوی اور مولوی ذوالفقار علی صاحب دیوبندی اور مولوی فیض الحسن صاحب سہارنپوری سے سنا ہے، یہ حضرات فرماتے تھے کہ جب مولانا اسمٰعیل صاحب کے وعظوں کا زور شور ہوا تو اس زمانہ میں فدا حسین رسول شاہی کا بھی زور شور تھا فدا حسین مذکور سرسید کی نانی کا بھائی تھا، اور بد دین صوفی تھا اور اسقدر با اثر تھا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے ایک لائق شاگرد مولوی عبداللہ کو اور شاہ غلام علی صاحب کے ایک خاص مرید کو بھی تباہ کر چکا تھا۔ مولانا نے فدا حسین مذکور کے فتنہ کو دُور کرنیکی کوشش کی اور اسکے مریدوں کے پاس پہنچ کر اور انکو پکڑ پکڑ کر اور فدا حسین کے جلسوں میں جا جا کر امر بالمعروف کرنا شروع کیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ فدا حسین کے کئی مرید تائب ہو کر مولانا کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ اس پر فدا حسین کے مریدوں کو بہت صدمہ ہوا اور وہ سب اکٹھے ہو کر فدا حسین کے پاس آئے اور فدا حسین سے یہ کہا کہ آپ مولانا پر تصرف کیوں نہیں کرتے۔ فدا حسین نے اپنے سارے مجمع کو بٹھا کر اُنسے یہ بات کہی کہ خبردار مولانا سے کبھی نہ اُلجھنا۔ دیکھو اگر بادشاہ یہ حکم دے کہ میرے قلمرو میں رات کے دس بجے کوئی شخص تنہا یا بلا روشنی کے نہ نکلے اور پولیس کو حکم کر دے کہ جو کوئی اس حکم کی خلاف ورزی کرے اسے گرفتار کر لو تو پولیس والے اس حکم کی تعمیل میں ہر ایسے شخص کو گرفتار کر کے حوالات کر دینگے جو خلافِ حکمِ شاہی رات کیوقت تنہا یا بلا روشنی کے جا رہا ہو، خواہ وہ بادشاہ کا دوست ہو یا کوئی اور۔ اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو وہ نمک حرام اور شاہی مجرم ہیں۔ اب اگر وہ شخص بادشاہ کا مقرب ہونیکے زعم میں اُن پولیس والونکی مزاحمت کرے تو اسکی یہ مزاحمت بادشاہ سے مقابلہ سمجھی جائیگی۔ پس ایسی حالت میں اسکا فرض ہے کہ وہ پولیس والوں کی اطاعت کرے اور اُنسے مزاحمت نہ کرے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو

جب بادشاہ کے سامنے پیش ہوگا بادشاہ اُسے خود رہا کردیگا۔ تو جب یہ معلوم ہوگیا تو اب سمجھو کہ مولانا حق تعالیٰ کے مامور ہیں اُنسے مزاحمت کرنا حق تعالیٰ سے مزاحمت کرنا ہے اسلیے تم اُن کی مزاحمت[1] نہ کرو بلکہ حق تعالیٰ سے آشنائی پیدا کرلو۔ جب تم اسکے سامنے پیش ہو گے وہ خود تم کو رہا کردے گا۔ پس تم خبردار مولانا سے کبھی نہ اُلجھنا۔

حکایت (۵۱) خانصاحب نے فرمایا کہ مجھ سے میرے استاد میانجی محمدی صاحب نے اور حکیم خادم علی صاحب نے اور مولوی عبدالقیوم صاحب نے اور اُن کے علاوہ اور بہت سے لوگوں نے بیان کیا کہ فداحسین جب اکبری مسجد کے نیچے سے نکلتا جسمیں شاہ عبدالقادر صاحب رہتے تھے تو بھاگ کر نکلتا تھا۔ لوگوں نے اسکا سبب پوچھا تو اُسنے کہا کہ جب میں اس مسجد کے نیچے آتا ہوں تو جو کچھ میرے قلب[2] میں ہوتا ہے سب سلب ہوجاتا ہے اور جب مسجد کی حد سے خارج ہوتا ہوں پھر آجاتا ہے۔

حکایت (۵۲) خانصاحب نے فرمایا کہ مجھ سے مولوی عبدالقیوم صاحب داماد جناب مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب نے بیان فرمایا کہ تحصیل سکندرآباد ضلع بلندشہر میں جو شاہ صاحب کے خاندان کے گاؤں تھے انکی تحصیل کیلیے مولانا اسمٰعیل صاحب شہید جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مولوی اسمٰعیل صاحب بیمار ہوگئے اسلیے اس مرتبہ مولانا شاہ رفیع الدین صاحب کے چھوٹے بیٹے کو بھیجنا چاہا۔ اور چونکہ مولوی اسمٰعیل صاحب کو دیہات کے حالات معلوم تھے کیونکہ وہی تحصیل کیلیے جایا کرتے تھے اسلیے اُنسے دیہات کے حالات پوچھے تاکہ تحصیل میں آسانی ہو۔ مولانا نے تمام واقعات وحالات بتلادیے اور یہ بھی بتلادیا کہ میں آتے جاتے غازی آباد میں فلاں بھٹیاری کے یہاں ٹھہرا کرتا ہوں (اور بھٹیاری کا پورا پتہ بتلادیا) اور اسکو اسقدر دیا کرتا ہوں تم بھی وہیں ٹھہرنا اور اس سے یہ کہہ دینا کہ میں اسمٰعیل کا بڑا بھائی ہوں۔ مولوی موصٰی یہ ہدایت لیکر روانہ ہوگئے اور بھٹیاری کے یہاں پہنچے۔ اُس نے ان کی بھی اُسی طرح خاطر کی جسطرح وہ

---

[1] اس شخص کی تقریر مرکب ہے، ایک اقرار ایک دعوٰی سے، اقرار یہ کہ مولانا سے مزاحمت جائز نہیں۔ یہ اقرار تو مقرر پر حجت ہے۔ اور دعوٰی یہ کہ ہم موجودہ حالت میں خدا تعالیٰ کے دوست ہیں یا ہوسکتے ہیں، یہ دعوٰی بلادلیل بلکہ خلاف دلیل غیر مسموع ہے۔ (اشرف علی)

[2] جاء الحق وزھق الباطل کا یہ ایک ظہور ہے۔ (اشرف علی)

مولانا کی کیا کرتی تھی۔ رات کے وقت اس نے مولوی موسیٰ کی چارپائی کے نیچے دو لوٹے پانی کے اور ایک چٹائی اور ایک جانماز رکھدی۔ مولوی موسیٰ نے کہا کہ تم یہ سامان کیوں کرتی ہو نہ لوٹوں کی ضرورت ہے اور نہ چٹائی کی اور نہ جانماز کی۔ جب صبح ہوگی مسجد میں جاکر نماز پڑھ لیں گے۔ بھٹیاری نے ان کیطرف تعجب سے دیکھا اور کہا کہ میں تو تمہاری صورت دیکھ کر ہی سمجھ گئی تھی کہ تم مولوی اسمٰعیل کے بھائی نہیں ہو (کیونکہ یہ شاہ صاحب کے خاندان میں سیاہ فام تھے) اور اب تو تمہارے کہنے سے[1] یقین ہو گیا۔ مولوی اسمٰعیل بھی صبح کی نماز مسجد ہی میں پڑھتے تھے مگر وہ تھوڑی دیر سو کر اُٹھ بیٹھتے اور وضو کر کے صبح تک نفلوں میں قرآن پڑھتے رہتے تھے اور تم کہتے ہو کہ مجھے پانی وغیرہ کی ضرورت نہیں اور یہ بھی کہتے ہو کہ میں ان کا بڑا بھائی ہوں۔ میں تو سمجھتی تھی کہ تم بڑے بھائی ہو تو ان سے[2] عابد بھی زیادہ ہو گے مگر تم کچھ بھی نہ نکلے۔ مولوی موسیٰ کہتے تھے کہ میں بھٹیاری سے یہ باتیں سُن کر مارے شرم کے پانی پانی ہو گیا اور مجھے کوئی جواب نہ بن آیا۔

حکایت (۵۳) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ بات میں نے اپنے کسی بزرگ سے نہیں سنی مگر حکیم عبدالسلام صاحب فرماتے تھے کہ میرے عقیقہ میں[3] سید صاحب رح مولوی اسمٰعیل صاحب اور مولوی عبدالحی صاحب بھی شریک تھے۔ مولوی عبدالحی صاحب نے وعظ فرمایا اور یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے اوقات میں بھی برکت عطا فرماتا ہے اور جو کام کئی روز میں نہیں ہو سکتا وہ چند گھنٹوں میں کر لیتے ہیں چنانچہ بعض لوگ عصر سے مغرب تک قرآن شریف ختم کر لیتے ہیں۔ اور یہ مضمون اس انداز سے بیان فرمایا کہ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ خود مولانا کو بھی یہ کرامت حاصل ہے اور مولوی اسمٰعیل صاحب کے متعلق تو صراحت کیساتھ فرمایا کہ یہ عصر سے مغرب تک قرآن شریف ختم کر لیتے ہیں۔ اس بنا پر لوگ مولوی اسمٰعیل صاحب کو لپٹ گئے

---

[1] یعنی یہ کہ تم انکے بھائی نہیں ہو۔ [2] یعنی اصل یہی ہے کہ عمر کی زیادتی کیساتھ کمالات دین میں بھی ساتھ ساتھ ترقی ہوتی رہے
[3] خاص عقیقہ کا وقت مراد ہونا لازم نہیں دعوت کا وقت مراد ہونا ممکن ہے ۱۲ اشرف علی

اور کہا کہ حضرت ہمکو بھی اس کرامت کا مشاہدہ کرا دیجئے۔ چنانچہ گومتی کے پل پر لوگ اکٹھے ہوئے اور مولانا نے ہزاروں آدمیوں کے مجمع میں عصر سے مغرب تک قرآن شریف ختم کر دیا۔[لہ] یہ قصہ بیان فرما کر خانصاحب نے بیان فرمایا کہ میرے زمانہ میں سید صاحب اور مولوی اسمٰعیل صاحب اور مولوی عبدالحی صاحب کے دیکھنے والوں میں سے کوئی شخص زندہ نہیں تھا جس سے میں اس واقعہ کی تصدیق کرتا۔ مولوی عبدالقیوم صاحب بیشک زندہ تھے اور اس عاجز پر عنایت بھی بیحد کرتے تھے مگر افسوس اس کی تصدیق کا موقع نہیں ملا۔ بگر مولوی محمود علی پھلتی نے اس قصہ کی تصدیق کی۔

حکایت (۵۴) خانصاحب نے فرمایا کہ جو قصہ میں اس وقت بیان کرنا چاہتا ہوں یہ میں نے بہت سے لوگوں سے سنا ہے اور غالباً ان بیان کرنیوالوں کی تعداد سو سے کم نہ ہوگی اسلیے میں سب کے نام تو نہیں لکھواتا صرف چند آدمیوں کے لکھواتا ہوں۔ حکیم خادم علی صاحب، مولوی سراج احمد صاحب، قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی، مولانا گنگوہی، مولانا نانوتوی، ڈاکٹر عبدالرحمٰن مظفر نگری، مولوی عبدالقیوم صاحب، میانجی محمدی صاحب ان سب سے میں نے سنا ہے۔ مگر جو مجھے بسندِ متصل یہ قصہ پہنچا ہے تو اسمیں اور دوسرے لوگوں کی روایت میں اخیر میں ذرا سا فرق ہے۔ اب میں قصہ سناتا ہوں (یہ تمہید ہے قصہ کی) حاجی منیر خاں صاحب رئیس خانپور ان لوگوں میں سے ہیں جنکی ولایت پر خود انکی صورت شاہد تھی اور اسکے لیے کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہ تھی۔ یہ صاحب مولوی محمد یعقوب صاحب (مولوی محمد اسحاق صاحب کے چھوٹے بھائی) سے بیعت تھے۔ جب مولانا اسحٰق صاحب و مولانا محمد یعقوب صاحب نے ہجرت ہجرت کی ہے تو یہ سانڈنی پر مولانا محمد یعقوب صاحب کے ردیف ہو کر قطب صاحب تک ساتھ گئے تھے۔ یہ فرماتے تھے کہ میں نے راستہ میں مولوی محمد یعقوب سے اُن کے خاندان کے بزرگوں کے حالات پوچھے۔ انہوں نے ان کے حالات بیان فرمائے اور فرمایا کہ فلاں ایسا ہے اور فلاں

لہ اس کرامت کا اختیاری ہونا لازم نہیں آتا ممکن ہے اس وقت ماذون ہوں۔ (اشرف علی)

ایسا ہے۔ مولانا اسحٰق صاحب کی نسبت فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی صورت میں ایک فرشتہ بھیجا ہے تاکہ لوگ اُنسے مِل کر فرشتوں کی قدر کریں اور مولوی اسمٰعیل جیسا عالی ہمت اور بلند حوصلہ اس خاندان میں کوئی پیدا نہیں ہوا۔ ان کے وعظوں کی وجہ سے دِلّی کے شہدے اور بدمعاش آپکے یہاں تک دشمن ہو گئے تھے کہ اُن کے قتل کی فکر میں تھے۔ اسلیے ہم لوگ انکی بہت حفاظت کیا کرتے تھے۔ (اصل قصہ یہاں سے شروع ہوتا ہے) ایکمرتبہ وہ عشاء کی نماز جامع مسجد میں پڑھ کر اس دروازے کو چلدیے جو قلعہ کی جانب ہے۔ میں نے لپک کر اُن کو پکڑا اور پوچھا کہاں جاتے ہو؟ میں اسوقت تمہیں تنہا نہ جانے دوں گا۔ اگر تم کہیں جاؤ گے میں تمہارےساتھ جاؤنگا۔ مولانا نے فرمایا کہ میں ایک خاص ضرورت سے جارہا ہوں، تم مجھے جانے دو اور میرےساتھ نہ آؤ۔ میں نے اصرار کیا مگر وہ نہ مانے اور تنہا چلدیے۔ میں بھی ذرا فاصلہ سے اُنکے پیچھے پیچھے ہولیا۔ خانم کے بازار میں ایک بڑی مالدار اور مشہور رنڈی کا مکان تھا اور اسکا نام موتی تھا۔ مولانا اس مکان پر پہنچے اور آواز دی۔ تھوڑی دیر میں مکان سے ایک لڑکی نکلی اور پوچھا کہ تم کون ہو اور کیا کام ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں فقیر ہوں۔ وہ لونڈی یہ سنکر چلی گئی اور جاکر کہہ دیا کہ ایک فقیر کھڑا ہے۔ رنڈی نے کچھ پیسے دیے اور کہا کہ جاکر دیدے۔ وہ لڑکی پیسے لیکر آئی اور مولانا کو دینا چاہا۔ مولانا نے کہا کہ میں ایک صدا کہا کرتا ہوں اور بغیر صدا کہے لینا میری عادت نہیں تم اپنی بی بی سے کہو کہ میری صدا سُن لے۔ اُس نے جاکر کہدیا۔ رنڈی نے کہا کہ اچھا بُلالے۔ وہ بُلا کر لے گئی۔ مولانا جاکر صحن میں رومال بچھاکر بیٹھ گئے اور آپنے سورۂ والتین ثم رددناہ اسفل سافلین تک تلاوت فرمائی۔ میں بھی وہاں پہنچ گیا اور جاکر مولانا کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ مولانا نے اسقدر بلیغ اور مؤثر تقریر فرمائی کہ گویا جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کرادیا۔ اس رنڈی کے یہاں بہت سی اور رنڈیاں بھی تھیں اور اُن

کے علاوہ اور لوگ بھی بہت تھے۔ اُن پر اس کا یہ اثر ہوا کہ سب لوگ چیخ چیخ کر رونے لگے اور کہرام مچ گیا اور انہوں نے ڈھولک ستار وغیرہ توڑنے شروع کیے اور موتی اور اُس کے علاوہ کئی رنڈیاں تائب ہوگئیں۔ اس کے بعد مولانا اسمٰعیل صاحب اُٹھکر چلدیے میں بھی پیچھے پیچھے چلدیا یہاں تک تو باستثنار مضمون تمہیدی تمام روایت کرنیوالوں کا اتفاق ہے۔ یہاں سے خاص حاجی منیر خاں کی روایت ہے، وہ فرماتے تھے کہ مولانا محمد یعقوب صاحب نے فرمایا کہ جب مولانا جامع مسجد کی سیڑھیوں پر پہنچے تو میں نے مولانا سے کہا کہ میاں اسمٰعیل تمہارے دادا ایسے تھے اور تمہارے چچا ایسے تھے اور تم ایسے خاندان کے ہو جسکے سلامی بادشاہ رہے ہیں مگر تم نے اپنے آپ کو بہت ذلیل کر لیا اتنی ذلت ٹھیک نہیں ہے۔ اس پر مولانا نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور حیرت سے میری طرف دیکھا اور کھڑے ہو کر مجھ سے فرمایا کہ مولانا آپ نے یہ کیا فرمایا آپ اسکو میری ذلت سمجھتے ہیں یہ تو کچھ بھی نہیں، میں تو اس روز سمجھوں گا[1] کہ آج میری عزت ہوئی ہے جس روز دِلی کے شہدے میرا منہ کالا کر کے اور گدھے پر سوار کر کے مجھے چاندنی چوک میں کو نکالیں گے اور میں کہتا ہوں گا قال اللہ کذا وقال رسول اللہ کذا۔ یہ سن کر میری یہ حالت ہوئی۔ کہ میں کہنے کو تو کہہ گیا مگر مارے شرم کے پانی پانی ہو گیا اور زبان بند ہو گئی اور اس کے بعد کبھی مجھے اُنسے آنکھ ملا کر بات کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

حکایت (۵۵) خانصاحب نے فرمایا کہ جب سید صاحب کا قافلہ حج سے واپس آرہا تھا تو واپسی میں لکھنؤ میں ٹھہرا۔ علی نقی خان اس زمانہ میں وزیر تھا اور سبحان علی خاں اسکا میر منشی۔ علی نقی خاں نے تمام قافلہ کی دعوت کی اور کھانے کیلئے سب کو ایک بڑے

---

[1] اللہ اکبر مدعیانِ فنا آئیں اور دیکھیں فنا اسکو کہتے ہیں۔ ایک عاشق نے اسی منظر سے عارف شیرازی کے اس شعر کی تفسیر کی ہے ؎

من حالِ دل اے زاہد با خلق نہ خواہم گفت
کہ ایں نغمہ اگر گویم با چنگ و رباب اولے

(اشرف علی)

مکان میں مدعو[1] کیا۔ اُس جلسہ میں علماء فرنگی محل وغیرہ بھی مدعو تھے۔ جب سب لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے، علی نقی خاں نے سید صاحب سے عرض کیا کہ حضور کھانے میں ابھی ذرا دیر ہے بہتر ہو کہ جناب مولوی اسمٰعیل صاحب کچھ بیان فرمائیں۔ مولوی اسمٰعیل صاحب کا قاعدہ تھا کہ جس جلسہ میں سید صاحب ہوتے تھے اس جلسہ میں تقریر نہ کرتے تھے۔ اسلیے سید صاحب نے مولانا عبدالحی صاحب سے فرمایا کہ مولانا آپ کچھ فرما دیجئے۔ مولانا عبدالحی صاحب نہایت ہی کم گو تھے اور جبتک کوئی سوال کئی مرتبہ نہ کیا جاوے اسوقت تک جواب ہی نہ دیتے تھے۔ اسلیے خاموش رہے اور کچھ جواب نہ دیا۔ تھوڑی دیر میں علی نقی خاں نے پھر عرض کیا اس پر سید صاحب نے پھر مولانا عبدالحی صاحب سے فرمایا اس مرتبہ بھی انہوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ تھوڑی دیر میں علی نقی خاں نے پھر عرض کیا اور سید صاحب نے مولانا عبدالحی صاحب سے پھر فرمایا، مولانا پھر بھی خاموش رہے۔ اس پر سبحان علی خاں بولا کہ جناب اس مجمع میں علماء فریقین موجود ہیں، ایسے مجمع میں تقریر فرماتے ہوئے مولانا کو شرم آتی ہے۔ اسلیے یا جناب خود فرمائیں یا مولوی اسمٰعیل صاحب کو حکم فرمائیں۔ یہ سُنکر مولانا عبدالحی صاحب نے زور سے ہوں کر کے (کیونکہ ان کو عادت تھی کہ جب وعظ فرمانے کو ہوتے اوّل ہوں کرتے) فرمایا الحیاء شعبۃ من الایمان، اور یہ فرما کر سلسلۂ تقریر شروع فرمایا اور اوّل ثابت کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام باحیاء تھے اور ابلیس بےحیاء، اسکے بعد حضرت نوح علیہ السلام کا باحیا ہونا اور ان کی قوم کا بےحیا ہونا ثابت فرمایا۔ پھر دوسرے انبیاء کا باحیاء ہونا اور اُنکے مخالفین کا بےحیاء ہونا ثابت فرمایا اور اخیر میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا باحیا ہونا اور ان کے مخالفین کا بےحیاء ہونا ثابت کیا۔ اسکے بعد صحابہؓ کا باحیاء ہونا اور ان کے مخالفین کا بے حیا ہونا ثابت

---

[1] شیعی کی دعوت قبول کرنے پر شبہ نہ کیا جاوے کیونکہ مصلحتِ دینیہ کا موقع مستثنیٰ ہے۔ باقی کسی چیز کے ہلا دینے کی ممانعت سو ایسی حرکت کمینہ طبع لوگ کر سکتے ہیں شرفاء اور عالی رتبہ لوگ نہیں کر سکتے۔ بالخصوص جب اُس جماعت والے شریک ہوں۔ (اشرف علی)

کیا اور خاتمہ تقریر پر ریش مبارک پر ہاتھ پھیر کر فرمایا الحمدللہ سنتِ انبیاء اور ان کے متبعین کے مطابق عبدالحی باحیاء ہے اور روافض بالخصوص روافض اودھ اپنے اسلاف کی سنت کے مطابق بے حیاء۔ اور اس پر تقریر کو ختم فرما دیا۔ یہ مضمون تو ختم ہوا اثناء تقریر میں سبحان علی خاں مولوی عبدالحی صاحب سے جگہ جگہ پر سوال کرتا تھا اور مولانا اسمٰعیل صاحب اس کا جواب دیتے تھے۔ وہ سوالات و جوابات تو مجھے محفوظ نہیں رہے جسقدر یاد ہیں لکھواتا ہوں۔ مولانا عبدالحی صاحب کی تقریر میں حضرت عمرؓ کی فتوحات کا اور اُن منافع کا بھی ذکر آ گیا جو آپ کی ذات سے اسلام کو پہنچے۔ اس پر سبحان علی خاں نے باآواز بلند حدیث پڑھی اِنَّ اللّٰہ لیؤید ھذا الدِّیْنَ بالرجل الفاجر اس پر مولانا اسمٰعیل صاحب اٹھے اور مولوی عبدالحی صاحب سے فرمایا کہ ذرا تقریر کو روک دیجئے اسکا جواب میرے ذمہ ہے اور سبحان علی خاں کیطرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ سبحان علیخاں تم اسکو تسلیم کرتے ہو کہ حضرت عمر کی ذات سے دین کو مدد پہنچی۔ اس نے اقرار کیا کہ ہاں۔ آپ نے پھر بھی سوال کیا۔ اُسنے پھر وہی جواب دیا۔ جب سب کے سامنے کئی بار اُس سے اقرار کرا لیا تب فرمایا کہ یہ بحث تو پھر ہو گی کہ حضرت عمرؓ فاجر تھے یا نہ تھے لیکن اسوقت آپنے اتنا تسلیم کر لیا کہ حضرت عمرؓ کی ذات سے دین کو مدد پہنچی، اب اتنا ذرا اور بتا دو کہ اصولِ تشیع کے مطابق دین کو نفع پہنچایا یا اصولِ سنت کے مطابق۔ اسکے جواب میں سبحان علیخاں بالکل خاموش ہو گیا۔ جب وہ جواب نہ دیگا تو خود مولانا نے فرمایا کہ یہ تو آپ کہہ نہیں سکتے کہ اصولِ تشیع کے مطابق دین کو نفع پہنچا، اسلیے ضرور یہی کہا جاویگا کہ اصولِ اہلسنت کیمطابق نفع پہنچا۔ پس ثابت ہوا کہ دینِ حق مذہب اہلسنت ہے۔ ایک موقع پر مولوی عبدالحی صاحب نے حضرت علیؓ کے متعلق کچھ بیان فرمایا۔ اسی موقع پر سبحان علیخاں نے حدیث لحمک لحمی ودمک دمی پڑھی۔ اس پر بھی مولانا اسمٰعیل صاحب کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ مولانا ذرا تقریر کو روک دیجئے

اسکا جواب بھی میں دونگا۔ اور اسکے بعد سبحان علیخاں سے فرمایا کہ سبحان علیخاں سنو! اول تو یہ حدیث ثابت نہیں اور بر تقدیر ثبوت میں دریافت کرتا ہوں کہ حدیث اپنے حقیقی معنی پر محمول ہے یا مجازی معنی پر۔ اسکے جواب میں سبحان علیخاں نے کہا کہ حقیقی معنی پر۔ اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ اگر حقیقی معنی پر محمول ہے تو حضرت علیؓ کا نکاح حضرت فاطمہؓ سے صحیح نہ ہوا۔ سبحان علیخاں سے کچھ جواب نہ بن آیا اور خاموش ہو گیا۔ ایک موقع پر سبحان علیخاں نے مولانا عبدالحی صاحب کی تقریر پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ آپ کے یہاں یہ حدیث ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جزیہ نہ لیں گے۔ بلکہ اُنکے زمانہ میں یا اسلام ہوگا یا قتل۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جزیہ لیتے تھے تو ثابت ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو منسوخ کر سکتے ہیں۔ اس کے جواب میں بھی مولانا اسمٰعیل صاحب کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اُن کا جزیہ نہ لینا خود اسی حدیث کی بنا پر ہوگا، پس یہ تعمیل حکم ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ کہ نسخ حکمِ نبوی۔ اسکے جواب میں بھی سبحان علیخاں خاموش ہو گیا اور کوئی جواب نہ بن آیا۔ غرضیکہ اسی طرح کے اور بھی کئی سوال و جواب ہوتے جو مجھے یاد نہیں رہے اور سبحان علیخاں ہر مرتبہ ساکت ہوا۔ آخر میں ایک موقع پر پھر اُس نے اعتراض کرنا چاہا اور صرف اتنا کہا تھا کہ مولانا، کہ اتنے میں علی نقی خاں نے سبحان علی خاں سے کہا کہ بس کرو بہت گالیاں سنوا چکے ہو اب نہ چھیڑو اپنے بہنوئی کو۔

حکایت (۵۶) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ جو میں لکھوانا چاہتا ہوں اپنے استاد میاںجی صاحب، حکیم خادم علی صاحب، حکیم عبدالسلام صاحب ملیح آبادی، قاضی عبدالرزاق جھوری اور مولوی عبدالقیوم صاحب سے سنا ہے۔ قصہ یہ ہے کہ مولانا اسمٰعیل صاحب نے لکھنؤ میں اعلان فرمایا کہ کل ہم شیعوں کی عیدگاہ میں وعظ کہیں گے۔ چنانچہ آپ حسب اعلان وعظ کہنے

کیلئے عیدگاہ تشریف لے گئے۔ اس اعلان کی اطلاع عام طور پر ہوچکی تھی اسیلئے دونوں فریق کے لوگ جمع ہوگئے اور بہت بڑا مجمع ہوگیا۔ مولانا ممبر پر تشریف لائے اور وعظ شروع فرمایا۔ مولوی عبدالقیوم صاحب مولوی عبدالحی صاحب کے صاحبزادے آپکے پاؤں کے پاس بیٹھے تھے۔ وعظ میں آپ نے مذہب تشیع کی خوب دھجیاں اُڑائیں۔ اُس وعظ میں دو نوعمر اور نوجوان لڑکے جو آپس میں بھائی بھائی تھے جن میں سے ایک کا نام محمد ارتضا تھا اور دوسرے کا نام محمد مرتضیٰ، مولانا کے قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے، اُن پر اس وعظ کا اثر ہوا اور اُن میں سے چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی سے کہا کہ مولانا کی تقریر کو سن کر میرے دل میں یہ بات آئی ہے کہ اس شہر میں ہماری حکومت ہے اور یہ شخص جو مذہب تشیع کی اس بیباکی سے تردید کر رہا ہے محض ایک معمولی اور دُبلا پتلا آدمی ہے نہ کہیں کا بادشاہ ہے نہ نواب، نہ اسکے پاس فوج ہے نہ ہتھیار، پھر باوجود اس بیکسی و بےبسی کے جو یہ اسقدر جرأت دکھلا رہا ہے تو وہ کونسی بات ہے جو اسکو اس بیباکی اور سرفروشی پر آمادہ کر رہی ہے وہ صرف اس کا ایمان ہے اور اب ہم اپنے ائمہ پر نظر کرتے ہیں، ہمارے ائمہ ہمارے مذہب کی روایات کے مطابق اسقدر قوی شجاع تھے کہ اُنکی قوت کو نہ کسی فرشتے کی قوت پہنچتی تھی اور نہ جن کی، اور اس کیساتھ ہی وہ تقیہ بھی اسقدر کرتے تھے کہ مخالف تو در کنار خود اپنے شیعوں سے بھی صاف بات نہ کہتے تھے۔ اس سے میں سمجھتا ہوں کہ مذہب تشیع تو کسی طرح حق نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یا تو اُن کی بہادری کے افسانے جھوٹے ہیں یا اُن کے تقیہ کی کہانی غلط ہے۔ اب صرف دو مذہب سچے ہوسکتے ہیں یا مذہب خوارج جو اِن کو کافر سمجھتے ہیں یا مذہب اہلسنت وجماعت، جو کہتے ہیں کہ ائمہ نہایت راستگو اور نہایت باایمان تھے اور ان کی شان لَا یَخَافُوْنَ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃَ لَآئِمٍ تھی۔ اور ان کا مذہب وہی تھا جو اہلسنت کا مذہب ہے اور جو باتیں شیعہ اُن کیطرف

منسوب کرتے ہیں وہ اُنکا افترا ہے اور جب مذہب تشیع بالکل افسانہ ثابت ہوا اور حق دائر ہوگیا خوارج اور اہلسنت کے مذہب کے درمیان تو پھر جب میں ان دونوں مذہبوں کے درمیان فیصلہ کرتا ہوں تو مجھے مذہبِ اہلسنت اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے۔ اسکو سُنکر بڑے بھائی نے کہا کہ مجھے بھی یہی خیال ہوتا ہے۔ جب دونوں متفق ہو گئے تو چھوٹا بھائی اٹھا اور کہا کہ مولانا ذرا منبر پر سے اُتر جائیے مجھے کچھ عرض کرنا ہے۔ مولانا سمجھے کہ شاید میری تردید کریگا اور یہ خیال کر کے آپ نیچے تشریف لائے۔ اس لڑکے نے ممبر پر جاکر تمام شیعوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ صاحبو آپ کو معلوم ہے کہ اس مقام پر شیعوں کی حکومت ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ یہ مولانا جو اس جرأت سے مذہب تشیع کی تردید فرما رہے تھے نہ انکو بادشاہ کا خوف تھا نہ ارکانِ دولت کا اور نہ عام رعایا کا، محض ایک معمولی شخص ہیں کہ نہ انکو کوئی جسمانی قوت ہم لوگوں سے ممتاز حاصل ہے اور نہ اُنکے پاس کوئی فوجی قوت ہے پھر باوجود اس بیکسی اور بے بسی اور کمزوری کے جو وہ اسقدر جرأت دکھلا رہے تھے اسکا سبب کیا ہے اور وہ کونسی قوت ہے جس نے ان کو اسقدر جانباز اور جری بنا دیا ہے میرے نزدیک وہ قوت صرف قوتِ ایمانی ہے۔ اب میں دریافت کرتا ہوں کہ ہمارے ائمہ جو عمر بھر تقیہ کرتے رہے حتیٰ کہ خود اپنے شیعوں سے بھی ڈرتے رہے تو اس کمزوری کا کیا سبب ہے۔ اگر اسکا سبب یہ ہے کہ ان میں قوت نہ تھی اوّل تو مذہب تشیع اسکا انکار کرتا ہے، اور انکے اندر انسانی طاقت سے زیادہ طاقت بتلاتا ہے۔ پھر اگر اسکو تسلیم بھی کر لیا جاوے تو وہ قوت میں مولوی اسمٰعیل صاحب سے کسی صورت میں بھی کم نہ ہونگے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ انہیں مولوی اسمٰعیل کی سی جرأت نہ تھی اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایمان میں مولوی اسمٰعیل سے بھی کمزور تھے اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مذہب تشیع تو کسی طرح حق نہیں ہو سکتا۔ اگر حق ہو سکتا ہے تو مذہب خوارج

یا مذہبِ اہلسنت اور یا تو ائمہ (نعوذ باللہ) سراسر بے ایمان تھے جیسے خوارج کہتے ہیں اور یا دہ پکے سُنی تھے جیسے اہلسنت کہتے ہیں۔ یہ میرا شبہ ہے اگر کسی شیعی کے پاس اسکا جواب ہو تو اسکا جواب دے ورنہ میں مذہبِ تشیع سے تائب ہوتا ہوں اور میرے ساتھ میرا بڑا بھائی بھی تائب ہوگا۔ اس مجمع میں مجتہدین بھی تھے مگر کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اُس نے پھر کہا کہ یا تو کوئی صاحب جواب دیں ورنہ میں سُنی ہوتا ہوں۔ اسکا بھی کچھ جواب نہ ملا۔ آخر وہ منبر پر سے اُترا اور مولانا سے عرض کیا کہ میں اپنا کام کر چکا۔ اب آپ وعظ فرمائیں۔ مولانا نے فرمایا کہ وعظ سے جو میرا مقصود تھا وہ حاصل ہوگیا اور جو تقریر تم نے کی میں ایسی نہ کرتا اسلیے اب مجھے کہنے کی ضرورت[1] نہیں رہی۔ یہ دونوں لڑکے کسی بڑے وثیقہ دار کے لڑکے تھے جب یہ سُنی ہو گئے تو انہوں نے اپنا گھر بار چھوڑ دیا اور مولانا کیساتھ ہو گئے اور انہی کیساتھ رہے۔ یہاں تک کہ جہاد میں مولانا کیساتھ شہید ہو گئے۔

حکایت (۵۷) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے کہ مولانا اسمٰعیل صاحب کی عادت ہنسی مذاق کی بہت تھی اسلیے وہ سید صاحب کے پاس نہ ٹھہرتے تھے بلکہ الگ جگہ ٹھہرا کرتے تھے اور سید صاحب کے ساتھ مولوی عبدالحی صاحب ٹھہرتے تھے۔ جب سید صاحب کا قافلہ حج کو گیا ہے تو مولانا اسمٰعیل صاحب سید صاحب کے جہاز میں سوار نہیں ہوتے بلکہ دوسرے جہاز میں سوار ہوتے۔ مولوی وجیہ الدین صاحب یعنی مولوی احمد علی صاحب محدث سہارنپوری کے تایا مولوی عبدالحی صاحب کے بھی شاگرد تھے اور مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی کے بھی شاگرد تھے۔ ان کا بدن بھاری اور پیٹ بڑا تھا رنگت کالی تھی۔

---

[1] یہ تھا اخلاص فی النیت والعمل کہ وعظ سے جو مقصود تھا جب دوسرے شخص کیواسطے سے حاصل ہوگیا گو وہ عامی ہی تھا تو وعظ کے منقطع فرمادینے میں کوئی تردد نہ ہوا اور نہ طالبانِ جاہ اس سُبکی کو کب گوارا کر سکتے ہیں۔ یہی حقیقت ہے حضرت علی خواصؒ کے ارشاد کی، علامت اخلاص کی یہ ہے کہ جو شخص کوئی دینی خدمت مثل وعظ یا بیعت تلقین کرتا ہو اگر دوسرا کوئی اچھا کام کرنیوالا آجائے تو یہ طالبوں کو اس کی طرف متوجہ کردے اھ یہ وہی کر سکتا ہے جس کو تصد وقعت اور ترفع مقصود نہ ہو۔ (اشرف علی)

ابتدا میں یہ مولوی اسمٰعیل صاحب کے مخالف تھے اور انہوں نے تقویت الایمان کا رد بھی لکھا تھا۔ اور مولوی عبداللہ صاحب ایک شخص تھے جو کاندھلہ کے رہنے والے اور قوم کے ارائیں تھے نہایت ذہین اور بڑے عالم تھے اور مفتی صاحب کے شاگرد تھے۔ مولوی وجیہ الدین صاحب اور مولوی عبداللہ صاحب کے درمیان ایک مرتبہ مناظرہ بھی ہوا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مولوی اسمٰعیل صاحب نے تقویت الایمان میں شرک کی دو قسمیں کی ہیں ایک جلی دوسرے خفی۔ مولوی وجیہ الدین صاحب اسکو تسلیم نہ کرتے تھے اسپر اُنسے اور مولوی عبداللہ صاحب سے مناظرہ ہوا اور مولوی عبداللہ غالب آئے۔ اسپر مولوی وجیہ الدین صاحب مولانا شہید کی مخالفت سے تائب ہوئے اور اپنی کتاب جو انہوں نے مولانا کے رد میں لکھی تھی دہلی جاکر مولانا کے سامنے پھاڑ ڈالی اور اُس روز سے مولانا شہید کے عاشق زار بن گئے۔ یہ مولانا وجیہ الدین صاحب بھی مولانا شہید کیساتھ جہاز میں تھے اور دونوں ملکر حجاج کیلئے آٹا پیسا کرتے تھے۔ آٹا پیستے ہوئے مولانا شہید ان کو چھیڑا کرتے تھے۔ کبھی آٹا اُنکے منہ پر مل دیتے تھے کبھی پیٹ پر کبھی کوئی اور مذاق کرتے تھے۔ اُنکے علاوہ مولانا اور حاجیوں سے بھی ہنسی مذاق کرتے تھے۔ میں (یعنی مولوی عبدالقیوم صاحب) اس زمانہ میں بچہ تھا اور مولانا کو مجھ سے بہت محبت تھی اسلیے مولانا اکثر مجھے اپنے پاس رکھتے تھے اور جہاز میں بھی مجھے اپنے ساتھ ہی رکھا تھا۔ اس زمانہ میں بادی جہاز تھے اور مسافروں کو روزانہ فی کس ایک بوتل پانی ملا کرتا تھا۔ اتفاق سے ہوا نا موافق ہوگئی اور جہاز میں پانی کم رہگیا اسلیے جہاز والوں نے اعلان کر دیا کہ کل سے پانی آدھی بوتل ملیگا۔ دو دن تک آدھی بوتل پانی دیا۔ اسکے بعد جب پانی بالکل ختم ہوگیا تو جہاز والوں نے کہدیا کہ اب پانی بالکل نہیں رہا ہے

ف۔ یہ خبر قوم من قوم کے خلاف کا شبہ نہ کیا جاوے۔ اسکا محمل یہ ہے کہ جس سے مزاح کیا جاتا ہے اسکو حقیر سمجھے چنانچہ اسکی علت میں عسیٰ ان یکونوا خیرا منہم ارشاد فرمانا اس کی قطعی دلیل ہے اور مٹھائی کی شرط یہ بھی اس مزاح کا ایک شعبہ ہے۔ (اشرف علی)

اس لیے ہم پانی نہیں دے سکتے۔ سب لوگ نہایت پریشان ہوئے۔ اس جہاز میں علاوہ سید صاحب کے قافلہ والوں کے اور بھی بڑے بڑے لوگ سوار تھے۔ اب ان لوگوں میں یہ سرگوشیاں ہونے لگیں کہ یہ شخص (مولانا شہید) لوگوں سے ہنسی مذاق کرتا ہے اسی کی شامت سے ہمپر یہ بلا آئی ہے لہذا اسکو روکنا چاہیے اور دعائیں کرنی چاہئیں۔ اسکی اطلاع مولوی وجیہ الدین اور دوسرے لوگوں کو ہوئی۔ مولوی وجیہ الدین مع چند دیگر اشخاص کے ان لوگوں کے پاس پہنچے اور اُن کو مولانا شہید کی عظمت وشان سے آگاہ کیا اور کہا کہ یہ شامت تمہاری اس گستاخی اور بدگمانی کی ہے کہ تم ان کی نسبت ایسا خیال کرتے ہو۔ تم کو چاہیے کہ اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر اُنسے معافی چاہو اور اُنسے دعا کی درخواست کرو۔ چنانچہ وہ سب لوگ آئے اور سب نے مولانا سے دعا کی درخواست کی۔ مولانا نے فرمایا کہ تم سب دعا کرو میں بھی دعا کروں گا۔ مگر میری دعا تو مٹھائی کے بغیر چپکتی نہیں۔ اسپر ایک شخص نے وعدہ کیا کہ سب جہاز کے لوگوں کو مستقلی حلوا کھلاؤں گا۔ اسکی مقدار مجھے یاد نہیں رہی مگر اتنا یاد ہے کہ فی کس پاؤ بھر سے زیادہ تھا۔ اِسپر آپنے دوسرے لوگوں کیساتھ ملکر دُعا کی جسکا اثر اُسی وقت ظاہر ہوا اور ایک چشمہ شیریں پانی کا جو لمباؤ چوڑاؤ میں دو بڑی چارپائیوں کے برابر ہوگا دوڑتا ہوا آیا اور جہاز کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ مولانا نے اسکو دیکھ کر فرمایا کہ اس پانی کو دیکھو کیسا ہے۔ لوگوں نے چکھا تو نہایت ٹھنڈا اور شیریں تھا۔ اس پر سب لوگوں نے اپنے اپنے برتن بھر لیے اور جہاز والوں نے بھی اپنے ظروف خوب بھر لیے۔ جب سب بھر چکے تو وہ پانی غائب ہو گیا اور اسکے بعد لوگوں نے ہوا کی موافقت کے لیے دعا کی درخواست کی۔ پھر آپ نے وہی فرمایا کہ سب دعا کرو میں بھی شریک ہو جاؤں گا مگر میری دعا بغیر مٹھائی کے نہیں چپکتی۔ اس پر کسی اور امیر نے کچھ وعدہ کیا جو مجھے یاد نہیں رہا۔ اسپر

آپ نے سب لوگوں کیساتھ مگر موافقتِ ہوا کی دُعا کی اور ہوا موافق ہوگئی۔ جہاز کا لنگر کھولدیا گیا اور جتنے دنوں میں اچھی ہوا کی حالت میں جہاز جدہ پہنچتا تھا اس سے نصف دنوں میں ہمارا جہاز جدہ پہنچ گیا۔

حکایت (۵۸) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے حکیم خادم علی صاحب و حکیم عبدالسلام صاحب اور مولوی سراج احمد صاحب خورجوی سے سُنا ہے یہ حضرات فرماتے تھے کہ خانہ کعبہ میں مردوں اور عورتوں کا داخلہ ساتھ ساتھ ہوتا تھا۔ جب مولانا اسمٰعیل صاحب نے یہ حالت دیکھی تو وہ اور ان کے ساتھی ننگی تلواریں لیکر خانہ کعبہ پر کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ اگر عورتوں کے ساتھ مرد اور مردوں کیساتھ عورتیں داخل ہوں گی تو ہم تلوار سے سر اُڑا دیں گے۔ اسپر بہت شور وشغب ہوا مگر مولانا اور اُنکے ساتھی اپنی بات پر جمے رہے اور مشترکہ داخلہ کو بند کرا کے چھوڑا۔ یہ قصہ میں نے یہیں تک سنا تھا۔ جب میں نے اس قصہ کو شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری سے بیان کیا تو انہوں نے فرمایا کہ بس اتنا ہی سنا ہے اسکے بعد فرمایا کہ ایک مرتبہ مُلاجیون کے زمانہ میں بھی ایسا ہوا ہے اسوقت بھی مردوں عورتوں کا داخلہ ساتھ ہوتا تھا مگر ملاجیون نے اسکو روکا تھا۔ مگر پھر معلوم نہیں یہ مشترکہ داخلہ کب سے جاری ہوگیا جسکو دوسری دفعہ مولانا شہید نے روکا۔

حکایت (۵۹) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب نے تقویۃ الایمان اول عربی میں لکھی تھی۔ چنانچہ اس کا ایک نسخہ میرے پاس اور ایک نسخہ مولانا گنگوہی کے پاس اور ایک نسخہ مولوی نصراللہ خاں خورجوی کے کتب خانہ میں بھی تھا اسکے بعد مولانا نے اسکو اردو میں لکھا اور لکھنے کے بعد اپنے خاص خاص لوگوں کو جمع کیا جن میں سید صاحب مولوی عبدالحی صاحب، شاہ اسحاق صاحب، مولانا محمد یعقوب صاحب، مولوی فریدالدین

ف۔ یہ تہدید تھی مراد نہ تھی۔ (اشرف علی)

صاحب مرادآبادی، مومن خاں ، عبداللہ خاں علوی (استاذ امام بخش صہبائی و مولانا مملوک علی صاحب) بھی تھے اور اُن کے سامنے تقویت الایمان پیش کی اور فرمایا کہ میں نے یہ کتاب لکھی ہے اور میں جانتا ہوں کہ اسمیں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ بھی آ گئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے[۱] مثلاً ان امور کو جو شرک خفی تھے جلی لکھ دیا گیا ہے۔ ان وجوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اسکی اشاعت سے شورش ضرور ہوگی۔ اگر میں یہاں رہتا تو ان مضامین کو آٹھ دس برس میں تدریج بیان کرتا۔ لیکن اسوقت میرا ارادہ حج کا ہے اور وہاں سے واپسی کے بعد عزم جہاد ہے۔ اسلیے میں اس کام سے معذور ہو گیا اور میں دیکھتا ہوں کہ دوسرا اس بار کو اٹھائیگا نہیں۔ اسلیے میں نے یہ کتاب لکھدی ہے گو اس سے شورش ہوگی مگر توقع ہے کہ لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جائینگے۔ یہ میرا خیال ہے۔ اگر آپ حضرات کی رائے اشاعت کی ہو تو اشاعت کیجاوے ورنہ اسے چاک کر دیا جاوے[۲]۔ اس پر ایک شخص نے کہا کہ اشاعت تو ضرور ہونی چاہیے مگر فلاں فلاں مقام پر ترمیم ہونی چاہیے۔ اس پر مولوی عبدالحی صاحب شاہ اسحاق صاحب اور عبداللہ خاں علوی اور مومن خاں نے مخالفت کی اور کہا کہ ترمیم کی ضرورت نہیں! پھر آپس میں گفتگو ہوئی اور گفتگو کے بعد بالاتفاق یہ طے پایا کہ ترمیم کی ضرورت نہیں ہے اور اسی طرح شائع ہونی چاہیے۔ چنانچہ اسی طرح اسکی اشاعت ہو گئی۔ اشاعت کے بعد مولانا شہید حج کو تشریف لے گئے اور حج سے واپسی کے بعد چھ مہینے دہلی میں قیام رہا۔ اس زمانہ میں مولانا اسمٰعیل گلی کوچوں میں وعظ فرماتے تھے اور مولوی عبدالحی صاحب مساجد میں۔ چھ مہینے کے بعد جہاد کے لیے تشریف لے گئے۔ یہ قصہ میں نے مولوی عبدالقیوم صاحب اور اپنے استاد میاں جی محمدی صاحب وغیرہ سے سُنا ہے۔

---

[۱] اس تشدد فی العلاج کا سبب مرض کا شدید ہونا ہے [۲] ایسے بزرگ پر تشدد یا اصرار یا استبداد کا شبہ اگر ظلم نہیں تو کیا ہے۔ (اشرف علی)

حکایت (۶۰) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی تقویت الایمان کی نسبت فرماتے تھے کہ اس سے بہت ہی نفع ہوا۔ چنانچہ مولوی اسمٰعیل صاحب کی حیات ہی میں دو ڈھائی لاکھ آدمی درست ہو گئے تھے اور ان کے بعد جو کچھ نفع ہوا[1] اسکا تو اندازہ ہی نہیں ہو سکتا۔

حکایات (۶۱) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی تبارک اللہ صاحب اُلدھن کے رہنے والے ایک شخص تھے جو بہت بڈھے اور شاہ عبدالعزیز صاحب کے شاگرد تھے۔ انہوں نے ایک مرتبہ اورنگ آباد میں وعظ کہا۔ وعظ کے بعد اُنسے لوگوں نے پوچھا کہ آپ تقویت الایمان کی نسبت کیا فرماتے ہیں۔ میں اس جلسہ میں موجود تھا۔ میرے سامنے مولوی تبارک اللہ صاحب نے فرمایا کہ جب تقویت الایمان شائع ہو کر اُلدھن میں آئی ہے تو لوگوں میں اسکا چرچا ہوا کچھ لوگ مخالف ہو گئے اور کچھ موافق اور آپس میں بحث مباحثہ اور گفتگوئیں ہونے لگیں۔ اسوقت میرے چچا حیات تھے جو بہت ضعیف العمر تھے۔ آنکھوں سے بھی کم دکھائی دیتا تھا اور کانوں سے بھی اونچا سنتے تھے انہوں نے جو یہ رنگ دیکھا تو ایکمرتبہ فرمایا کہ لڑکو میں چند روز سے دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ کچھ ورق ہاتھ میں لیے ہوتے بحث مباحثہ کرتے ہو ہمیں تو بتلاؤ کیا بات ہے۔ ہم لوگوں نے کہا کہ جناب ایک کتاب شائع ہوئی ہے اسپر یہ بحث مباحثے ہوتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ وہ کتاب مجھے سناؤ۔ ہم نے تقویت الایمان اوّل سے آخر تک سنائی۔ اسکو سن کر آپنے فرمایا کہ سب بستی کے لوگوں کو جمع کر لو اسوقت میں اپنی رائے ظاہر کرونگا۔ ہم لوگوں نے لوگوں کو جمع کیا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپنے فرمایا کہ میں ابتک دنیا کی حالت دیکھتا رہا اور جو کچھ لوگ کہہ رہے تھے اور کر رہے تھے انکی باتیں بالکل میرے جی کو اچھی نہ لگتی تھیں اور میں سمجھتا تھا کہ دنیا اسوقت گمراہی میں مبتلا ہے اور

[1] اس پر مولانا رومی کا ارشاد یاد آگیا ؎
کعبہ را ہر دم تجلّی مے فزود ــــــ این از اخلاصات ابراہیم بود

میرا جی ان باتوں کو ڈھونڈتا تھا مگر کنوئیں میں بھانگ پڑی ہوئی تھی نہ کسی کو دین کی خبر تھی نہ کوئی بتلانے والا تھا۔ مولوی اسمٰعیل صاحب کا احسان ہے کہ انہوں نے پانی اور بھانگ کو الگ کر دیا اور سیدھا راستہ بتلا دیا۔ اب تمہیں اختیار ہے چاہے مانو چاہے نہ مانو اور بھانگ ہی پیئے جاؤ۔

حکایت (۶۲) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتوی فرماتے تھے کہ اطراف لکھنؤ میں ایک عالم رہتے تھے جو بڑے عالم تھے (مولانا نے انکا نام بھی لیا تھا مگر مجھے یاد نہیں رہا) یہ عالم ایک مسجد میں رہتے تھے اور مسجد کی جنوبی جانب ایک سہ دری تھی اس میں پڑھایا کرتے تھے۔ مولوی فضل رسول بدایونی ظہر کی نماز سے پہلے یا عصر کی نماز سے پہلے انکی خدمت میں پہنچے اور ان کو وہ اپنی تحریرات سنائیں جو انہوں نے مولانا شہید کے رد میں لکھی تھیں اور اُنسے انکی تصدیق اور مولانا شہید کی تکفیر چاہی۔ اتنے میں جماعت تیار ہو گئی مولوی صاحب نے فرمایا کہ پہلے نماز پڑھ لیں پھر غور کریں گے۔ مولوی فضل رسول کیساتھ ایک شخص بھی تھا۔ مولوی صاحب اور مولوی فضل رسول تو نماز کیلئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور وہ انکا ساتھی نہیں اٹھا اور بیٹھا ہوا حقہ پیتا رہا۔ جب مولوی صاحب نماز پڑھ کر تشریف لائے تو اُسے حقہ پیتے ہوئے دیکھا۔ اسپر مولوی صاحب نے مولوی فضل رسول سے دریافت کیا کہ یہ کون صاحب ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ میرے عزیز ہیں۔ مولوی صاحب نے پوچھا کہ یہ تمہارے ساتھ کتنے دنوں سے ہیں۔ انہوں نے مدت بتائی۔ اسپر مولوی صاحب نے فرمایا کہ تکفیر کا میرا ارادہ پہلے بھی نہ تھا مگر اتنا ارادہ تھا کہ کچھ آپ کے موافق لکھدوں گا مگر الحمد للہ کہ اسوقت نماز کی برکت سے مجھپر ایک حقیقت منکشف ہوئی وہ یہ کہ یہ شخص تمہارا عزیز بھی ہے اور اتنی مدت سے تمہارے ساتھ بھی ہے مگر باوجود اسکے

ف کیا اچھا فیصلہ ہے۔ (اشرف علی)

مسلمان (نمازی) بھی نہ بنا سکے۔ اور مولوی اسمٰعیل جسطرف کو نکل گیا ہے ہزاروں کو دیندار بنا گیا ہے۔ پس قابلِ تکفیر[1] تم ہو، نہ کہ مولوی اسمٰعیل۔ لہٰذا تم میرے پاس سے چلے جاؤ، میں کچھ نہ کہوں گا۔ اسپر وہ بے نیل ومرام واپس ہو گئے۔ یہ قصہ بیان کرکے خانصاحب نے فرمایا کہ میں اس شخص سے مِلا ہوں جو مولوی فضل رسول کے ساتھ تھا۔ حالانکہ وہ بڑھا ہو گیا مگر بڑھاپے تک بے نماز تھا اور دنیا کی تمام بازیوں مثل کبوتر بازی، بٹیر بازی، مرغ بازی وغیرہ میں ماہر تھا۔

حکایت (۶۳) خانصاحب نے فرمایا کہ مجھ سے شاہ عبدالرحیم صاحب نے بروایت مولانا گنگوہی بیان فرمایا کہ سید صاحب کے قافلہ کا ریاست رامپور جانیکا ارادہ ہوا۔ یہ زمانہ نواب احمد علی خاں کا تھا۔ جب علماء رامپور کو اس ارادہ کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے آپسمیں مشورہ کیا کہ جسطرح بھی ممکن ہو سید صاحب کے لوگوں کو بالخصوص مولوی اسمٰعیل صاحب کو نیچا دکھایا جاوے۔ اور مشورہ سے ایک عالم صاحب کو گفتگو کیلئے منتخب بھی کر لیا گیا۔ اس زمانہ میں رامپور میں ایک صاحب شاہ عبدالعزیز صاحب کے شاگرد تھے جو رامپور ہی کے رہنے والے تھے جب ان کو اس مشورہ کی اطلاع ہوئی تو وہ رامپور سے پیدل روانہ ہوئے اور دو تین منزل چلکر سید صاحب کے قافلہ سے ملاقات کی اور اُن لوگوں سے کہا کہ آپ لوگوں کا رامپور تشریف لیجانا مصلحت نہیں ہے کیونکہ وہاں کے علماء آپ لوگوں سے مناظرہ کا مشورہ کیا ہے اور وہ مناظرہ پر تُلے ہوئے ہیں اور اگر جانا ہی ہے تو اور لوگ جائیں مگر مولوی اسمٰعیل صاحب کا جانا کسی طرح مصلحت نہیں ہے۔ کیونکہ وہاں کے علماء اُن کے خاص طور پر در پے ہیں۔ اسکے بعد وہ خاص طور پر

---

[1] اس بنا پر نہیں کہ تمہارا اثر ساتھی پر نہ ہوا بلکہ اس بنا پر کہ اتنے بڑے خادمِ اسلام کی تکفیر کی جو بموجب حدیث موجب تکفیر ہے۔ پس حدیث کے جو معنی بھی ہیں اسی معنی کر یہ قابلیت بھی ہے تکفیر کی۔
(اشرف علی)

مولوی اسمٰعیل صاحب کے پاس گئے اور اُنسے خصوصیت کیساتھ اس واقعہ کو بیان کیا اور درخواست کی کہ آپ ہرگز رامپور تشریف نہ لیجاویں۔ مولانا نے فرمایا کہ یہ آپکا احسان[1] ہے کہ آپنے ہم لوگوں کی وجہ سے اسقدر تکلیف گوارا کی اور ہم آپکے ممنون ہیں، لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جسکی وجہ سے اتنی پریشانی ہو۔ کیونکہ وہ لوگ یا معقول میں گفتگو کرینگے یا منقول میں، تو جو بات ہمیں معلوم ہوگی ہم اسکا جواب دینگے اور جو نہ معلوم ہوگی ہم صاف کہدینگے کہ ہم نہیں جانتے[2]۔ اور اگر وہ معقول میں گفتگو کریں گے تو خدا نے عقل ہمیں بھی دی ہے وہ اشراقیہ اور مشائیہ کا جمع کیا ہوا گُوہ اچھالینگے، اس کے جواب میں ہم بھی اپنی عقل سے گُوہ اچھالینگے۔ دیکھیں وہ کہاں تک چلتے ہیں۔ غرض مولانا نے اپنا ارادہ فسخ نہیں کیا اور قافلہ کے ہمراہ مولانا رامپور پہنچے۔ جب وہ رامپور پہنچے ہیں، تو حسبِ قرارداد باہمی علماء رامپور نے اپنے منتخب عالم کو مناظرے کیلئے بھیجا۔ اُسنے پہنچ کر مولانا سے سوالات شروع کیے اور مولانا نے تمام سوالات کا جواب دیا۔ یہ گفتگو تین روز تک رہی۔ جب سائل کے سوالات کا سلسلہ ختم ہوا تو مولانا نے فرمایا کہ آپ کے سوالات تو ختم ہوئے، اب مجھے اجازت ہو تو چند سوالات میں بھی کروں.... انہوں نے اجازت دی۔ مولانا نے صرف چار سوال کیے، دو معقول کے اور دو منقول کے، مگر ان کو جواب نہ بن آیا۔ اسلیے انہوں نے مہلت چاہی کہ میں کل جواب دونگا۔ آپ نے اجازت دیدی۔ اگلے دن صبح کی نماز کے وقت اُن کا حجرہ نہ کھلا۔ لوگوں نے نماز کیلئے اٹھانا چاہا مگر وہاں سے کوئی جواب نہ آیا۔ تب لوگوں کو شبہ ہوا تو لوگ کواڑ اتار

---

[1] یہ ہے ادب مشیر کا کہ اگر اسکے مشورہ پر عمل نہ بھی کیجاوے تب بھی اس کی شکر گذاری کرے۔ یہ نہیں کہ اس کو رد کرنا شروع کردے جیسا آجکل کے متکبرین کا شیوہ ہے۔ [2] یہ ہے ادب علم دین کا کہ جو بات معلوم نہ ہو بے تکلف لاادری کہدے یہ نہیں کہ اپنے جہل کو مختلف اینچ پینچ سے چھپادے جیسا کہ آجکل کے متکبرین کا شیوہ ہے۔

کر اندر داخل ہوئے دیکھا تو وہ عالم صاحب مرے پڑے ہیں اور انہوں نے سر میں پتھر مار کر خودکشی کر لی ہے۔[1]

حکایت (۶۴) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی ذوالفقار علی صاحب بیان فرماتے تھے کہ مولوی رستم علی بریلی کے رہنے والے اور بہت پہلوان تھے۔ مولوی اسمٰعیل صاحب شہید کے بہت گہرے دوست تھے۔ اتفاق سے مولانا اسمٰعیل صاحب اور مولوی رستم علی صاحب چاندنی چوک میں سے جا رہے تھے کہ ایک پہلوان نے مولانا کو گالیاں دینی شروع کیں اس پر مولوی رستم علی صاحب کو غصہ آگیا اور وہ تلوار نکال کر اسکے مارنے کو دوڑے۔ مولانا نے جھپٹ کر مولوی رستم علی کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا کہ میاں رستم علی کیا کرتے ہو وہ گالیاں بیجا نہیں دیتا بلکہ وہ ٹھیک کہتا ہے[2] کیونکہ وہ یہی تو کہتا ہے کہ یہ بڑا بددین ہے جو نئی نئی باتیں نکالتا ہے۔ سو اسمیں وہ کیا بیجا کہتا ہے میری باتیں اس کیلئے تو واقعی نئی ہیں علماء نے یہ باتیں ان بیچاروں کہاں سُنائی ہیں، پھر اسکو نئی کیوں نہ معلوم ہوں اور وہ گالیاں کیوں نہ دے۔ اسکا اس پہلوان پر بہت اثر ہوا اور اس روز سے مولانا کا دوست بن گیا۔

حکایت (۶۵) خانصاحب نے فرمایا کہ اکبری مسجد کے صحن میں پہلی صف میں کسی وجہ سے ایک پتھر نیچا ہو گیا تھا اور برسات کے موسم میں اسمیں گارا کیچڑ ہو جاتا تھا سب نمازی اپنے کپڑوں کو بچانے کیلئے اسکو چھوڑ کر کھڑے ہوا کرتے تھے اور اسوجہ سے صف میں

---

[1] لیساد رسوائی کا خوف کیا، مگر اس رسوائی سے نہ بچے جبکہ اس قصے کی شہرت عام ہو گئی۔ یہ تو دنیا کا خسارہ ہوا کہ جان اور جاہ دونوں برباد ہو گئے اور آخرت کا خسارہ کہ خودکشی پر استحقاقِ مواخذہ ہے یہ جُدا رہا۔ احقر کے وجدان میں خسارۂ دارین سزا ہے اہل اللہ کیساتھ عداوت اور آویزش کی بقول عارف شیرازی ؎

بس تجربہ کردیم دریں دیرِ مکافات ‏ ‏ ‏ ‏ باد رد کشاں ہر کہ در افتاد و بر افتاد

[2] آپ نے کبریٰ کے صدق پر نظر فرمائی جو دینی مسئلہ ہے کہ جو نئی بات نکالے بددین ہے اور صغریٰ ایک واقعہ ہے خود ان کی ذات سے متعلق، اس میں کوئی دین کا ضرر نہیں اسلیئے اسپر نظر نہیں فرمائی۔ رہا یہ کہ یہاں ایک صغریٰ اور بھی ہے کہ فلاں عمل (جو واقع میں سنت ہے) نئی بات ہے اور یہ تغییر ہے شرع کی، سو یہ ایک فرعی غلطی ہے جو کہ اعمال میں سے ہے اصولی غلطی تو نہیں جو کہ عقاید میں سے ہے۔ مثلاً یہ سمجھنا کہ جو نئی بات دین میں ہو وہ اچھی ہے اور فرعی غلطی سہل ہے اور اسکی اصلاح بھی فی نفسہ سہل ہے۔ (ظفر تھانوی)

فرجہ رہتا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جس زمانہ میں مولوی اسمٰعیل صاحب شہید خوش پوشاک تھے۔ ایک روز عمدہ پوشاک پہنے ہوئے اکبری مسجد میں تشریف لائے۔ آپ نے صفِ اوّل میں فرجہ دیکھا، آپ اسی جگہ گارے کیچڑ میں بیٹھ گئے[1] اور کپڑوں کا ذرا خیال نہ فرمایا۔

حکایت (۶۶) خانصاحب نے فرمایا کہ میرے استاد میاں جی محمدی صاحب کے صاحبزادے حافظ عبدالعزیز ایک مرتبہ اپنے بچپن میں نہایت سخت بیمار ہوئے اور اطباء نے جواب دیدیا۔ انکے والدین کو اس وجہ سے تشویش تھی۔ اتفاق سے میاں جی نے خواب میں دیکھا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب مسجد کے بیچ کے در میں وعظ فرما رہے ہیں اور میں مسجد کے اندر ہوں اور میرے پاس عبدالعزیز بیٹھا ہے اتفاق سے اُسے پیشاب کی ضرورت ہوئی اور میں اسے پیشاب کرانے لے چلا۔ آدمیوں کی کثرت کیوجہ سے اور طرف کو راستہ نہ تھا اور مولوی اسمٰعیل صاحب سے بے تکلفی تھی اسلیے میں اسے مولوی اسمٰعیل صاحب کیطرف کو لے گیا۔ جب عبدالعزیز مولوی اسمٰعیل صاحب کے سامنے پہنچا تو انہوں نے تین مرتبہ یا شافی پڑھ کر اسپر دم کر دیا۔ اس خواب کے بعد جب آنکھ کھُلی تو انہوں نے اپنی بیوی کو جگایا اور کہا کہ عبدالعزیز اچھا ہو گیا[2]۔ اطباء غلط کہتے ہیں کہ یہ نہ بچیگا۔ میں نے اسوقت ایسا ایسا خواب دیکھا ہے۔ صبح ہوئی تو میاں عبدالعزیز بالکل تندرست تھے۔

حکایت (۶۷) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب اور مولوی محمود پھُلتی بیان فرماتے تھے کہ مولوی اسمٰعیل صاحب شہید کی بہن کی شادی شاہ رفیع الدین صاحب کے بڑے بیٹے مولوی عبدالرحمٰن صاحب کیساتھ ہوئی تھی۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب کا انتقال ہو گیا۔ ایکمرتبہ مولوی اسمٰعیل صاحب شہید قصبہ پھلت میں منبر پر کھڑے ہو کر نکاحِ ثانی کی

---

[1] ایسے شخص کو تزئین کا حق ہے۔ [2] اس سے خواب کو مؤثر نہ سمجھا جاوے بلکہ وہ مبشر تھا جیسا حدیث میں ہے۔ (اشرف علی)

ترغیب دلا رہے تھے۔ پھلت کے صاحبوں میں سے ایک صاحب کھڑے ہوئے اور کہا کہ مولوی صاحب میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ مولانا نے فرمایا کہ ابھی نہ پوچھو پھر پوچھنا۔ اور یہ فرما کر وعظ بند کر دیا اور منبر پر سے اُتر گئے اور اسی روز دہلی روانہ ہو گئے اور دہلی پہنچ کر بہن کے پاس پہنچے۔ انکی بہن مولوی صاحب سے عمر میں بھی بہت بڑی تھیں اور دمہ کے مرض کی وجہ سے کمزور بھی بہت تھیں۔ آپ نے اپنا عمامہ بہن کے قدموں پر ڈالدیا اور فرمایا بہن اگر تم چاہو تو میں وعظ کہہ سکتا ہوں ورنہ نہیں کہہ سکتا۔ انہوں نے کہا کیا بات ہے۔ فرمایا کہ تم نکاح کر لو۔ انہوں نے کہا کہ مجھے نکاح سے انکار نہیں لیکن میں تو نکاح کے قابل ہی نہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ یہ صحیح ہے مگر لوگ نہیں مانتے وہ یہی سمجھتے ہیں کہ تم رسم کی بنا پر نکاح نہیں کرتیں اسپر وہ رضا مند ہو گئیں اور انکا نکاح مولوی عبدالحی صاحب سے کر دیا گیا۔ مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے کہ میرے والد سے نکاح ہونیکے بعد بھی وہ بیمار ہی رہیں اور میرے والد کو اُن سے صحبت کا کبھی اتفاق نہیں ہوا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ جب ہندوستان میں نکاح ثانی بند ہوا تھا اس وقت سے مولوی اسمٰعیل صاحب کی بہن کا نکاح ثانی سب سے پہلا نکاحِ ثانی تھا۔

حکایت (۶۸) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب سے کسی نے پوچھا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب تم پر عاشق تھے اور سید صاحب خود شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب کے خدام میں سے ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ تم شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب پر نہ مِٹے اور سید صاحب پر اتنے فریفتہ ہو۔ انہوں نے کہا میں اور کچھ نہیں کہتا صرف اتنا کہتا ہوں کہ جب میں اپنی بہن کو مشکوٰۃ وغیرہ پڑھاتا تھا تو نکاح ثانی کے فضائل قصداً چھوڑ دیتا تھا کہ مبادا

لے خالص دین یہ ہے جو اُن زوجین نے کر دکھایا کہ بلا توقع کسی حظِ نفسانی کے محض احیاء سنت کیلئے نکاح کیا۔

میری بہن کو ترغیب ہو اور وہ نکاح کرلے لیکن جب سید صاحب کی صحبت ہوئی تو خود میں نے ہی زور دے کر انکا نکاح کروادیا۔ اس سے تم سمجھ لو کہ میں کیوں سید صاحب پر اتنا فریفتہ ہوں[1]

حکایت (۶۹) خانصاحب نے فرمایا مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے کہ مولانا شہید ابتدا میں نہایت آزاد تھے۔ کوئی میلہ خواہ ہندوؤں کا ہو یا مسلمانوں کا، ایسا نہ ہوتا تھا کہ جس میں وہ شریک نہ ہوتے ہوں اور کھیل بھی ہر قسم کا کھیلتے تھے۔ کنکوا بھی اڑاتے تھے، شطرنج بھی کھیلتے تھے۔ مگر باوجود اس آزادی کے بزرگوں کا ادب اور لحاظ اتنا تھا کہ پتنگ اڑا رہے ہیں اور پیچ لڑ رہے ہیں مخالف کے پتنگ کاٹنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اتنے میں شاہ عبدالقادر صاحب حجرہ سے نکلے اور آواز دی اسمٰعیل! یہ آواز سنتے ہی فوراً جواب دیتے۔ حضور! اور پتنگ کو اسی حالت میں چھوڑ کر چلے آتے۔[2]

حکایت (۷۰) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے مولانا نانوتوی صاحب مولانا عبدالقیوم صاحب اور دوسرے بہت سے لوگوں سے سنا ہے کہ ایک روز مولانا شہید ہندوؤں کے کسی میلہ میں گئے۔ سیّد صاحب اُس زمانہ میں اُن سے پڑھتے تھے وہ بھی ان کیساتھ گئے۔ جب یہ دونوں میلہ میں پہنچے سیّد صاحب پر ایک جوش سوار ہوا اور نہایت غصہ آیا اور تیز لہجہ میں مولانا شہید سے فرمایا کہ آپ نے کس لیے پڑھا تھا۔ کیا سوادِ کفّار بڑھانے کے لیے۔ آپکو معلوم ہے کہ آپ اسوقت کہاں ہیں۔ آپ غور فرمائیں، کہ ایک عالم اور شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب کا بھتیجا کفّار کے میلے کی رونق بڑھائے کسقدر شرم کی بات ہے۔ مولانا پر اس کا خاص اثر ہوا اور انہوں نے فرمایا کہ سید صاحب آپ بجا فرماتے ہیں[3]۔ واقعی میری غلطی ہے۔ اور یہ فرما کر فوراً لوٹ

---

[1] اس اثر کو تفاضل کی دلیل نہ بنایا جاوے نفع کا مدار مناسبت پر ہے اور یہ فطری امر ہے گاہے افضل سے نفع کم ہوتا ہے مفضول سے زیادہ۔ [2] یہی ادب رہبر ہو جاتا ہے طریق حق کا۔ [3] شاگرد کی نصیحت کو تیز لہجہ قبول کرنا اور عمل کرنا کسقدر مجاہدہ عظیم ہے (اشرف علی)

آئے اور پھر کبھی کسی میلہ میں نہیں گئے۔
حکایت (۱۷۱) خانصاحب نے فرمایا کہ مرزا ثریا جاہ بیان فرماتے تھے کہ اکبر شاہ بادشاہ دہلی کی ایک بہن تھیں جن کو بی چھکو کہتے تھے۔ یہ اکبر شاہ سے بہت بڑی تھیں اور انہوں نے اکبر شاہ کو گود میں کھلایا تھا اسلیے بادشاہ بھی اُن کا ادب کرتے تھے اور تمام شہزادے اور شہزادیاں بھی اُن کو بڑا مانتے تھے۔ غرض تمام اہلِ قلعہ اُن سے دبتے تھے اور یہ کوسنے اور گالیاں بہت دیتی تھیں۔ ایک مرتبہ چند شہزادوں اور چند شہدوں نے مشورہ کیا کہ ایک دن بھرے مجمع میں بی چھکو سے مولوی اسمٰعیل کو گالیاں دلوانی چاہئیں۔ اور اس کیلئے تدبیر یہ کی گئی کہ ان شہزادوں نے ایک دعوتی جلسہ تجویز کیا جسمیں بی چھکو کو بھی مدعو کیا اور مولانا شہید کو بھی۔ اور جو شہزادے اور شہدے اپنے ہم مذاق تھے اُن کی بھی دعوت کی گئی۔ اور جو شہزادے وغیرہ اُن کے ہم مذاق نہ تھے اُن کو مدعو نہیں کیا گیا۔ اور اس عرصہ میں یہ کارروائی کی گئی کہ مولانا شہید کیطرف سے بی چھکو کو خوب بھر دیا گیا کہ اسمٰعیل بی بی کی صحنک کو منع کرتا ہے اور میراں کے بکرے کو ناجائز کہتا ہے۔ فلاں کے روٹ کو منع کرتا ہے فلاں کے توشہ کو۔ شیخ عبدالقادر کی گیارھویں کو منع کرتا ہے اور یہ کرتا ہے وہ کرتا ہے۔ جب خوب اچھی طرح بی چھکو کے کان بھر دیے تو جلسہ منعقد کیا گیا۔ سب لوگ جلسہ میں آئے اور بی چھکو بھی آئیں (مگر یہ پردہ میں تھیں) اتفاق سے مولوی اسمٰعیل صاحب کو ذرا دیر ہوگئی اسپر اور ان کو موقع ملا اور انہوں نے بی چھکو سے کہا کہ دیکھئے یہ شخص کتنا مغرور ہے کہ ابتک نہیں آیا۔ اسپر وہ اور بھی برہم ہوگئیں۔ غرض جب مولانا شہید جلسہ میں پہنچے ہیں اسوقت یار لوگ بی چھکو کو خوب برہم کر چکے تھے۔ اُن کے پہنچنے پر بی چھکو نے غصہ کی

آواز سے پوچھا کہ عبد العزیز کا بھتیجا اسمٰعیل آگیا۔ مولانا جلسہ کا رنگ دیکھ کر تاڑ گئے تھے کہ آج ضرور کوئی شرارت کی گئی ہے۔ آپ نے اسکا تو کچھ جواب نہیں دیا اور فرمایا اہاہ یہ آواز تو چھکو اماں کی معلوم ہوتی ہے اماں السلام[1]۔ جب انہوں نے اس انداز سے گفتگو کی تو بی چھکو کا غصہ سب کافور ہو گیا اور انہوں نے بڑوں کے قاعدے سے ان کے سلام کا جواب دیا اور ادھر اُدھر کی دو چار باتیں کر کے کہا کہ اسمٰعیل ہم نے سُنا ہے کہ تم بی بی کی صحنک کو منع کرتے ہو۔ مولانا نے فرمایا کہ اماں میں منع نہیں کرتا۔ بھلا میری کیا مجال ہے کہ میں بی بی کی صحنک کو منع کروں۔ انہوں نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ جو کوئی کہتا ہے غلط کہتا ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ بی بی کے ابا جان منع کرتے ہیں میں لوگوں کو بی بی کے ابا جان کا حکم سناتا ہوں۔ اسپر بی چھکو نے حیرت کے لہجہ میں پوچھا کہ بی بی کے ابا منع کرتے ہیں؟ مولانا نے فرمایا جی ہاں چنانچہ وہ فرماتے ہیں من احدث فی دیننا ھذا ما لیس منه فھو ردٌّ اور حدیث پڑھ کر اس کی تفصیل فرمائی اور اس سے صحنک کی ممانعت ثابت فرمائی۔ بی چھکو نے جو یہ تقریر سنی تو مان گئیں اور کہا کہ اب سے اگر کوئی عورت کریگی تو اس حرامزادی کی ناک چُٹیا کاٹ لونگی۔ ہم بی بی پر ایمان نہیں لائے ہم تو بی بی کے ابا پر ایمان لاتے ہیں۔ جب وہی منع کرتے ہیں تو پھر ہم کیوں کریں۔

حکایت (۷۲) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب کاندھلوی (مولوی یحییٰ صاحب کے والد) اور مولوی عبد الرحیم صاحب (رانڈوں کی شادی والے) بیان کرتے تھے کہ مولوی اسمٰعیل صاحب شہید کا قاعدہ تھا کہ جہاں کہیں کوئی میلا ہوتا خواہ ہندوؤں

---

[1] اس پر خلاف سنت کا شبہ نہ کیا جاوے، قرآن مجید میں قال سلام کی جو ترکیب ہے وہ اسمیں بھی ہو سکتی ہے باقی علیک کی تصریح نہ کرنا مصلحت سے ہوگا کہ جاہل مخاطب کو اس سے اور وحشت ہوتی کہ بے ادب اور متشدد ہیں۔ (اشرف علی)

کا ہو یا مسلمانوں کا یا کوئی اور مجمع ہوتا جیسے ناچ کی محفل یا قوالی کی محفل تو آپ وہاں پہنچتے اور کھڑے ہو کر وعظ کہتے اور اس کا اثر یہ ہوتا تھا کہ جہاں ناچ یا قوالی وغیرہ کی محفل ہوتی اور آپ وہاں وعظ فرماتے تو اکثر لوگ محفل کو چھوڑ کر آپ کے وعظ میں آجایا کرتے تھے۔ آپ حضرات نظام الدین اولیاء میں بھی پہنچتے تھے اور وہاں بھی وعظ فرماتے تھے اور وہاں بھی یہی اثر ہونے لگا تھا۔ جب مجاوروں نے یہ رنگ دیکھا تو ان کو سخت ناگوار ہوا۔ اور انہوں نے مشورہ کیا کہ مولوی اسمٰعیل کو کسی طرح قتل کر دینا چاہیے۔ اسپر ایک بڈھے نے آپ کے قتل کا بیڑا اٹھایا اور کہا کہ میں اس کو قتل کروں۔ غرض یہ امر طے پا گیا۔ ایک روز مولانا شہید جامع مسجد کے بیچ کے در میں وعظ فرما رہے تھے کہ اس بڈھے نے مولانا پر تلوار کا وار کیا۔ سو مولانا تو بچ گئے مگر وہ تلوار ان کے ایک دوست کے لگی اور اُن کا شانہ زخمی ہو گیا۔ خانصاحب نے فرمایا کہ راویوں نے ان کے دوست کا نام بھی لیا تھا مگر مجھے یاد نہیں رہا) اسپر مولانا کے دوست اس بُڈھے کو لپٹ گئے اور تھپڑ وغیرہ مارے۔ مولانا نے اس بڈھے کو چھڑا دیا اور کوئی مقدمہ نہیں چلایا۔

حکایت (۴۳) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے کہ شاہ اسحاق صاحب بیان فرماتے تھے کہ جب مولوی اسمٰعیل صاحب نے رفع یدین شروع کیا تو مولوی محمد علی صاحب اور مولوی احمد علی صاحب نے جو شاہ عبدالعزیز کے شاگرد تھے اور ان کے کاتب تھے شاہ صاحب سے عرض کیا کہ حضرت مولوی اسمٰعیل صاحب نے رفع یدین شروع کیا ہے اور اس سے مفسدہ پیدا ہوگا آپ ان کو روک دیجئے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ میں تو ضعیف ہو گیا ہوں مجھ سے تو مناظرہ نہیں ہو سکتا۔ میں اسمٰعیل کو بلائے لیتا ہوں تم میرے سامنے اس سے مناظرہ

لے حیلولۃ بین المظلوم والانتقام کا شبہ نہ کیا جاوے کیونکہ یہ انتقام اپنی مظلومیت کا نہ تھا مولانا کے لیے تھا اور متیقن تھا یہ کہ مولانا کے خلاف وہ دوست نہ کریں گے۔ (اشرف علی)

کرلو اگر تم غالب آگئے تمہارے ساتھ ہوجاؤں گا اور وہ غالب آگیا تو اس کیساتھ ہو جاونگا۔ مگر وہ مناظرہ پر آمادہ نہ ہوئے اور کہا کہ حضرت ہم تو مناظرہ نہ کریں گے۔ اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ جب تم مناظرہ نہیں کر سکتے تو جانے دو۔ شاہ صاحب نے یہ جواب دیا تو میں سمجھا کہ شاہ صاحب نے اسوقت دفع الوقتی فرمادی ہے مگر یہ مولوی اسمٰعیل سے کہیں گے ضرور۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور جب شاہ عبدالقادر صاحب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپنے فرمایا میاں عبدالقادر تم اسمٰعیل کو سمجھا دینا کہ وہ رفع یدین نہ کیا کریں کیا فائدہ ہے خواہ مخواہ عوام میں شورش ہوگی۔ شاہ عبدالقادر صاحب نے فرمایا کہ حضرت میں کہہ تو دوں مگر وہ مانیگا نہیں اور حدیثیں پیش کریگا۔ اس وقت بھی میرے دل میں یہی خیال آیا کہ گو انہوں نے اسوقت یہ جواب دیدیا ہے مگر یہ بھی کہیں گے ضرور چنانچہ یہاں بھی میرا خیال صحیح ہوا۔ اور شاہ عبدالقادر صاحب نے مولوی محمد یعقوب صاحب کی معرفت مولوی اسمٰعیل صاحب سے کہلایا کہ تم رفع یدین چھوڑ دو اس سے خواہ مخواہ فتنہ ہوگا۔ جب مولوی محمد یعقوب صاحب نے مولوی اسمٰعیل صاحب سے کہا تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر عوام کے فتنہ کا خیال کیا جاوے تو پھر اس حدیث کے کیا معنی ہوں گے من تمسک بسنتی عند فساد امتی فلہ اجر مائۃ شہید کیونکہ جو کوئی سنتِ متروکہ کو اختیار کرے گا عوام میں ضرور شورش ہوگی۔ مولوی محمد یعقوب صاحب نے شاہ عبدالقادر صاحب سے ان کا جواب بیان کیا۔ اس کو سُن کر شاہ عبدالقادر صاحب نے فرمایا، بابا ہم تو سمجھے تھے کہ اسمٰعیل عالم ہوگیا مگر وہ تو ایک حدیث کے معنی بھی نہیں سمجھا یہ حکم تو اسوقت ہے[۱] جبکہ سنت کے مقابل خلافِ سنت ہو۔ اور

---

[۱] اس وقت بیساختہ زبان پر آتا ہے فَوْقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ (اشرف علی)

ما نحن فیہ میں سنت کا مقابل خلافِ سنت نہیں بلکہ دوسری سنت ہے، کیونکہ جسطرح رفع یدین سنت ہے یونہی ارسال بھی سنت ہے۔ جب مولوی محمد یعقوب صاحب نے یہ جواب مولوی اسمٰعیل صاحب سے بیان کیا تو وہ خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہ دیا۔

حکایت (۴۷) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب اور مولوی فضل حق صاحب سے تحریری مناظرہ ہو رہا تھا۔ تو مولوی اسمٰعیل صاحب کا قاعدہ تھا کہ جب آپ کے پاس مولوی فضل حق صاحب کی تحریر پہنچتی تو فوراً جواب دیدیتے اور بعض اوقات تو ایسا ہوا کہ آپ تیر رہے ہیں اور تیرنے کی حالت میں آپ کے پاس تحریر پہنچی آپ نے تیرتے ہی تیرتے اس کا جواب لکھوا دیا۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ مومن خاں اور مولوی فضل حق صاحب شطرنج کھیل رہے تھے اور مولوی فضل حق صاحب نے مولوی اسمٰعیل صاحب کے پاس تحریر بھیجی تھی، اتفاق سے ان کے شطرنج کھیلنے ہی میں آدمی واپس چلا گیا اور مولوی فضل حق صاحب نے دریافت کیا کہ جواب لائے۔ اس نے کہا کہ جواب نہیں دیا اور کہا کہ فلاں وقت دوں گا۔ چونکہ یہ بات مولوی اسمٰعیل صاحب کے طرز کے خلاف تھی اسلیے مولوی فضل حق صاحب نے سمجھا کہ اب مولوی اسمٰعیل عاجز آ گئے اور یہ سمجھ کر کہا کہ بس دے لیا جواب۔ یہ بات مومن خاں کو ناگوار ہوئی انہوں نے کہا وہ بات ہی کیا ہے جس کا جواب مولوی اسمٰعیل صاحب نہیں دے سکتے۔ اسپر ان میں گفتگو شروع ہو گئی اور مومن خاں مناظرہ میں غالب رہا چنانچہ گفتگو میں مزاج مکدر ہو گیا تھا اسلیے مومن خاں یہ شعر کہہ کر چلدیے ؎

لے نام آرزو کا تو دل کو نکالدیں ٭ مومن نہ ہوں جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم

(آرزو، مولوی فضل حق صاحب کا تخلص ہے) جب مولوی فضل حق صاحب نے

دیکھا کہ مومن خاں ناراض ہو گئے تو وہ اُن کو منانے کے لیے گئے۔ کچھ گفتگو ہو کر صُلح ہو گئی اس وقت مومن خاں نے یہ شعر پڑھا ؎

ٹھانی تھی دل میں اب نہ ملیں گے کبھی سے ہم ٭ پر کیا کریں کہ ہو گئے ناچار جی سے ہم۔

یہ قصہ بیان فرما کر فرمایا کہ یہ قصہ میں نے متعدد ثقات سے سنا ہے مگر نام یاد نہیں رہا ہے۔

حکایت (۷۵) حاجی امیر شاہ خانصاحب خادم خاص حضرت نانوتوی نے مجھ سے فرمایا کہ مجھ سے ملا نواب صاحب نے (جو شاگرد ہیں حافظ دراز محشی صدرا کے اور شاگرد ہیں مولوی فضل حق صاحب خیر آبادی کے اور مجاز ہیں شاہ احمد سعید صاحب برادر حضرت شاہ عبد الغنی صاحب کے اور استاد ہیں مولوی ارشاد حسین صاحب رامپوری کے) روایت کی (نیز مولوی اسمٰعیل صاحب ابن ملا نواب صاحب نے بھی اس واقعہ کی روایت کی) کہ میں (یعنی ملا نواب صاحب) پندرہ برس کا تھا اور اپنے اُستاد حافظ دراز صاحب کی انگلی تھامے ہوئے (جو نابینا تھے) مولانا اسمٰعیل صاحب شہید کی خدمت میں حاضر ہوا (یہ وہ وقت تھا کہ مولانا شہید پشاور میں قیام پذیر تھے اور اپنے گھوڑے پر کھریرہ کر رہے تھے) حافظ دراز صاحب نے اسی حالت میں چند معقولی سوالات کیے جن کا جواب حضرت شہید نے نہایت سادگی اور متانت سے اسی وقت دیدیا۔ حافظ دراز صاحب شافی جوابات لیکر واپس ہونے لگے تو مولانا شہیدؒ نے فرمایا کہ حافظ صاحب ایک سوال میرا بھی ہے۔ حافظ صاحب ٹھہر گئے اور مولانا کا سوال سُنا اور جواب دیا۔ اس پر مولانا نے شبہ فرمایا۔ اسکا جواب پھر حافظ صاحب نے دیا۔ مولانا نے اسپر پھر شبہ پیش فرمایا۔ حافظ صاحب نے اس کا بھی جواب دیا مولانا نے پھر تیسری دفعہ خدشہ پیش فرمایا تو حافظ صاحب کو

لہ مومن خاں کا بھی کمال ہے کہ حق پر اتنی پرانی دوستی قطع کر دی اور مولوی صاحب کا بھی کمال کہ باوجود اتنی بڑی شان کے اُن سے صلح کی ابتداء فرمائی۔ (اشرف علی)

غصہ آگیا اور طیش میں آکر بجائے جواب کے غیر مہذب عربدہ شروع کر دیا جس سے مولانا کی پگڑی زمین پر گر پڑی مولانا نے اسی سادگی سے خاک آلود پگڑی اُٹھا کر پھر سر پر رکھ لی۔ اور فرمایا کہ حافظ صاحب میں نے تو آپ کے کتنے سوالات کے جواب عرض کیے مگر آپ تو ایک ہی سوال پر خفا ہو گئے۔

حکایت (۷۶) اس کتاب کی حکایت نمبر (۵۴) میں بذیل مکالمہ حضرت شہید اور سبحان علیخاں میر منشی علی نقی خاں وزیر شاہِ اودھ تین سوال سبحان علیخاں کے نقل کیے گئے ہیں جن کا جواب مولانا شہید نے حضرت مولانا عبدالحی صاحب کا وعظ روک کر دیا انہی میں سے ایک مسئلہ اور ہے جو خانصاحب نے مجھ سے اس واقعہ کی روایت کرتے ہوئے فرمایا اور وہ یہ کہ اثنائے وعظ میں ایک موقع پر حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کا ذکر آیا تو سبحان علیخاں پھر بولا اور اُس نے حضرت علی کی شان میں زبان مدح اور حضرت امیر معاویہ نیز اور دوسرے صحابہ کی شان میں زبان تنقیص کھولی تو مولانا شہید پھر کھڑے ہو گئے اور مولینا عبدالحی صاحب کو روک کر سبحان علیخاں سے استفسار کیا کہ بتاؤ حضرت علی کے دربار میں امیر معاویہ پر تبرا ہوتا تھا؟ اس نے کہا کہ نہیں حضرت علی کا دربار ہجو گوئی سے پاک تھا۔ پھر پوچھا کہ حضرت معاویہ کے یہاں حضرت علی پر تبرا ہوتا تھا؟ کہا کہ بیشک ہوتا تھا۔ اس پر مولانا شہید نے فرمایا کہ اہلسنت الحمد للہ حضرت علیؓ کے مقلد ہیں اور روافض حضرت امیر معاویہؓ کے اور پھر خود ہی اپنے امام کے حق میں زبان تنقیص بھی کھولتے ہیں اور ہم اپنے امام کے مقلد ہیں کہ ان کو اور اُن کے سوا سب صحابہ کو اپنا مقتدا رجانتے ہیں۔

ف اس عربدہ پہ ایک شعر یاد آگیا ؎

چو حجت نماند جفا جوئے را ۔ بہ پرخاش در ہم کشد روئے را

حکایت (۷۷) مولانا اسمٰعیل شہید جب سید صاحب کے قافلہ میں حج سے واپس ہوئے ہیں تو راستہ میں لکھنؤ میں بھی قیام ہوا اور وہیں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی وفات کی خبر معلوم ہوئی۔ سید صاحب نے فرمایا کہ آپ دہلی ابھی چلے جائیں اور وہاں پہنچ کر تحقیقی اطلاع دیں کہ وفات ہوئی یا نہیں۔ اور مولانا شہید کو خاص اپنی سواری کا نقرئی رنگ کا گھوڑا سواری کیلئے دیا۔ مولانا شہید ادب کیوجہ سے گھوڑے پر سوار نہیں ہوئے کہ سید صاحب کا خاص گھوڑا ہے اور لکھنؤ سے دہلی تک اس کی لگام تھام کر آئے۔

حکایت (۷۸) مولانا حکیم جمیل الدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مولانا شہید کا ذہن اس درجہ سریع الانتقال تھا کہ پانچ آدمیوں کو سامنے بٹھلا کر پانچ مختلف مضامین لکھاتے تھے اور اسطرح بتلاتے اور املا کراتے کہ کسی کا قلم نہ رُکتا تھا۔

حکایت (۷۹) مولانا حکیم جمیل الدین صاحب نے فرمایا کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مولانا رشید الدین خاں صاحب (جو شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے اور بوجہ اپنی ذکاوۃ و استعداد کامل کے رشید المتکلمین کے نام سے یاد کیے جاتے تھے) ایک دفعہ درس دیتے ہوئے طلبہ سے فرمانے لگے کہ مولانا اسمٰعیل (شہید) کو دینیات کیساتھ شغف ہے باقی معقولات کیطرف کچھ توجہ نہیں ہے۔ (مطلب یہ تھا کہ مولینا شہید معقولات میں کچھ زیادہ دستگاہ نہیں رکھتے) اتفاقاً مولانا شہیدؒ کو ایک دن بخار آگیا اور مولانا رشید الدین خانصاحب عیادت کیلئے تشریف لےگئے۔ مولانا شہید فرمانے لگے کہ مولانا آج بخار میں جو دماغ پریشان تھا اور اسی پریشانی میں انتشار کی حالت میں فلاسفہ کے فلاں فلاں مسئلہ کیطرف ذہن منتقل ہوگیا اور ان

مسائل پر میرے دل میں یہ یہ اعتراضات پیدا ہوئے۔ مولانا رشید الدین خانصاحب بالکل ساکن رہے واپس ہوتے پر اُن کے تلامذہ نے کہا کہ آپ تو فرماتے تھے کہ مولانا اسمٰعیل (شہید) کو معقولات کیطرف کوئی توجہ نہیں۔ فرمایا کہ بیشک میں نے یہ کہا تھا مگر اب میری رائے یہ ہے کہ اگر ارسطو اور افلاطون بھی قبر سے نکل کر آجائیں تو مولانا کے بیان کردہ اعتراضات کا کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ (منقول از روایات الطیب)

حکایت (۸۰) فرمایا کہ حضرت مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں بادشاہ کی ایک عزیزہ تھی جسکا نام بی چھکو تھا بڑی تیز مزاج تھی۔ اُنسے کسی نے یہ کہا کہ مولانا اسمٰعیل (شہید) بی بی کی صحنک کو منع کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا بلاؤ مولانا اسمٰعیل کو وعظ کے حیلے سے بلایا گیا۔ مولانا کو اس واقعہ کی بالکل خبر نہ تھی اور بالکل خالی الذہن تھے۔ آنیکے بعد معلوم ہوا کہ بی چھکو سے کسی نے اسطرح سے لگایا ہے۔ مولانا نے بی چھکو کو اس طرح سے سلام کیا کہ اماں سلام۔ انہوں نے کہا کہ اسمٰعیل میں نے سنا ہے کہ تم بی بی کی صحنک کو منع کرتے ہو۔ فرمایا کہ اسمٰعیل کی کیا مجال ہے جو بی بی کی صحنک کو منع کرے، بی بی کے ابا جان خود منع کرتے ہیں۔ کہا یہ کیسے آپ نے کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار حدیث پڑھ کر اس پر ایک مبسوط بحث کی جس سے وہ تائب ہو گئی اور کہا کہ ہمیں کیا معلوم تھا کہ بی بی کے ابا منع کرتے ہیں ہم تو اُن کی ہی رضامندی کیلئے کرتے تھے جب وہ ناراض ہوتے ہیں تو ہم کیوں کریں۔

حکایت (۸۱) فرمایا کہ بی بی کی صحنک شاہ عبد القادر صاحبؒ کے گھر میں بھی ہوتی تھی۔ اس کے خاص آداب ہیں یہ کہ کھانے والی کوئی دو خصمی نہ ہو، اس کو کوئی مرد نہ دیکھے وغیرہ وغیرہ۔ ایک مرتبہ جب شاہ عبد القادر صاحبؒ کے یہاں

بی بی کی صحنک ہو رہی تھی تو مولانا اسمٰعیل شہیدؒ وہاں پہنچ گئے۔ مولانا نے منع فرمایا۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ اسمٰعیل یہ تو ایصالِ ثواب ہے اس میں کیا حرج ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ حضرت پھر اسکے کیا معنی ہیں آیۃ وقالوا ھٰذہٖ انعام وحرث وحجر لا یطعمھا الا من نشاء بزعمھم (ولو اننا پارہ ۸ رکوع ۳ سورہ انعام) ان دونوں میں فرق کیا ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ واقعی درست ہے۔ ہمارا ذہن اس طرف نہیں گیا تھا اور گھر میں عورتوں کو منع کر دیا کہ خبردار آئندہ اس کو ہرگز نہ کرنا۔

حکایت (۸۲) فرمایا کہ میر پنجہ کش بہت خوش خط تھے اور مولانا اسمٰعیل صاحب لکھنے میں مہارت نہ رکھتے تھے۔ ایک دفعہ میر پنجہ کش نے مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ تم نے لکھنا کیوں نہیں سیکھا۔ مولانا شہید نے ایک جیم خود لکھا اور ایک اُنسے لکھایا اور اُن سے پوچھا کہ یہ کیا ہے کہا جیم اور پھر اپنے لکھے کو پوچھا تو انہوں نے اسکو بھی جیم بتلایا۔ فرمایا کہ بس لکھنا اتنا ہی کافی ہے کہ لکھا ہوا سمجھ میں آجاوے باقی فضول ہے۔

حکایت (۸۳) فرمایا کہ ایک شخص کا نام محمد کالے تھا اور وہ اپنا سجع کہلانا چاہتا تھا۔ اکثر نے انکار کر دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو گورے تھے کالے کہاں تھے۔ اسمیں جوڑ کیسے ملائیں۔ وہ مولانا اسمٰعیل شہید کے پاس پہنچا تو آپنے فوراً سجع کہدیا کہ (ہر دو نام محمد کالے)

حکایت (۸۴) فرمایا کہ مولانا اسمٰعیل شہید بچپن میں بہت شوخ اور تیز طبیعت تھے۔ شاہ عبد العزیز ہر چند چاہتے تھے کہ یہ وعظ میں آیا کریں مگر یہ بھاگتے تھے۔ ایک روز لڑکوں کیساتھ کھیلتے ہوئے آئے۔ شاہ صاحب اسوقت بیت الخلا میں تھے انکو خبر نہ تھی۔ انہوں نے لڑکوں سے کہا کہ میں وعظ کہتا ہوں سنو اور درخت کی سب سے اونچی ٹہنی پر چڑھ گئے اور شاہ صاحب کے وعظ کی بعینہٖ نقل کر دی بلکہ اور اپنی طرف

سے تفنن افادات زیادہ کر دیے۔ شاہ صاحب جب اندر سے نکلے تو سب کود کود کر بھاگ گئے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ اب تم کو وعظ میں آنے کی ضرورت نہیں۔

حکایت (۸۵) فرمایا کہ ایکمرتبہ شاہ عبدالعزیزؒ کا وعظ ہو رہا تھا کہ مولانا اسمٰعیلؒ آئے اور سب کی جوتیاں لیکر سقایا میں ڈالدیں۔ بعد وعظ لوگوں کو تلاش ہوئی۔ شاہ صاحب کو اطلاع کی۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہ اسمٰعیل کی شرارت ہوگی کہیں سقایا میں نہ ڈالدی ہوں۔ لوگوں نے سقایا کو جا کر دیکھا تو اسمیں اُبل رہی تھیں۔ بچپن تھا اور بوجہ محبت کسی کو ناگوار بھی نہ تھی۔ (منقول از اشرف التنبیہ)

اضافہ از احقر ظہور الحسن کسولوی

حکایت (۸۶) حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ میں ایک بار فرمایا کہ لکھنؤ میں شیعوں کا مجتہد لباس بدل کر سید صاحب کے پاس آیا۔ مولوی اسمٰعیل صاحب موجود نہ تھے کہیں سیر سپاٹے کو گئے ہوئے تھے۔ مجتہد نے کہا کہ مجھے چند مسئلے دریافت کرنے ہیں۔ سید صاحب نے فرمایا پوچھو مولوی عبدالحی صاحب کا قاعدہ تھا کہ سائل کا سوال سُن کر ذرا سکوت فرماتے پھر جواب دیتے تھے۔ چنانچہ حسب عادت مولوی صاحب نے مجتہد کو جواب دیا۔ مجتہد نے کہا اس بیان سے تو کچھ تسکین نہ ہوئی چلتے ہیں مجتہد صاحب سے دریافت کریں گے، کیونکہ وہاں پورے طور سے تسکین ہو جاتی ہے۔ یہ کہہ کر فوراً اُٹھ کر چلدیا۔ گویا الزام دے گیا۔ کچھ دیر بعد مولانا محمد اسمٰعیل صاحب آئے اور معاملہ معلوم کیا تو افسوس کرنے لگے کہ ہم نہ ہوئے۔ مولوی اسمٰعیل صاحب کشیدہ قامت سپاہیانہ وضع پر رہتے،

تھے۔ ایک دن بلا اطلاع مجتہد صاحب کی مجلس میں جا پہنچے اور کہا "چونکہ سُنیوں کی صحبت اکثر رہتی ہے اور وہ لوگ مختلف سوالات پوچھا کرتے ہیں چنانچہ چند سوالات وقت طلب تھے اُنکا جواب دریافت کرنا چاہتا ہوں" مجتہد صاحب نے نہ پہچانا اور کہا کہ پوچھو۔ مولوی اسمٰعیل صاحب نے سوال شروع کیے۔ مجتہد بیچارا جو جواب دیتا اس کو رد کردیتے۔ حتیٰ کہ وہ ساکت ہو رہا۔ مولوی صاحب اُٹھ کھڑے ہوتے اور کہا کہ "چلیں سید صاحب سے ہی دریافت کریں وہ پورے طور سے تسکین کردینگے اور تسلی وہیں جا کر ہوتی ہے"۔ اتنا کہہ کر چل دیے۔ جب باہر نکل آئے تو مجتہد کو معلوم ہوا کہ یہ مولوی اسمٰعیل تھے۔ سخت افسوس کیا اور اپنے لاجواب ہونے پر کمال نادم ہوا۔

حکایت (۸۷) ایک بار ارشاد فرمایا کہ مولانا اسمٰعیل صاحب شہید اور حضرت سید صاحب کا یہ مشرب تھا کہ حدیث صحیح غیر منسوخ کے مقابلہ میں کسی کے قول پر عمل نہ کرے اور جہاں حدیث صحیح غیر منسوخ نہ ملے تو مذہب حنفی سے بڑھ کر کوئی مذہب محقق نہیں"۔ ایکبار یہ دونوں حضرات لکھنؤ تشریف لیگئے تھے۔ وہاں پہنچکر اہل ہند پر حج کی فرضیت کا مسئلہ بیان فرمایا۔ لکھنؤ کے علماء اُن کے مخالف ہوگئے اور دلیل پکڑی اُن ضعیف فقہی روایتوں کی کہ جن میں دریائے شور اکہ ہند و حجاز کے درمیان حائل ہے، مخل امن طریق لکھا ہے۔ غرض یہ بات ٹھہری کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کا قول دونوں فریق فیصل سمجھیں۔ چنانچہ اہل لکھنؤ نے شاہ صاحب کو لکھا وہاں سے جواب آیا کہ دونوں فریق کو میر اقائم مقام سمجھو اور فقیر کی رائے بھی یہی ہے کہ اہل ہند پر حج فرض ہے۔ (منقول از تذکرۃ الرشید)

مولانا شاہ محمد اسحاقؒ کی حکایات

حکایت (۸۵) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ جسکو میں بیان کرنا چاہتا ہوں، میں نے مولوی عبدالقیوم صاحب سے بھی سنا ہے اور مولانا گنگوہی سے بھی اور مولانا نانوتوی سے بھی اور اپنے استاد میانجی محمدی صاحب اورنگ آبادی سے بھی اور آخر میں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی سُنا ہے۔ بڑے میاں (مولوی محمد اسحاق صاحب اور چھوٹے میاں مولوی محمد یعقوب) صاحب جب مکہ حرم میں داخل ہوتے تو دروازے پر جوتے چھوڑ جاتے۔ مگر باوجود اس کے کہ وہاں جوتے کا محفوظ رہنا نہایت مشکل ہے اور سینہ کے سامنے سے اور سر کے سامنے سے خاص حرم کے اندر سے جوتا اُٹھ جاتا ہے، اُنکا جوتہ کبھی چوری نہیں گیا۔ یہ واقعہ دیکھ کر لوگ متعجب ہوتے اور ان حضرات سے پوچھتے کہ کیا وجہ ہے کہ آپ حضرات کا جوتا چوری نہیں جاتا۔ وہ فرماتے کہ جب ہم جوتہ اتارتے ہیں تو چور کیلئے اس کو حلال کر جاتے ہیں اور چور کی قسمت میں حلال مال نہیں اسلیے وہ انہیں نہیں لے سکتا۔ یہ قصہ بیان فرما کر خانصاحب نے فرمایا کہ میں نے یہ قصہ مولوی محمود الحسن صاحب سے بیان کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ اصل میں تعلیم تھی شاہ عبدالقادر صاحب کی کہ جب شاہ صاحب کے زمانہ میں اکبری مسجد میں سے جوتے چوری جانے لگے تو شاہ صاحب نے لوگوں سے فرمایا کہ تم اپنے جوتے چوروں کے لیے حلال کر دیا کرو پھر وہ انہیں نہ لیں گے۔

حکایت (۸۹) خانصاحب نے فرمایا کہ تحصیل سکندر آباد میں ایک گاؤں ہے حسن پور، جسکو میں نے بھی دیکھا ہے بہت بڑا گاؤں ہے یہ ایک وقت میں مولوی

محمد اسحاق صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب کا تھا۔ مولوی مظفر حسین صاحب فرماتے تھے کہ مولوی محمد اسحاق صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب نہایت سخی تھے اور اکثر تنگی کی وجہ سے کچھ ملول سے رہتے تھے۔ لیکن ایک روز میں نے دیکھا کہ دونوں بھائی نہایت ہشاش بشاش ہیں اور خوشی میں اِدھر سے اُدھر آتے جاتے اور کتابیں یہاں سے وہاں اور وہاں سے یہاں رکھتے اور خوشی کے لہجہ میں آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔ میں یہ دیکھ کر سمجھا کہ شاید آج کوئی بڑی رقم ہندوستان سے آئی ہے جس سے یہ اسقدر خوش ہیں۔ یہ سمجھ کر میں نے چاہا کہ واقعہ دریافت کروں۔ مگر بڑے میاں صاحب سے تو پوچھنے کی جرأت نہوئی چھوٹے میاں سے پوچھا کہ حضرت آپ بہت خوش نظر آتے ہیں اسکی کیا وجہ ہے۔ انہوں نے متعجبانہ لہجہ میں فرمایا کہ تم نے نہیں سُنا میں نے کہا، نہیں۔ فرمایا کہ ہمارا گاؤں حسن پور ضبط ہو گیا ہے۔ یہ خوشی اس کی ہے۔ کیونکہ جبتک وہ تھا ہمکو خدا پر پورا توکل نہ تھا اور اب صرف خدا پر بھروسہ رہ گیا ہے[۱]۔ جب خانصاحب نے یہ واقعہ بیان فرمایا تو احقر کو مومن خاں کی خوشی یاد آگئی[۲] اور میں نے یہ شعر پڑھا ؎

کیا یار کے آنے کی سُنی یا اجل کی ٭ کا ہے کی خوشی ہجر میں ہے جانِ حزیں یہ

حکایت (۹۰) خانصاحب نے فرمایا کہ حافظ عبد الرحمٰن صاحب دہلوی کے بڑے بھائی بالکل غیر مقلد تھے۔ مگر مولانا نانوتوی کی خدمت میں بہت حاضر باش تھے حافظ عبد الرحمٰن بھی کسی قدر غیر مقلدی کیطرف مائل اور مولانا نانوتوی کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے اور حافظ عبد الرحمٰن مولوی فیض الحسن صاحب اور مولوی

---

[۱] اس سے جو کچھ کمال توکل و توحید و عدم تدنس ثابت ہوتی ہے ظاہر ہے [۲] اور مجھ کو حضرت غوث پاک کی خوشی یاد آگئی جسوقت خادم نے ایک قیمتی چینی آئینہ کے ٹوٹ جانیکی ڈرتے ڈرتے اس مصرعہ سے اطلاع کی کہ ع از قضا آئینہ چینی شکست، آپ نے فی البدیہہ فرمایا ع خوب شد اسباب خود بینی شکست۔

(اشرف علی)

حسین خاں صاحب خورجوی کے شاگرد اور بہت سمجھدار اور اُردو شاعری کے بڑے اُستاد تھے مگر خدا کی شان کہ نہ ان کا فارسی کا دیوان مرتب ہوا اور نہ اُردو کا۔ دو شعر اُنکے مجھے یاد ہیں۔ صرف انکی قابلیت دکھلانے کیلئے اُن کے شعر لکھواتا ہوں۔ غالبؔ اور شہیدیؔ کے جانی دشمن تھے۔ اسلیے اُن کے کلاموں کو پلٹ دیا کرتے تھے۔ چنانچہ غالبؔ کہتا ہے ؎

ہے خبر گرم اُن کے آنے کی ٭ آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا

اس کو حافظ صاحب نے یوں پلٹا ہے ؎

بچھ گیا میں جو گھر میں وہ (یا تم) آئے ٭ زہے قسمت کہ بوریا نہ ہوا

شہیدیؔ کے قصیدے کا شعر ہے ؎

ہوا تجھ سا نہ ہو سکتا ہے میرا ہے یہی ایمان ٭ نہ مانو مسئلہ ہرگز کسی زندیق و مرتد کا

حافظ صاحب نے اسے یوں پلٹا ہے ؎

ترا ثانی بامکانِ وقوعی[1] ہو نہیں سکتا ٭ نفی امکانِ مطلق کی[2] مگر ہے قول مرتد کا

غرض اسی طرح اسکے پورے قصیدے کو رد کیا ہے۔ یہ حافظ عبدالرحمٰن صاحب بیان کرتے تھے کہ نواب میر خاں سے جب انگریزوں کی صُلح ہو گئی تو اس صلح کے اندر یہ امر طے ہوا تھا کہ وزیرالدولہ کو ہم اپنے زیرِ نگرانی رکھیں گے مگر یہ انہیں اختیار ہوگا کہ وہ جہاں چاہیں وہاں رہیں۔ انہوں نے دہلی کو پسند کیا اور وہ دہلی رہنے لگے بچپن سے صالح تھے۔ مولوی غلام جیلانی رامپوری اُنکے استاد تھے۔ مولوی صاحب موصوف مولوی حیدر علی صاحب ٹونکی کے ماموں تھے۔ چونکہ نواب وزیرالدولہ بچپن سے نیک تھے اسلیے اُن کے پاس دہلی کے لڑکے جو اُنکے ہم عمر تھے، بے تکلف آنے جانے

---

[1] یعنی ایسا امکان جو جس کے موصوف کے وقوع سے کوئی استحالہ لازم نہ آئے نہ بالذات نہ بالغیر۔

[2] فار کی حرکت بضرورت شعر ہے۔ راشد الخیری

لگے ۔ ان میں ایک لڑکا وہ تھا جو حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا اور رحق گو بھی تھا ۔ چونکہ عام طور پر اپنے استاد کیطرف خاص میلان ہوتا ہے ، اسلیے وزیرالدولہ اپنے استاد کی اکثر تعریف کیا کرتے اور کبھی کبھی دہلی والوں کی تنقیص بھی کر دیا کرتے تھے ۔ مگر وہ لڑکا برابر ان کی تردید کرتا رہتا تھا اور یہ کہا کرتا تھا کہ آپ کے اُستاد ایسا عمامہ[1] باندھتے ہیں ایسا انگرکھا پہنتے ہیں ایسا پاجامہ پہنتے ہیں ایسا جوتا پہنتے ہیں مسند تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں دہلی والے بیچارے بوریوں پر بیٹھتے ہیں ۔ دھوتر کا کرتہ پہنتے ہیں گاڑھے کا پاجامہ پہنتے ہیں ادھوڑی کا جوتہ پہنتے ہیں ، مگر باوجود اس کے آپ کے اُستاد کے علم کو اُن کے علم سے کیا نسبت ، اُنکے علوم بہت گہرے ہیں ۔ خدا کی شان کہ ایک روز کسی نے مولوی غلام جیلانی صاحب سے یہ سوال کیا کہ حضرت تعزیہ کا بنانا کیسا ہے ؟ مولوی غلام جیلانی نے جواب دیا کہ بُرا ہے ہرگز نہیں بنانا چاہیے اُس نے کہا کہ بنے ہوئے تعزیہ کی توہین کرنا مثلاً اسکو توڑنا پھوڑنا اسپر پائخانہ پیشاب پھرنا کیسا ہے ؟ انہوں نے فرمایا کہ ہرگز نہیں چاہیے ہاں اُسے دفن کر دے ۔ اسلیے کہ اسپر امام حسینؓ کا نام آگیا ہے ۔ لہذا اسکا احترام کرنا چاہیے ۔ یہ سُن کر وہ لڑکا کھڑا ہوا اور اس نے بہت ادب سے یہ کہا کہ مولانا گوسالہ پر کس کا نام آگیا تھا اور حضرت موسٰی علیہ السلام نے اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا تھا ۔ اسپر مولوی صاحب خاموش ہو گئے اور کوئی جواب بن نہ آیا ۔ اس لڑکے نے اسی جلسہ میں نواب وزیرالدولہ کو سلام کیا اور کہا کہ حضور میں نہ کہتا تھا کہ دہلی والوں کے علوم بڑے گہرے ہیں ۔ میں صرف کبھی کبھی میاں صاحب (شاہ محمد اسحاق صاحب) کے پاس جا بیٹھتا ہوں ۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ وزیرالدولہ اس خاندان کے گرویدہ ہو

---

[1] یعنی عمدہ اور قیمتی ۔ ۔ (اشرف علی)

گئے اور سید صاحب سے بیعت بھی ہوئے۔

حکایت (۹۱) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے کہ سید صاحب مولوی عبدالحی صاحب شاہ اسحاق صاحب مولوی محمد یعقوب صاحب مولوی اسمٰعیل صاحب یہ حضرات سب کے سب متحد اور یکجان اور قوالب متعددہ تھے، جب شاہ عبدالعزیز صاحب کا انتقال ہوگیا تو سب کو خیال ہوا کہ شاہ صاحب کا جانشین کسی کو بنایا جائے۔ مولوی اسمٰعیل صاحب شاہ اسحاق صاحب سے تیرہ برس بڑے تھے اور مولوی محمد یعقوب صاحب دس[1] برس اور سید صاحب آٹھ برس۔ ان سب کی رائے ہوئی کہ شاہ اسحاق صاحب کو جانشین قرار دیا جاوے[2] اور یہ طے ہوگیا کہ مدرسہ کے اندر صدر پر شاہ محمد اسحاق صاحب بیٹھیں اور کوئی نہ بیٹھے اور مدرسہ سے باہر جسطرح چاہیں بیٹھیں۔ پس ان حضرات کا یہی معمول تھا کہ مدرسہ میں صدر پر شاہ صاحب بیٹھتے اور دوسرے لوگ خواہ سید صاحب ہوں یا مولوی عبدالحی صاحب، سب آپ کے سامنے باادب بیٹھتے اور مدرسہ سے باہر سید صاحب صدر پر ہوتے تھے اور اگر وہ نہ ہوتے تھے تو مولوی عبدالحی صاحب صدر پر ہوتے تھے اور شاہ اسحاق صاحب اور دوسرے لوگ اُن کے سامنے باادب[3] بیٹھتے تھے اور مولوی اسماعیل صاحب نہ مدرسہ میں صدر رہتے[ہی] ہوتے تھے نہ مدرسہ سے باہر۔

---

[1] حکایت نمبر ۹۹ میں الفاظ سے اور حکایات (۵۲) میں صریح الفاظ سے شاہ محمد اسحاق صاحب کا بڑا ہونا مذکور ہے اور یہاں اسکا عکس ذہن میں امر اول ہی تھا پھر اس تعارض کو دیکھ کر مکرمی عبدالعلی صاحب سے بواسطہ حافظ محمد عثمان تحقیق کیا گیا۔ امر اول ہی صحیح ہے۔ اس مقام پر کچھ سہو ہوا ہے خواہ اصل راوی کو خواہ کاتب کو۔ چونکہ دوسرے سب حضرات مذکورین مقام بڑے تھے تغلیباً ان کا بھی شمار ان میں بلاقصد ہوگیا مراد یہ ہوگی باوجودیکہ مولانا محمد یعقوب صاحب کو بھی کسی دوسری وجہ سے ترجیح ہوگی مثلاً ان کا مصلحت اندیش ہونا، جیسا ایک حکایت سے سفارش نہ کرنے کی مصلحت فرمانے سے معلوم ہوتا ہے، مگر پھر بھی انکو منتخب نہیں کیا گیا ۱۲

[2] اسوقت اسمیں مصالح دینیہ ہونگے اور اب تو محض رسم مفاسد سے پُر رہگئی ہے اسلیے نہ اول کو ثانی پر عدم جواز میں اور نہ ثانی کو اول پر جواز میں قیاس کیا جاوے۔

[3] کیا انتہا ہے اس بے نفسی کا۔ کہ اے خوشا سرو کہ از بندِ غم آزاد آمد۔ (اشرف علی)

حکایت (۹۲) خانصاحب نے فرمایا کہ شاہ محمد اسحاق صاحب کو بہت زور کی بواسیر تھی اور اس کی وجہ سے آپکو بہت تکلیف تھی۔ کسی شخص نے بواسیر کا عمل بتلایا کہ صبح کی سنتوں میں الم نشرح اور لایلٰف پڑھ لیا کرو۔ مگر شاہ صاحب نے اسکو پسند نہ فرمایا۔ اسپر مولوی مظفر حسین صاحب اور نواب قطب الدین خاں صاحب وغیرہ نے زور دیا کہ آپ یہ عمل ضرور کیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ اوّل تو ہم نیک عمل ہی نہیں کرتے صرف ٹوٹے پھوٹے فرض اور سنتیں پڑھ لیتے ہیں انہیں بھی ہم خواہش نفسانی (اور دنیوی غرض) کو داخل کر دیں اور عبادت کو (دنیوی) عمل بنالیں یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔[1]

حکایت (۹۳) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ روایت میں نے بہت سے لوگوں سے سنی۔ منجملہ ان کے مولوی سراج احمد صاحب خورجوی، میاں جی عظیم اللہ صاحب خورجوی اور میاں جی رحیم داد صاحب خورجوی ہیں۔ یہ حضرات فرماتے تھے کہ اکبر نمبر قلعہ میں کسی شہزادے نے مولانا محمد اسحاق صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب اور انکے خاص لوگوں کی دعوت کی اور اُسکے ساتھ ہی اُنکے مخالفین جیسے حاجی قاسم اور مولوی کریم اللہ اور اُن کے ہم خیال لوگوں کو بھی مدعو کیا۔ جب یہ سب لوگ دسترخوان پر بیٹھے اور کھانا سامنے رکھا گیا اور ان لوگوں نے کھانے کیطرف ہاتھ بڑھائے تو اُس شہزادے نے کہا کہ صاحبو! میں آپ صاحبوں کو اطلاع کرتا ہوں کہ میراں کا بکرا ہے۔ اب جس کا جی چاہے کھائے اور جس کا جی چاہے نہ کھائے اسپر مولوی محمد اسحٰق صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب اور آپکی جماعت نے ہاتھ کھینچ لیے۔ جب مخالف پارٹی نے یہ دیکھا تو انہوں نے بھی ہاتھ کھینچ لیے۔ اسپر اس شہزادے نے کہا کہ مولوی اسحٰق صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب تو اسکو حرام

---

[1] کس قدر دقیق اخلاص و تقویٰ ہے۔ (اشرف علی)

کہتے ہیں: انہوں نے تو اسلیے ہاتھ کھینچے، آپ لوگ تو اسے جائز کہتے ہیں آپ نے کیوں ہاتھ کھینچے، آپ صاحب کھائیں۔ مگر کسی نے نہ کھایا۔[1] اسپر شہزادے نے کہا کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ میراں کا بکرا نہیں ہے بلکہ میں نے یہ صرف امتحان کیلئے کہا تھا کہ دیکھوں کون اپنے خیال میں سچا ہے اور کون جھوٹا۔ اب مجھے معلوم ہو گیا۔ میں درخواست کرتا ہوں کہ آپ صاحبان بے تکلف کھائیں۔ مگر حکم دیا کہ جو جو شخص اسکو حلال کہتا ہے اسکو دستر خوان سے اٹھا دیا جاوے۔ اسپر حاجی قاسم اور مولوی کریم اللہ کی جماعت کو اٹھا دیا گیا اور شاہ اسحاق صاحب کی جماعت نے کھانا کھایا۔

حکایت (۹۴) خانصاحب نے فرمایا کہ مجھ سے مولوی عبد الجلیل صاحب علیگڈھی کے صاحبزادے مولوی اسمٰعیل صاحب نے بیان فرمایا کہ میرے والد مولوی عبد الجلیل صاحب اپنے زمانہ طالب علمی میں شاہ اسحٰق صاحب کی مسجد میں رہتے تھے اور اُس زمانہ میں فتحپوری کی مسجد میں ایک عالم رہتے تھے جن کا نام آخون شیر محمد تھا۔ میرے والد سے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اتفاق سے ایک روز شمس بازغہ کی ایک عبارت کا مطلب انکی سمجھ میں نہ آیا۔ اور وہ جس مسجد میں رہتے تھے اسی مسجد میں ایک مقام پر بیٹھے ہوئے اس عبارت میں غور کر رہے تھے۔ اتفاق سے شاہ اسحٰق صاحب بھی اسی وقت مسجد میں ٹہل رہے تھے۔[2] شاہ صاحب نے انکے پاس آکر دریافت کیا کہ میاں صاحبزادے بڑے مصروف ہو کونسی کتاب دیکھ رہے ہو۔ والد صاحب نے اسپر کچھ التفات نہیں کیا اور ہوں ہاں کر کے ٹال دیا۔ شاہ صاحب نے

---

[1] یہ ہاتھ کھینچنا جیسا حق کے رعب کی دلیل ہے اسی طرح اس کی بھی دلیل ہے کہ اس زمانہ کے اہل ہوا پھر غنیمت تھے کہ عملی تقویٰ کو اپنی بات کی پچ کیلیے نہیں چھوڑا۔ یہ بات بھی قابل قدر ہے اور احقر نے استاذی مولانا محمد یعقوب صاحب سے اس قصہ میں اتنا اور سنا تھا کہ ان صاحبوں نے یہ بھی کہا کہ حرام تو ہم بھی سمجھتے ہیں مگر ان کی ضد میں حلال کہدیا کرتے ہیں۔

[2] احیاناً اس کا مضائقہ نہیں بشرطیکہ خاص اسی غرض سے مسجد میں داخل نہ ہوا ہو اور عادت کرنا یا اسی قصد سے داخل ہونا مکروہ ہے جیسے دوسرے مباحات جن کیلئے [illegible] (از تھانوی)

دوسری مرتبہ پھر پوچھا کہ میاں صاحبزادے ہمیں تو بتاؤ کونسی کتاب دیکھ رہے ہو۔ والد صاحب نے پھر ٹال دیا۔ شاہ صاحب پھر چلے گئے۔ تیسری مرتبہ شاہ صاحب پھر ٹہلتے ہوئے آئے اور والد صاحب کے پاس بیٹھ گئے اور ذرا اصرار سے پوچھا کہ میاں بتاؤ تو سہی کہ یہ کیا کتاب ہے اور تم اسمیں اتنے مصروف کیوں ہو۔ تب والد صاحب نے مجبور ہو کر کہا کہ یہ کتاب شمس بازغہ ہے، میں ایک مقام میں اُلجھا ہوا ہوں اُسے سوچ رہا ہوں۔ اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ کونسا مقام ہے۔ انہوں نے اس کا جواب بھی لا پرواہی سے دیا۔ جب کئی مرتبہ شاہ صاحب نے اصرار کیا۔ تب انہوں نے ان کو وہ مقام دکھلایا (وجہ ان کی بے التفاتیوں کی یہ تھی کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ شاہ صاحب اور اُن کے خاندان والے لوگ معقول نہیں جانتے) شاہ صاحب نے اس مقام کو ملاحظہ فرما کر فرمایا کہ تمہارے اُستاد نے یہ بتلایا ہوگا اور تم یہ کہتے ہوگے۔ انہوں نے اقرار کیا۔ اسپر شاہ صاحب نے اسکا صحیح مطلب تبلایا اور عبارت پر اُس کو منطبق فرما دیا۔

حکایت (۹۵) خانصاحب نے فرمایا کہ میانجی محمدی صاحب حکیم خادم علی صاحب اور مولوی عبد القیوم صاحب اور شاہ عبد الرحیم صاحب وغیرہم بیان فرماتے تھے کہ شاہ عبد العزیز صاحب نے شاہ عبد القادر صاحب سے فرمایا کہ میاں عبد القادر اسحٰق کیطرف بھی توجہ فرماؤ نا۔ اسکا جواب شاہ عبد القادر صاحب نے یہ دیا کہ حضرت اسحٰق کو ضرورت نہیں ہے[1] وہ بلا ذکر و شغل بوجہ اپنی ریاضت ہی کے اُن لوگوں سے بڑھا ہوا ہے جو باقاعدہ سلوک طے کرتے ہیں۔ غرض شاہ صاحب نے

[1] اس جواب کی حقیقت وہی ہے جو محققین فرماتے ہیں کہ مقصود اصلی نسبتِ احسان ہے خواہ اعمال شرعی سے حاصل ہو جاوے خواہ اشغال صوفیہ سے۔ رہا یہ کہ پھر بڑے شاہ صاحب نے توجہ کا کیوں مشورہ دیا سو یا تو حضرت شاہ صاحب کو کمال نسبتِ احسان کی اطلاع نہ ہوگی یا اسکی تقویت دوسرے طریق سے بھی تجویز فرمائی ہوگی۔ (اشرف علی)

چند مرتبہ فرمایا مگر شاہ عبدالقادر صاحب نے ہر مرتبہ یہی جواب دیا۔

حکایت (۹۶) خانصاحب نے فرمایا کہ قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی اور مولوی عبدالقیوم صاحب نے فرمایا کہ شاہ اسحٰق صاحب کے زمانہ میں دلی میں ایک عرب عالم تشریف لائے۔ ایک امیر نے اُن سے مولود پڑھنے کی درخواست کی انہوں نے منظور فرمالیا۔ اسکے بعد وہ امیر شاہ اسحٰق صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور آکر عرض کیا کہ میرے یہاں میلاد ہے حضور بھی تشریف لائیں۔ اگر حضور تشریف لائینگے تو میں ان عالم مولود خواں کو سات سو روپے دوں گا ورنہ کچھ نہ دوں گا۔ جب مولود کا وقت ہوا شاہ اسحاق صاحب اس محفل میں شریک ہوئے۔ محفل سادہ تھی روشنی وغیرہ حد اسراف تک نہ تھی اور قیام بھی نہیں کیا گیا تھا۔ ذکرِ میلاد منبر پر پڑھا گیا تھا۔ اسکے بعد جب شاہ صاحب حج کو تشریف لیجاتے ہوئے بمبئی پہنچے ہیں تو وہاں اُنکے ایک شاگرد نے جسکا نام غالباً عبدالرحمٰن تھا ذکرِ میلاد کروایا اور اُس نے بھی شاہ صاحب کو شرکت کی دعوت دی۔ شاہ صاحب اسمیں بھی شریک ہوئے۔ اس محفل کا رنگ بھی اُس امیر کی محفل کے قریب قریب تھا اور یہاں بھی نہ قیام ہوا تھا اور نہ روشنی وغیرہ زیادہ تھی۔ جب جلسہ ختم ہوا تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ عبدالرحمٰن تم نے بدعت کا کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ (یہ قصہ بیان فرماکر خانصاحب نے فرمایا کہ میں نے یہ قصہ صرف اتنا ہی سُنا ہے، نہ کسی نے یہ بیان کیا کہ[ا] شاہ صاحب

[ا] احقر یہ سمجھا کہ محفل تو اس رنگ سے فی نفسہ بدعت نہ تھی مگر ایسی ہی محفل کا اگر رواج ہوجائے تو شدہ شدہ مفضی الی البدعت ہوسکتی ہے۔ تو شاگرد کی اس محفل میں تو کوئی ضرورت نہ تھی اسلئے اس افضاء پر نظر فرما کر نکیر فرمایا اور شرکت اباحت پر نظر کرکے فرمالی۔ خاصکر جب شرکت میں یہ مصلحت بھی ہو کہ کسیر کا اثر زیادہ ہوگا ورنہ عدم شرکت میں عدم مشاہدہ کے وسوسہ سے اثر کم ہوتا اور امیر کی محفل میں ضرورت تھی ان مسافر صاحب کی اعانت ہوجانے کی۔ اسلئے نکیر نہیں فرمایا صرف اباحت پر نظر فرمائی واللہ اعلم (اشرف علی)

کیوں شریک ہوئے اور نہ یہ کہ ایک جگہ نکیر فرمایا اور دوسری جگہ خاموش رہے اسکا کیا سبب ہے۔

حکایت (۹۷) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے مولوی محمود بخش چھلتی اور نواب محمود علیخاں سے سُنا ہے یہ حضرات فرماتے تھے کہ شاہ اسحٰق صاحب کے زمانہ میں ایک انگریز پادری دلی میں آیا یہ بہت قابل اور لسان اور مشہور پادری تھا۔ اسنے دلی میں علماء کو عام طور پر مناظرہ کی دعوت دی۔ اسوقت کے مولوی جو خاندان عزیزی کے مخالف تھے انکو شاہ اسحاق صاحب سے بہت کاوش تھی۔ انہوں نے اس پادری کو پٹی پڑھائی کہ تم شاہ اسحٰق صاحب سے خاص طور پر مناظرہ کی درخواست کرو کیونکہ شاہ صاحب بہت سیدھے اور بہت کم گو تھے اور زبان میں لکنت تھی۔ اسلیئے انکو خیال تھا کہ یہ لسان پادری شاہ صاحب کو ضرور مات دیگا اور انکی ذلت ہوگی۔ اس پادری نے شاہ صاحب کو دعوتِ مناظرہ دی۔ شاہ صاحب نے بے تکلف منظور فرمالی۔ اسپر شاہ صاحب کے دوستوں کو بہت خیال ہوا۔ مولوی فریدالدین صاحب جو مرادآباد کے رہنے والے اور مولوی اسمٰعیل صاحب اور نواب رشید الدین خانصاحب کے اچھے شاگردوں میں اور نہایت ذہین آدمی تھے اور مولوی محمد یعقوب صاحب ان دونوں نے شاہ صاحب سے عرض کیا کہ آپ مناظرہ نہ فرمائیں آپ ہمکو اپنا وکیل بنائیں۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ اس نے مجھی کو دعوت دی ہے میں ہی مناظرہ کرونگا وکیل بنانے کی ضرورت نہیں۔ بادشاہ بھی شاہ صاحب کا مخالف تھا۔ قلعہ میں مناظرہ کی ٹھہری۔ جب مناظرہ کا وقت آیا تو سب لوگ قلعہ میں پہنچ گئے اور مجلس مناظرہ منعقد ہوئی۔ خدا کی قدرت جب وہ پادری شاہ صاحب کے سامنے آیا تو اس کے جسم پر لرزہ پڑ گیا اور حواس باختہ ہوگئے

ف خدا بُرے کرے عناد کا کہ یہ بھی احساس نہ رہا کہ ہمارا یہ فعل کفر کی تائید ہے اور اسلام کا اضرار۔ (اشرف علی)

اور ایک حرف بھی زبان سے نہ نکال سکا۔ جب کچھ دیر ہوگئی تو شاہ صاحب نے اس پادری سے فرمایا کہ آپ کچھ فرمائینگے یا میں ہی عرض کروں۔ اُسنے کہا کہ آپ ہی فرمائیں شاہ صاحب نے خوب زور شور کیساتھ اسلام کی حقانیت اور عیسائیت کے بطلان کے دلائل بیان فرمائے وہ پادری ساکت محض تھا نہ اُسنے آپ کی تقریر پر کچھ خدشہ کیا اور نہ اپنی طرف سے کوئی سوال کیا۔ جب تمام لوگوں پر اس پادری کا عجز ظاہر ہوگیا تب آپ نے ان مخالف مولویوں کیطرف جنہوں نے اس پادری کو اُبھارا تھا متوجہ ہوکر فرمایا کہ ہمارے خاندان کا قاعدہ رہا ہے کہ وہ تفسیر سے پہلے تورات وانجیل وزبور پڑھا دیا کرتے تھے کیونکہ بغیر ان کتابوں پر عبور ہوئے قرآن شریف کا لطف نہیں آتا۔ اسی قاعدہ کیمطابق مجھے بھی یہ کتابیں پڑھائی گئی تھیں اسلیے میں عیسائی مذہب سے ناواقف نہیں ہوں۔ اور یہ فرماکر فرمایا کہ اگر الحق کو شکست اور ذلت ہوتی تو کچھ بات نہ تھی کیونکہ مجھے علم کا دعویٰ ہی کب ہے لیکن اسلام تو تمہارا بھی تھا۔ اس سے تمام مخالفین پر پانی پھر گیا اور مناظرہ ختم ہوگیا۔

حکایت (۹۸) خانصاحب نے فرمایا کہ شاہ اسحاق صاحب کے ایک لڑکا تھا جسکا نام سلیمان تھا۔ شاہ صاحب کی کنیت ابوسلیمان اسی کی وجہ سے ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کی عادت ٹہلنے کی تھی۔ آپ خدام کیساتھ ٹہل رہے تھے۔ ایک خادم کی گود میں میاں سلیمان تھے۔ ایک موقع پر جھول پڑی ہوئی تھی اور عورتیں جھول رہی تھیں۔ جب عورتوں نے میاں سلیمان کو دیکھا تو انہوں نے اس خادم سے کہا کہ میاں کو ہمیں دیدو ہم جھلائینگے۔ خادم نے دینا چاہا مگر سلیمان نہیں گئے۔ جب شاہ صاحب کو معلوم ہوا کہ میاں سلیمان کو عورتیں جھلانے کیلئے لیتی تھیں مگر وہ نہیں گئے تو انہوں نے فرمایا کہ کیوں جاتا اسحٰق کا بیٹا ہے [1]

---

[1] مادرزاد اولیاء کی یہی شان ہوتی ہے۔

حکایت (۹۹) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی اعلم علی صاحب کو اپنے طالب علمی کے زمانہ میں ایکمرتبہ تین وقت کا فاقہ ہوا۔ جب یہ شاہ اسحٰق صاحب سے سبق پڑھنے بیٹھے تو اُن کی آواز میں کمزوری پائی گئی۔ شاہ صاحب سمجھ گئے کہ یہ بھوکے ہیں۔ آپ فوراً مکان میں تشریف لیگئے اور وہاں سے کھانا لائے اور مولوی اعلم صاحب کو الگ[1] بلاکر کھانا کھلایا اور اس دن سے ان کا کھانا اپنے یہاں کرلیا۔

حکایت (۱۰۰) خانصاحب نے فرمایا کہ میانجی محمدی صاحب حکیم خادم علی صاحب شیخ قاسم علیصاحب شیخ فیاض علی صاحب یہ چاروں ماموں پھوپی خالہ زاد بھائی تھے۔ ان میں سے شیخ قاسم علی صاحب شاہ عبدالعزیز صاحب کے کچھ شاگرد تھے اور ان پر نہایت فریفتہ تھے۔ میانجی محمدی صاحب سید صاحب کے مُرید اور اُنپر عاشق تھے۔ حکیم خادم علی صاحب مولوی محمد اسمٰعیل صاحب پر دیوانہ تھے۔ شیخ فیاض علیصاحب شاہ اسحاق صاحب پر فریفتہ تھے۔ شیخ فیاض علیصاحب بیان فرماتے تھے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب نے جو مسجد شاہ ولی اللہ صاحب کے مزار پر بنوائی ہے شاہ اسحٰق صاحب اسکو اچھا نہ جانتے تھے کیونکہ وہ فرماتے تھے کہ قبرستان میں مسجد بنوانا نہ چاہئے اور استدلال[2] میں اس حدیث کو پیش کرتے تھے جو مشکوٰۃ باب التصاویر میں اس مضمون کی مروی ہے کہ بعض امہات المومنین نے حبشہ کے ایک گرجا کی اور اس کی تصویروں کی تعریف کی تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اولئك اذا مات

---

[1] یہ آدابِ عطاء میں سے ہے جب احتمال ہو معطی لہ کے شرمانیکا پھر استمرار عطاء رافع خجلت ہو جاتا ہے۔

[2] یہ محمل احوط وابعد عن الفساد ہے۔ اور دوسرا محمل یہ ہے کہ وہ لوگ خود اہل قبور کو سجدہ کرتے تھے۔ احقر کہتا ہے کہ گو نماز خدا ہی کی پڑھی جاوے تب بھی اس جگہ نماز پڑھنے کو قبول و برکت میں بلادلیل دخیل سمجھتے ہیں اور توجہ الی الاولیاء اور توجہ اولیاء کو اس میں مؤثر جانتے ہیں اور عبادت الٰہیہ میں مخلوق کی اتنی شرکت کا اعتقاد بھی خلافِ دلیل ہے اور حضرات مجوزین نے حسن ظن کی وجہ سے اس احتمال کیطرف التفات نہیں فرمایا۔ (اشرف علی)

فیھم الرجل الصالح بنوا علی قبرہ مسجداً ثم صوروا فیہ تلک الصور اولئک اشرار خلق اللہ متفق علیہ اور اس لیے اس مسجد میں کبھی نماز نہ پڑھتے تھے، اِلّا نادراً۔ ایک مرتبہ قبروں پر مسجد بنوانے کے متعلق کسی نے آپ سے پوچھا۔ آپنے فرمایا کہ نہ چاہیئے۔ اُسنے کہا کہ پھر آپکے نانا نے کیوں بنائی ہے آپنے فرمایا، یہ اُنسے پوچھو میرا مسلک یہی ہے۔

حکایت (۱۰۱) خانصاحب نے فرمایا کہ کتاب اربعین مائۃ مسائل کی تصنیف کی وجہ یہ ہے کہ خان زمان خان دِتّہ ولی بھیکم پور کے رئیس تھے انھوں نے شاہ اسحٰق صاحب سے سوالات کیے تھے اُن کے جوابات میں تو شاہ صاحب نے اربعین لکھی ہے اور کچھ سوالات دہلی کے شہزادوں اور بادشاہ دہلی اور حاجی قاسم و مولوی کریم اللہ وغیرہ مخالفین نے آپسمیں مشورہ کر کے اور سوالات ترتیب دیکر کیے تھے اور یہ قید بھی لگا دی تھی کہ انکے جوابات صرف فلاں فلاں علماء کی تصریحات سے ہونے چاہئیں ان کا جواب شاہ صاحب نے مولوی نورالحسن کاندھلوی کے سپرد کر دیا اور انھوں نے شاہ صاحب کی طرف سے[1] اُن کا جواب لکھا۔ اس کتاب کا نام مائۃ مسائل ہے اور اربعین اور مائۃ مسائل کے بعض بعض مسائل میں جو آپسمیں کسی قدر اختلاف ہے مثلاً ایک مسئلہ کے متعلق اربعین میں فتویٰ حرمت ہے تو مائۃ مسائل میں مکروہ او نحو ذٰلک۔ اس اختلاف کا منشاء یہ ہے کہ اربعین کے جوابات میں شاہ صاحب آزاد تھے اسلیے انھوں نے اپنی تحقیق کے مطابق جوابات دیے ہیں۔ اور مائۃ مسائل کے جوابات میں اصل مجیب یعنی مولوی نورالحسن صاحب اور شاہ صاحب جن کیطرف سے وہ جوابات ہیں دونوں پابند تھے۔ اسلیے جسقدر تصریح ان علماء کے کلام میں ملی،

---

[1] کیونکہ توکیل فی التصنیف بھی جائز ہے جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیلمہ سے فرمایا تھا وھذا یجیبک عنی۔ (اشرف علی)

جنکی تصریح سے جواب کی درخواست کی گئی تھی اسقدر لکھدی گئی یہ منشار ہے اختلاف کا۔ اس قصہ کو میں نے میانجی محمدی صاحب حکیم خادم علیصاحب شیخ فیاض علیصاحب مولوی حسین احمد صاحب غورجوری اور دیگر حضرات سے سُنا ہے۔

حکایت (۱۰۲) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی فرماتے تھے کہ شاہ اسحٰق صاحب کے ایک شاگرد اجمیر میں رہا کرتے تھے اور وہاں مواعظ کے ذریعہ سے اشاعتِ دین کرتے تھے۔ انہوں نے حدیث لاتشد والرحال کا وعظ کہنا شروع کیا اور لوگوں پر اثر بھی ہوا۔ اتفاق سے شاہ اسحاق صاحب کا اس زمانہ میں قصدِ ہجرت ہوگیا۔ جب شاہ صاحب کے قصد کی انکو اطلاع ہوئی تو انہوں نے شاہ صاحب کو لکھا۔ کہ جناب جب عازمِ سفرِ ہجرت ہوں تو اجمیر تشریف نہ لاویں کیونکہ میں لاتشد والرحال کا وعظ کہہ رہا ہوں اور لوگ راہ پر آچلے ہیں۔ آپ کی تشریف آوری سے جو کچھ اثر ہوا ہے اسکے غترربود ہوجانیکا اندیشہ ہے۔ شاہ صاحب نے اسکے جواب میں تحریر فرمایا کہ میں اجمیر کے قصد سے نہ آؤنگا لیکن چونکہ اجمیر راستہ میں پڑیگا اور خواجہ صاحب ہمارے مشائخ میں ہیں اسلیے مجھ سے نہ ہو سکے گا کہ میں بلا حاضر ہوتے بالا بالا چلا جاوٴں۔ ہاں جب میں آوٴں تم وعظ کہنا اور وعظ میں بیان کرنا کہ اسحٰق نے غلطی کی جو وہ اجمیر میں آیا اسکا فعل حجت نہیں اور میرے سامنے کہنا اور یہ خیال نہ کرنا کہ شاید مجھے ناگوار ہو مجھے ہرگز ناگوار نہ ہوگا اور میں اقرار کرلوں گا کہ واقعی میری غلطی ہے۔ اس سے وہ ضرر دفع ہوجاویگا جسکا تم کو اندیشہ ہے اور شاہ صاحب نے یہ

لہ کیا انتہا ہے اس محبت دین و نصح مسلمین کا کہ اپنی شان کو انپر بالکل نثار کردیا حالانکہ اس مقام میں علاوہ اس جواب کے کہ حدیث کے کیا معنی ہیں کہ یہ جواب تو خلافِ مصلحت وقتیہ تھا۔ دوسرا سہل جواب یہ ہو سکتا تھا کہ ہم خاص اس قصد سے نہیں آئے، آگے جاتے ہوئے ٹھہر گئے۔ مگر اس کو بھی پسند نہیں کیا کہ ہر شخص ایسا بہانہ کرسکتا ہے۔ وہ جواب تجویز کیا جسمیں شغب بالکل ہی قطع ہوگیا گو اپنا جاہ بھی قطع ہوگیا۔ (اشرف علی)

بھی تحریر فرمایا کہ یہ مجاور اور قبر پرست ہمارے رقیب ہیں رقیبوں کے ڈر سے محبوب کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔

حکایت (۱۰۳) خانصاحب نے فرمایا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب سے ہر ایک ریذیڈنٹ ملنے آیا کرتا تھا شاہ صاحب اس کیلئے مونڈھا بچھوا دیتے تھے جو نذرانہ پیش کرتا تھا شاہ صاحب موسم کا کوئی پھل اسکے پاس بھجوا دیتے تھے۔ جب شاہ صاحب کی وفات ہو گئی تو سب نے مل کر صدر شاہ اسحٰق صاحب کو مقرر کیا اور ان کو نذرانے دیتے تھے۔ حتیٰ کہ سید صاحب بھی باایں جلالت قدر نذر پیش فرماتے۔ شاہ اسحٰق صاحب مدرسہ میں پڑھا رہے تھے کہ رزیڈنٹ آیا۔ لیکن شاہ صاحب نے نہ اس کو دیکھا نہ ان کی مجلس میں کوئی تغیر آیا۔ شاہ صاحب ہمیشہ نگاہ نیچی رکھتے تھے۔ بعض کو تمنا تھی کہ شاہ صاحب کی آنکھ جو نہایت خوبصورت تھی دیکھیں مگر تمام عمر نہ دیکھ سکے۔ غرض رزیڈنٹ مدرسہ میں آیا اور ٹہلتا رہا۔ جب درس ختم ہوا تو شاہ اسحٰق صاحب کے پاس آکر بوجہ پتلون کے ٹانگ پھیلا کر وہیں چٹائی پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں رخصت ہونے لگا۔ تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے شاہ صاحب مرحوم آپ کیلئے کچھ ہدیہ بھجوایا کرتے تھے مگر میرے پاس کچھ ہے ہی نہیں کہ بھجواتا۔ جب رزیڈنٹ چلا گیا تو بعض مسلمانوں ہی نے یہ کہہ کر شاہ صاحب کیطرف سے بدظن اور مشتعل کرنا چاہا کہ دیکھئے وہ حضور سے کیسی بے التفاتی سے پیش آئے وہ متکبر ہو گئے ہیں۔ اسپر رزیڈنٹ نے اُسے ڈانٹا کہا کہ خاموش میں اس شاہ کا امتحان لینے گیا تھا کہ وہ اتنی دنیا پر بیٹھ کر دنیا سے کتنا مستغنی ہے[1]۔

---

[1] دونوں حضرات کے معمول کا تفاوت نیت اور مصالح کے اختلاف سے ہے ولکل وجہۃ ہو مولیہا اور چونکہ مبنی اس دوسرے معمول کا اخلاص پر تھا اسلیے رزیڈنٹ پر اس کا کیا پسندیدہ اثر پڑا۔ (اشرف علی) (منقول از روایات الطیب)

اضافہ از احقر ظہور الحسن کسولوی غفرلہٗ

حکایت (۱۰۴) ایکبار فرمایا کہ جب مولانا اسحاق صاحب کی خدمت میں کوئی شخص بیعت ہونے حاضر ہوتا تو یوں فرماتے ہیں کچھ معلوم نہیں۔ مولوی محمد یعقوب صاحب کے پاس جاؤ انہوں نے نانا صاحب (یعنی شاہ عبد العزیز صاحب) سے یہ سب سیکھا ہے سو باوجودیکہ شاہ اسحاق صاحب ان باتوں سے صاف انکار فرماتے تھے مگر پھر بھی دیکھنے والوں نے دیکھا ہے کہ مولانا یعقوب صاحب سے مولانا اسحاق صاحب ہی درجہ میں بڑھے ہوتے تھے اور اسکی وجہ نشر علم دین ہے۔ (منقول از روایات کتیب)

مولانا شاہ محمد یعقوب دہلوی مہاجرؒ کی حکایات

حکایت (۱۰۵) خانصاحب نے فرمایا کہ دلّی کے ایک شہزادے نے جسکا نام اسوقت مجھے یاد نہیں رہا مجھ سے خود اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے مکہ معظمہ میں خواب دیکھا کہ ایک گھڑی آسمان سے میری طرف آرہی ہے میں نے اُٹھ کر اُس گھڑی کو لپک کر لیا۔ جب وہ میرے ہاتھ میں آئی تو اسوقت مجھے معلوم ہوا کہ وہ گھڑی نہیں ہے بلکہ ذبح شدہ اور کھال اُتری ہوئی مسلّم مُرغی ہے جس کے پنجے بھی موجود ہیں اور وہ پانی میں تر ہے۔ اس خواب کو میں نے مولانا محمد یعقوب صاحب سے بیان کیا تو انہوں نے سُن کر تامّل کیا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت اسکی تعبیر فرمادیجیے تب آپنے فرمایا کہ تمہاری بیوی کو حمل ہے۔ مجھے حمل کا علم نہ تھا۔ بیوی سے تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ واقعی حمل ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت واقعی حمل ہے تو آپنے فرمایا

لہ مولانا اپنے وقت کے ابن سیرین تھے (اشرف علی)

کہ لڑکی پیدا ہوگی مگر پانی کے صدمہ سے مرجاویگی۔ جب ایامِ حمل ختم ہوئے تو لڑکی ہی پیدا ہوئی۔ جب ہم واپسی میں جہاز میں سوار ہوئے تو ایک مقام پر سمندر میں طغیانی اور اسکی چھال مجھپر اور اسکی ماں پر اور لڑکی پر گرپڑی۔ لڑکی دو تین سسکیاں لیکر مرگئی۔

حکایت (۱۰۶) خانصاحب نے فرمایا کہ اسی شہزادے نے بیان کیا کہ میرے ایک عزیز نے خواب دیکھا کہ میں جمنا پر کھڑا ہوں اور اُسکی سیر کر رہا ہوں اتنے میں میرے منہ سے ایک کبوتر نکلا جو نہایت خوبصورت اور حسین تھا اور ایک درخت پر جا بیٹھا اور میری طرف منہ کر کے بولنے لگا۔ میں نے اس خواب کو چھوٹے میاں صاحب (مولوی محمد یعقوب صاحب) سے بیان کیا انہوں نے کوئی تعبیر نہیں دی اور فرمایا کہ سوچوں گا۔ وہ (عزیز) اٹھ کر چلے گئے۔ مگر میں (شہزادہ) بیٹھا رہا۔ میں نے (شہزادے نے) عرض کیا کہ حضرت اسکی تعبیر کیا ہے۔ فرمانے لگے کیا کہدوں ایمان اُس کے اندر نہیں رہا اور وہ جو اُس کیطرف دیکھ دیکھ کر بول رہا ہے وہ اُسے چڑھا رہا ہے۔ وہ عزیز تھوڑے ہی دنوں کے بعد دہریﷺ ہوگئے۔

حکایت (۱۰۷) خانصاحب نے فرمایا کہ ایکمرتبہ مولانا نانوتوی نے فرمایا کہ مولوی محمد یعقوب صاحب دہلوی قلب کے اندر جو باریک چورﷺ ہوتے ہیں اُنسے خوب واقف تھے۔

حکایت (۱۰۸) خانصاحب نے فرمایا کہ ایک روز مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب نے مجھ سے اور مولانا نانوتوی سے فرمایا کہ کل کو ہم مولوی محمد یعقوب صاحب کے پاس چلیں گے اور اُن سے نسبتِ صلوٰۃ اور دورۂ قادریہ حاصل کرینگےﷺ چنانچہ اگلے دن حاجی صاحب اور مولانا نانوتوی تو تشریف لیگئے مگر مجھے یاد نہ رہا تھا اسلیے میں

۱؎ خواہ صانع کے انکار سے یا اختیار صانع کے انکار سے جیسے ہمارے زمانہ میں بہت لوگ دوسری قسم کے ہیں اور اپنے کو مسلمان کہتے ہیں مگر صرف کہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ ۲؎ تو اپنے وقت کے غزالی بھی تھے۔ ۳؎ بڑا ہی کمال ہے اپنے مریدوں کو ساتھ ساتھ لیجا کر کسی بزرگ سے کچھ حاصل کرنا۔ (اشرف علی)

رہ گیا۔ جب وہاں سے تشریف لائے تو مجھ سے فرمایا کہ میاں تم کہاں رہ گئے تھے۔ میں نے نسیان کا عذر کیا۔ آپ نے وہ دونوں باتیں مجھے تعلیم کیں۔

حکایت (۱۰۹) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی حسین بخش صاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں نے شاہ اسحٰق صاحب اور مولانا یعقوب صاحب کی دعوت کی جب کھانیکا وقت آیا تو میاں صاحب پالکی پر سوار ہو کر میرے مکان پر روانہ ہو گئے اور مولوی محمد یعقوب صاحب سے فرما گئے کہ حسین بخش کو اپنے ہمراہ لیتے آنا۔ مولانا یعقوب صاحب کے ہاں ایک سانڈنی تھی جس پر وہ سوار ہوا کرتے تھے۔ مولانا نے اپنی سانڈنی کی پچھلی نشست پر دوشالہ ڈالا اور اگلی نشست خالی رکھی اور مجھ سے کہا کہ تم پچھلی نشست پر سوار ہو جس پر دوشالہ پڑا ہوا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں اس قابل نہیں ہوں۔ دوشالہ اپنے لیے رکھیے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں نہیں تم بیٹھ جاؤ، میاں صاحب[1] فرما گئے ہیں کہ ان کو اپنے ساتھ لانا۔ میں نے پھر عذر کیا آپ نے پھر بھی فرمایا کہ اجی بیٹھ بھی جاؤ۔ میاں صاحب فرما گئے ہیں کہ انہیں اپنے ساتھ لانا۔ مجھے مجبوراً سوار ہونا پڑا۔

حضرت سید احمد صاحب رائے بریلوی رحؒ کی حکایات

حکایت (۱۱۰) خانصاحب نے فرمایا کہ ہندوستان میں السلام علیکم کا رواج بالکل متروک ہو گیا تھا حتیٰ کہ شاہ صاحب کے خاندان میں بھی اس کا رواج[2] نہ تھا اور جب وہ سلام کرتے تھے تو کہتے تھے عبدالقادر تسلیمات عرض کرتا ہے، رفیع الدین تسلیمات عرض کرتا ہے۔ سید صاحب پہلے پہل شاہ ولی اللہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے

---

[1] کتنا ادب ہے کہ کس کو ساتھ لانے کو فرما گئے تھے اُس کا اتنا ادب۔ بھلا پھر ان لوگوں پر یہ شبہ کہ بزرگوں کا ادب نہیں کرتے کتنا بڑا ظلم ہے۔ [2] غالباً مخالفتِ عامہ یا فتنہ کا خوف ہوگا بعد میں اس کو گوارا کر لیا ہوگا۔ (اشرف علی)

ہیں تو سب سے پہلے انہوں نے شاہ صاحب کو سلام کرتے ہوئے السلام علیکم کہا ہے۔ جب شاہ صاحب نے اُن کا سلام سنا تو بہت خوش ہوئے اور آپ نے حکم دیدیا کہ آئندہ سلام بطریقِ مسنون کیا جاوے۔ اسی دفعہ میں سید صاحب شاہ صاحب سے بیعت ہوئے اور چھ روز قیام فرما کر تشریف لیگئے چھ مہینے کے بعد پھر آئے اور چھ مہینے شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں تربیت میں رہے۔ اسکے بعد شاہ عبدالقادر صاحب نے ان کو شاہ صاحب سے مانگ لیا اور پورے ڈھائی برس اکبری مسجد میں اپنی خدمت میں رکھا جس کی تفصیل نمبر آئندہ میں آتی ہے۔

حکایت (۱۱۱) خانصاحب نے فرمایا کہ سید صاحب بیعت ہونیکے بعد دوسری مرتبہ بغرضِ تعلیم حاضر ہوئے ہیں تو شاہ صاحب نے انکو اس مسجد میں ٹھہرا دیا جو اُن کے مدرسہ سے تقریباً پچاس قدم کے فاصلہ پر واقع تھی جسمیں شاہ صاحب اور طلبہ نماز پڑھا کرتے تھے اور تعلیم اشغال فرما کر حکم دیا کہ آٹھویں دن ہم سے ملا کرو۔ اور تین شخصوں کو انکی خدمت کیلئے مقرر کر دیا اور کہدیا کہ جس چیز کی سید صاحب کو ضرورت ہو تم لوگ اسکا انتظام کر دیا کرو اور ایک ٹھلیا اپنے پاس سے دی اور فرمایا کہ روزانہ اس ٹھلیا میں سید صاحب کیلئے جمنا سے پانی لایا کرو۔ (یہ تین شخص جنکو شاہ صاحب نے مامور فرمایا تھا ایک سید ثمن علی خانپوری تھے دوسرے قاری نسیم رامپوری اور تیسرے انکے چھوٹے بھائی جنکا نام مجھے یاد نہیں رہا۔ انہیں سے تیسرے صاحب کو میں نے بھی دیکھا ہے۔ قاری نسیم مذکور اور اُنکے چھوٹے بھائی دونوں اتنے بزرگ تھے کہ لوگ مولوی مظفر حسین صاحب کے تقویٰ کو اُن کے تقویٰ سے تشبیہ دیا کرتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے کہ مولوی مظفر حسین صاحب قاری نسیم اور اُنکے چھوٹے بھائی کا نمونہ ہیں) سید صاحب

نے چھ مہینے تک تعلیم حاصل کی۔ چھ مہینے کے بعد شاہ صاحب کے خاندان میں کسی کے یہاں شادی کی تقریب ہوئی۔ اس تقریب میں شاہ عبدالعزیز صاحب شاہ عبدالقادر صاحب اور شاہ رفیع الدین صاحب تینوں بھائی موجود تھے اور شامیانہ تانا جارہا تھا۔ اس مقام پر ایک نیم تھا جسکی وجہ سے شامیانہ اچھی طرح نہ تنتا تھا بلکہ اسمیں جھول رہتا تھا۔ اتنے میں سید صاحب بھی مسجد میں سے تشریف لے آئے۔ جب آپ نے یہ رنگ دیکھا تو کرتہ کو کمر سے باندھ کر نیم پر چڑھ گئے اور نیم پر چڑھ کر جو شامیانہ کو کھینچا تو شامیانہ بالکل ٹھیک تن گیا اور جھول بالکل نکل گیا۔ سید صاحب کی یہ فہم شاہ عبدالقادر صاحب کو پسند آگئی اور انہوں نے شاہ عبدالعزیز صاحب سے عرض کیا کہ سید احمد کو مجھے دیدیجئے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ لیجاؤ۔ اور سید صاحب[۱] سے کہدیا کہ میاں عبدالقادر کیساتھ جاؤ۔ شاہ عبدالقادر صاحب ان کو اپنے پاس اکبری مسجد میں لے آئے اور ایک حجرہ میں رکھ دیا اور اشغال کیلئے فرمایا کہ میری سہ دری کے پاس بیٹھ کر کیا کرو۔ سید صاحب نے اس حکم کی تعمیل کی اور شاہ عبدالقادر صاحب کے حکم کے مطابق ذکر و شغل کرتے رہے اور جو جگہ شاہ عبدالقادرؒ نے ان کو بتادی تھی سید صاحب خواہ مینہ ہو یا آندھی یا دھوپ برابر اپنی جگہ بیٹھے رہتے تھے اور جبتک شاہ صاحب[۲] نہ کہتے تھے کہ اب یہاں سے اٹھ جاؤ اس وقت تک نہ اٹھتے تھے۔ شاہ صاحب نے ڈھائی برس تک سید صاحب کو اپنی خدمت میں رکھا اور پھر ان کو لیکر شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں آئے اور شاہ صاحب سے عرض کیا کہ سید احمد حاضر ہیں ان کو پرکھ لیجئے پرکھا لیجئے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ میاں عبدالقادر تم جو کچھ کہتے ہو ٹھیک کہتے ہو اب انکو بیعت کی اجازت دیدو۔ شاہ

---

[۱] اگر شیخ مرید کو کسی کے سپرد کردے تو اسکے ماننے میں ذرا تردد نہ کرے جیسا خود رایوں کی عادت ہے۔
[۲] یہ ہے انقیاد شیخ۔ کہاں ہیں وہ حضرات جو ان حضرات کو درویشی کا منکر اور بزرگوں کی شان میں بے ادب کہتے ہیں۔ آئیں اور آنکھیں کھول کر دیکھیں۔ (اشرف علی)

عبدالقادر صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اجازت تو آپ ہی دینگے اور انسے آپ ہی کا سلسلہ چلے گا۔ شاہ صاحب نے ان کو بیعت کی اجازت دیدی۔

حکایت (۱۱۲) خانصاحب نے فرمایا کہ جس زمانہ میں سید صاحب شاہ عبدالعزیز صاحب سے تعلیمِ سلوک حاصل کر رہے تھے اس زمانہ میں شاہ صاحب نے ان کو تصورِ شیخ کی تعلیم کی۔ سید صاحب نے فرمایا کہ حضرت اگر تصورِ شیخ طریقت کا موقوف علیہ ہے تو میں اس طریقت ہی کو چھوڑتا ہوں اور اگر یہ اسکا موقوف علیہ نہیں ہے تو (اختیار طریق میں) کچھ مضائقہ نہیں۔ مگر اس تصور کو حذف فرما دیجئے۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ طریقت اس پر موقوف نہیں ہے تم تصورِ شیخ نہ کرو۔

حکایت (۱۱۳) خانصاحب نے فرمایا کہ میرے استاد میانجی محمدی صاحب فرماتے تھے کہ میں نے مولانا محمد اسحاق صاحب سے کافیہ شروع کیا تھا اور سید صاحب جب تشریف لائے تو انہوں نے شاہ اسحاق صاحب سے میزان شروع کی تھی اور اتنی جلدی ترقی کی کہ نصف سے آگے مجھے کافیہ میں پکڑ لیا اور کافیہ ہی پڑھتے ہوئے انہوں نے مشکوٰۃ بھی شاہ صاحب سے شروع کر دی اور کوئی کتاب مولوی اسمٰعیل صاحب سے بھی پڑھتے تھے۔ یہ قصہ تو میں نے اپنے اُستاد سے سنا ہے۔ اور مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے کہ جب سید صاحب تعلیم علوم حاصل کر رہے تھے۔ اثنائے تحصیل میں انکی یہ کیفیت

---

[1] یہ ہے اظہارِ حق اور یہ ہے اقرارِ حق۔ مرید ایسا ہو اور پیر ایسا ہو۔ اور مبنیٰ اس عذر کا یہ ہے کہ اس عمل کو غیر مشروع سمجھا۔ مرید کو یہی چاہیئے کہ ایسے موقع پر عذر کر دے مگر دو امر کا لحاظ لازم ہے ایک یہ کہ ادب سے عرض کرے۔ ردوکد و اعتراض واعراض و مقابلہ ومجادلہ کی صورت نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ شیخ کو چھوڑ نہ دے بلکہ اس کیساتھ حُسنِ ظن رکھے اور اسکے فعل کی کچھ تاویل مناسب کرلے۔ اگر تاویل سمجھ میں نہ آوے تو یہی سمجھ لے کہ کچھ تاویل ہوگی جو میرے ذہن میں نہ آئی۔ اس کے بعد یہ دیکھے کہ شیخ نے اس کے عذر کو قبول کیا یا نہیں۔ اگر کرلیا جیسے حضرت شاہ صاحب نے کرلیا، فبہا اور اگر نہیں کیا بلکہ اپنی تجویز پر اصرار کیا یا مرید سے مکدر ہو گیا تو اس شیخ کو چھوڑ دے اور دوسرے کامل سے رجوع کرے مگر اسکی شان میں بھی گستاخی نہ کرے کیونکہ ابتداءً راہ پر لگا دینے میں وہ اسکا محسن ہے۔ (اشرف علی)

ہوئی کہ جب وہ کتاب میں نظر کرتے تو انکی نظر سے حروف غائب ہو جاتے تھے۔ اس کیلئے طبیبوں کیطرف بھی رجوع کی گئی مگر کچھ نہ ہوا۔ یہ قصہ شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں عرض کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ تم جالی وغیرہ باریک چیزوں پر نظر جماؤ اور دیکھو کہ وہ بھی تمہاری نظر کے سامنے سے اڑتی ہیں یا نہیں۔ سید صاحب نے اسکا تجربہ کیا تو کوئی باریک سے باریک چیز بھی نہ اڑی۔ اسکی اطلاع شاہ صاحب سے کی تو آپ نے فرمایا کہ پڑھنا چھوڑ دو۔ اس پر کسی خادم نے (جس کا نام مجھے یاد تھا مگر اب بھول گیا) عرض کیا کہ حضرت یہ کیا بات ہے اور آپ نے پڑھنا چھوڑنے کا حکم دیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے امتحان کا اسلئے حکم دیا تھا کہ اگر اور باریک چیزیں بھی اڑتی ہوں تو جانا جاوے کہ مرض ہے اور اسکا علاج کیا جاوے۔ جب معلوم ہوا کہ دوسری چیزیں نہیں اڑتیں تو ثابت ہوا کہ مرض نہیں ہے بلکہ اس کا سبب یہ ہے کہ علم ظاہری ان کی قسمت میں نہیں ہے۔ لہذا میں نے کہہ دیا کہ پڑھنا چھوڑ دو اور فرمایا کہ ان کو تعلم سے پڑھنا نہ آئے گا بلکہ علم لدنی[1] حاصل ہوگا۔

حکایت (۱۱۵) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ جو میں بیان کروں گا میں نے اپنے استاد میاں جی محمدی صاحب سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ سید صاحب جب سہارنپور تشریف لے گئے تو یہیں کی مسجد میں منبر کے اوپر کی سیڑھی پر بیٹھ کر وعظ فرمایا ان کے دونوں پاؤں کے بیچ میں مولوی عبدالقیوم ابن جناب مولوی عبدالحی صاحب بیٹھے ہوئے تھے جو کہ اسوقت بچے تھے اور مسجد میں ایک طرف مولوی عبدالحی صاحب اور مولوی اسمٰعیل صاحب پاس پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ وعظ جب نصف سے زیادہ ہو گیا تو مولوی عبدالحی صاحب نے مولوی اسمٰعیل صاحب کو

---

[1] ہو کما قال الرومی رحمہ۔ بینی اندر خود علوم انبیاء ✽ بے کتاب و بے معید و اوستا
مگر اس سے علوم احکام مستثنیٰ ہیں ان میں بجز نقل کے کوئی سبیل حجت نہیں خواہ وہ نقل کتاب سے ہو یا اہل علم سے۔

اشارہ سے اٹھایا اور اُٹھا کر اُس طرف لیگئے جسطرف قبریں ہیں۔ میں بھی پیچھے پیچھے گیا اور وہاں جاکر فرمایا کہ سید صاحب نے یہ مضمون پہلے بھی بیان فرمایا ہے اور میں نے اور تم نے اسکو لکھ بھی لیا ہے۔ لیکن اسوقت جو کچھ فرما رہے ہیں یہ تمہاری سمجھ میں بھی آتا ہے یا نہیں۔ مولوی اسمٰعیل صاحب نے کہا کہ کچھ کچھ آتا ہے۔ اسپر مولوی عبدالحی صاحب نے فرمایا کہ سچی بات یہ ہے کہ میں نے بہت زور لگایا مگر میری سمجھ میں نہیں آیا۔ اب اس سمندر کو ہم اپنی کُلھیا میں کیونکر بند کریں سید صاحب سے عرض کرنا چاہیے کہ حضرت مضمون کو ذرا آسان کر کے بیان فرمایا کریں تاکہ ہم لوگ سمجھ سکیں۔ یہ کہہ کر دونوں صاحبان پھر اپنی اپنی جگہ پر آ بیٹھے۔ قصہ ختم ہوا۔ خانصاحب نے فرمایا اس قصہ کو میں نے مولوی عبدالقیوم صاحب کے سامنے بیان کیا انہوں نے اسکی تصدیق کی اور فرمایا کہ جب اس وعظ میں میں سید صاحب کے دونوں پاؤں کے درمیان بیٹھا تھا تو چونکہ میں چھوٹا بچہ تھا اسلیے سید صاحب کے پاؤں چھیڑ رہا تھا کبھی اس پاؤں کو چھیڑتا تھا کبھی دوسرے پاؤں کو۔ اور چھیڑتا اسطرح کہ قدم پر ہاتھ رکھ کر گدگداتا ہوا اوپر کو لے جاتا تھا۔ لیکن جب میرا ہاتھ نصف ساق سے اوپر جاتا فوراً سید صاحب اُسے نیچے اتار دیتے تھے۔ بہت سی دفعہ میں نے ایسا ہی کیا اور سید صاحب نے ہمیشہ میرے ہاتھ کو نیچے اتار دیا۔ اس قصہ کو بیان فرماکر خانصاحب نے فرمایا کہ جب میں اوّل مرتبہ حضرت گنگوہی کی زیارت کے لیے گنگوہ جا رہا تھا تو سہارنپور پہنچ کر مغرب کی نماز میں نے بوبنی کی مسجد میں پڑھی گو مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ بوبنی کی مسجد ہے مگر میں نے اسے پہچان لیا۔ اور جب لوگوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ واقعی بوبنی ہی کی مسجد ہے اور میں نے صحیح سمجھا تھا۔

ف اس سے دو کمال ثابت ہوتے ہیں ایک مجذوبیت سے بعد کہ یہ امر ناگوار نہیں ہوا۔ دوسرا التقوٰی کہ زانو سے آگے ہاتھ نہیں جانے دیا۔ (اشرف علی)

حکایت (۱۱۶) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے ابوبکر خاں خورجہ والے سے سُنا ہے جو کہ شاہ عبدالقادر صاحب کے دیکھنے والوں میں تھے۔ یہ صاحب فرماتے تھے کہ بعدِ مغرب سید صاحب نے اکبر آباد کی جامع مسجد کے بیچ کے در میں بیٹھ کر وعظ فرمایا۔ اور اس وعظ میں آپ نے شیخین رضؓ کے بھی کچھ فضائل بیان فرمائے۔ چار رافضی حوض پر کھڑے تھے۔ اسوقت روافض کا فتنہ گو سابق کی نسبت بہت کم ہو گیا تھا مگر تاہم موجود تھا۔ ان رافضیوں نے تالی بجائی اور قہقہہ لگا کر بھاگنا چاہا۔ سید صاحب نے ان کی آواز سُن کر زور سے اِلَّا اللہ کہا۔ اس آواز سے ایک رافضی تو حوض کے قریب ہی گر پڑا اور ایک حوض سے کچھ آگے گرا۔ ایک دروازہ کے پاس گرا اور ایک مسجد سے نکل گیا اور سید صاحب ضربِ اِلَّا اللہ کے بعد خاموش بیٹھ گئے۔ اس وقت مسجد کی یہ حالت ہو گئی کہ وہ تنور کیطرح گرم ہو گئی اور لوگ جلے جانے لگے چونکہ میں کسی قدر بے تکلف تھا اسلیے میں نے سید صاحب کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر عرض کیا کہ حضور بس اب لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ فرمایا کہ بہت اچھا۔ اس کے بعد آپ نے عشاء کی اذان کا حکم دیا اور فرمایا کہ ان تینوں رافضیوں سے کہدو کہ عشاء کی نماز پڑھ کر جاویں۔ اسکے بعد عشاء کی نماز ہوئی اور اس میں تینوں رافضی شریک ہوئے اور سُنی ہو کر سید صاحب سے بعیت ہو گئے۔ خانصاحب نے فرمایا کہ میں نے بچپن میں سنا تھا کہ سید صاحب نے ہزاروں امام باڑے توڑ ڈلے ہیں۔ مگر حکیم جمیل الدین صاحب جو پورب میں بہت رہے ہیں، فرماتے تھے کہ سید صاحب نے پچاس ہزار امام باڑے تڑوائے ہیں۔

لہ تصرفات کے کمال مقصود ہونیکا شبہ نہ کیا جاوے اور اسی طرح اہلِ کمال کے نزدیک پسندیدہ نہ ہونا اور باوجود اس کے سید صاحب کا اس سے کام لینا بھی محلِ اشکال نہ ہونا چاہیے کیونکہ یہ بضرورت و باذن تھا۔ پس جیسے قوئ جسمانیہ سے اہلِ باطل کو مغلوب کرنیکا حکم ہے ویسے ہی قوئ نفسانیہ سے۔ ۱۲ منہ علی

حکایت (۱۱۷) خانصاحب نے فرمایا کہ الدھن ۔ میرٹھ ۔ ہاپوڑ ۔ گلاوٹی ۔ بلندشہر کا حال تو مجھے معلوم ہے کہ یہاں کے لوگ سب تفضیلی بلکہ بعض بعض تو رافضی تھے ۔ اور سنا ہے کہ دیوبند میں بھی سب تفضیلی تھے ۔ یہ بات کہ یہ مقامات بدعت تفضیلی سے پاک ہیں یہ سب سید صاحب ہی کا صدقہ[1] ہے ۔ اور سنیوں اور شیعوں میں جو کہ شادی بیاہ ہوتے تھے یہ بھی سید صاحب نے ہی رکوائے ہیں ۔

حکایت (۱۱۸) خانصاحب نے فرمایا کہ میرے اُستاد میانجی محمدی صاحب بیان فرماتے تھے کہ جب سید صاحب سیر کو تشریف لیجاتے تھے تو بڑے بڑے لوگ شکار بند پکڑا کرتے تھے ۔ ہم بھی چاہتے تھے کہ یہ شرف ہمیں بھی نصیب ہو مگر ہمیں موقع نہ ملتا تھا ۔ لیکن ایک روز موقع مل گیا اور میں شکار بند پکڑے ہوئے سید صاحب کیساتھ چلا ۔ خانم کے بازار میں ایک کوچہ تھا اور اس کوچہ کے نکڑ پر ایک رنڈی کا مکان تھا اور اس میں جو رنڈی رہتی تھی وہ نہایت حسین اور پڑھی لکھی تھی اور اسکے یہاں معمولی آدمیوں کا گذر نہ تھا بلکہ بڑے بڑے لوگ بیٹھا کرتے تھے ۔ سید صاحب جب اسکے مکان کے پاس نکلے تو اتفاق سے وہ اپنے دروازہ پر کھڑی تھی اور تمام لباس سُرخ تھا ۔ سید صاحب اسجگہ ذرا ٹھٹکے اور ایک نظر اُس کیطرف دیکھا ۔ اسکے بعد گھوڑا بڑھا کر آگے روانہ ہو گئے ۔ آپ بیس پچیس قدم ہی چلے ہونگے کہ اتنے میں وہ رنڈی روتی ہوئی اور یہ آواز دیتی ہوئی آئی ۔ کہ اے میاں سوار خدا کیواسطے ذرا گھوڑا روک لے ۔ آپ نے گھوڑا روک لیا اور وہ بے تحاشا گھوڑے کے اگلے دونوں پاؤں کو لپٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی ۔ سید صاحب ہر چند فرماتے ہیں کہ بی بی سُن تو سہی بات تو بتلا تو کون ہے اور کیوں روتی ہے گھوڑے کے پاؤں چھوڑ دے اور اپنا

---

[1] یہ ہیں برکات جو کرامات و تصرفات سے بھی اکمل ہیں ۔ (اشرف علی)

مطلب کہہ۔ مگر وہ نہیں مانتی اور برابر گھوڑے کے پاؤں پکڑے ہوئے رو رہی ہے۔ تھوڑی دیر میں اسے افاقہ ہوا اور اس نے کہا کہ میاں میں بیوہ ہوں اور توبہ چاہتی ہوں اور کچھ نہیں چاہتی۔ سیّد صاحب نے فرمایا کہ اسوقت تیرے مکان میں کچھ لوگ ہیں۔ اس نے کہا، جی ہاں۔ سیّد صاحب نے فرمایا کہ توبہ کے بعد نکاح بھی کریگی۔ اسنے کہا جی ہاں نکاح بھی کروں گی اور جو آپ فرمائیں گے وہ کروں گی۔ آپنے فرمایا کہ تیرا دل کسی سے نکاح کو چاہتا ہے تو اس نے کہا جی ہاں فلاں سے۔ آپنے فرمایا کہ وہ کہاں ہے۔ اُس نے کہا کہ اسوقت میرے مکان میں ہے۔ آپنے فرمایا کہ مکان میں کوئی اور بھی ہے۔ اُس نے کہا جی ہاں کئی آدمی ہیں۔ سیّد صاحب نے اس طوائف سے اور مجھ سے فرمایا کہ جاؤ سبکو بلالاؤ۔ ہم گئے تو اسوقت دس آدمی تھے۔ انہیں سے نو تو آگئے مگر وہ نہ آیا جس سے وہ نکاح کرنا چاہتی تھی۔ جس شان سے وہ رنڈی آئی تھی اسی شان سے یہ لوگ بھی آئے اور وہ بھی سب کے سب تائب ہوگئے۔ اب آپنے رنڈی سمیت سب سے فرمایا کہ تم لوگ اکبری مسجد میں چلو میں بھی آتا ہوں۔ چنانچہ وہ سب اکبری مسجد میں چلے گئے اور آپ آگے بڑھ گئے۔ اس کے بعد آپنے مجھ سے فرمایا کہ میاں محمدی تم نے دیکھا کہ یہ ہم نے کیا کیا۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں حضور دیکھ لیا۔ آپ نے فرمایا کہ میاں سنو اس قسم کی باتیں یہود و نصاریٰ مجوس اور جوگی بھی کرتے ہیں۔ بعض میں نظر کی قوت ہوتی ہے بعض میں دماغی بعض میں قلبی بعض میں آواز کی قوت ہوتی ہے مگر وہ قوت کسبی ہوتی ہے اور مجھے جو قوت عطا ہوئی ہے وہ وہبی ہے اگر تم

ف ایسی قوت عام ہے کسبی اور وہبی سے جیسی قوت جسمیہ کہ کبھی ریاضت سے حاصل ہوتی ہے کبھی فطری و خلقی طور پر اور کمالِ دینی انہیں سے کوئی بھی نہیں البتہ دیکھا یہ جاویگا کہ اس قوت کو صرف کہاں کیا اسی کا اعتبار ہوگا۔ پس کمالِ مطلوب عمل ہوا نہ کہ قوت ۔ (اشرف علی)

کسی کے اندر ایسی قوت دیکھو تو میں نصیحت کرتا ہوں کہ فوراً اس کے معتقد نہ ہو جانا اور اس کو بزرگ نہ سمجھ لینا بلکہ جس کو متبع سنت دیکھو تو گو ان قوتوں میں سے کوئی قوت بھی ان کے اندر نہ دیکھو اس کے معتقد ہو جانا۔ یہ فرما کر آگے چلے اور جنگل میں پہنچکر فرمایا کہ الحمد للہ میں اللہ کا وہ بندہ ہوں جس کیلئے مچھلیاں پانی میں اور چیونٹیاں سوراخوں میں دعا کرتی ہیں اور جسطرف کو میں نکل جاتا ہوں وہاں کے درخت اور جانور تک مجھے پہچانتے اور سلام کرتے ہیں۔ اس قصے کو یہاں چھوڑ کر میں اسوقت مولانا نانوتوی کا ایک ملفوظ سناتا ہوں جو اس مقام کے مناسب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ قبولِ عام کی دو صورتیں ہیں ایک وہ قبول جو خواص سے شروع ہو کر عوام تک پہنچے اور دوسرا وہ جو عوام سے شروع ہو اور اس کا اثر خواص تک بھی پہنچ جائے۔ پہلا قبول علامتِ مقبولیت ہے نہ کہ دوسرا، کیونکہ حدیث میں جو مضمون علامتِ مقبولیت آیا ہے وہ یہ ہے کہ اوّل بندہ سے اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں پھر وہ ملاءِ اعلیٰ کو محبت کا حکم دیتے ہیں اور ملاءِ اعلیٰ اپنے سے نیچے والوں کو، یہانتک کہ وہ حکم اہل دنیا تک آتا ہے اور جو ترتیب ملاءِ اعلیٰ میں تھی اسی ترتیب سے اسکی محبت دنیا میں پھیلتی ہے کہ پہلے اس سے اچھے لوگوں کو محبت ہوتی ہے اسکے بعد دوسروں کو۔ پس جو مقبولیت اس کے برعکس ہو گی وہ دلیلِ مقبولیت نہ ہو گی۔ اسکے بعد فرمایا کہ دیکھو جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رسالت کا اعلان فرمایا ہے تو اوّل وہ لوگ معتقد ہوئے جو اُس زمانہ میں سب سے اچھے تھے۔ اسکے بعد وہ لوگ جو اُن سے کم تھے۔ اس کے بعد وہ لوگ جو اُن سے کم تھے اور اخیر میں اچھے اور بُرے سب زیرِ اثر آ گئے۔ حتیٰ کہ کچھ آپ کے ماننے والے منافقین بھی تھے۔ اور اسی بنا پر جو ہجرت سے پہلے مسلمان ہو چکے

تھے وہ سب سے افضل ہیں اور اُن کے بعد وہ جو بدر سے پہلے مسلمان ہوئے۔ اور اُن کے بعد وہ جو اُحُد سے پہلے مسلمان ہوتے۔ پھر وہ جو خندق سے پہلے مسلمان ہوئے پھر وہ جو صلح حدیبیہ سے پہلے مسلمان ہوئے پھر وہ جو فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوئے۔ اور فتح مکہ کے بعد تو سبھی مطیع ہو گئے اور آپ کی مقبولیت بہت ہی عام ہو گئی۔ یہ بیان فرما کر فرمایا کہ سیّد صاحب اور شاہ عبد العزیز صاحب اور اُن کے خاندان کی مقبولیت بھی اسی ترتیب سے ہوئی ہے کہ اوّل اُن کے معتقد اہلِ کمال ہوئے ہیں اور اس کے بعد انکی مقبولیت عام ہوئی ہے اور اسی طرح ہمارے حاجی صاحب کی مقبولیت ہوئی ہے، اوّل اُن کے معتقد خواص تھے اس کے بعد ان کی مقبولیت عام ہوئی مگر حاجی..... شاہ کی مقبولیت اوّل کن لوگوں میں ہوئی؟ ایسے ہی ویسوں میں۔ اور عموم شہرت کے بعد اگر کوئی اللہ کا بندہ پھنس گیا تو وہ قابلِ اعتبار نہیں۔ اسی سلسلہ میں مجھے ایک اور قصہ یاد آ گیا وہ یہ کہ ایک مرتبہ حاجی.... شاہ علی گڈھ آئے چونکہ مشہور آدمی تھے اسلیے نواب لطف علی خاں صاحب کو بھی اُنسے ملنے کا شوق ہوا اور انہوں نے گاڑی منگائی جب انہوں نے پائیدان پہ پیر رکھا تو اتفاق سے ایک خادم نے کہا کہ میاں آج حاجی.... صاحب کے پاس تمام شہر کی رنڈیاں اکٹھی ہو کر آئی تھیں۔ مگر نواب صاحب نے اسکو غلط سمجھا اور بہت ناخوش ہوئے۔ دوسرے خادم نے دیکھا کہ نواب صاحب کو یقین نہیں آیا تو اس نے کہا کہ میاں واقعی ایسا ہوا ہے۔ جب انہوں نے سمجھ لیا کہ واقعہ ٹھیک ہے تو نواب یوسف علی خاں سے فرمایا کہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ یہ شخص ملنے کے قابل ہے۔ ہم تو اسواسطے جاتے تھے کہ اُن کی صحبت سے خدا کی محبت نیکیوں کیطرف رغبت گذشتہ گناہوں پر ندامت

اور آئندہ گناہوں پر نفرت پیدا ہوگی۔ مگر معلوم ہوا کہ وہ بڑا شہدہ ہے ہم چھوٹے شہدے، پھر کیوں جائیں۔ یہ کہہ کر جانا موقوف کر دیا اور گاڑیبان کو حکم دیا کہ گاڑی لیجاؤ ہم نہ جائیں گے۔ اسکے بعد ایک قصہ اور یاد آگیا کہ نواب لطف علیخاں کوئی مقدس لوگوں میں نہ تھے مگر بزرگوں سے تعلق تھا لیکن اس تعلق کا یہ اثر تھا کہ باوجود سر سید سے ان کی بہت دوستی تھی مگر جب اُنکے تیجے کے چنے پڑھے گئے ہیں اور مولوی.... انصاری اس میں شریک ہوئے تو اس روز سے نواب صاحب نے مولوی سے سلام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ یہ شاہ صاحب کے خاندان کے اُن متوسلین کی حالت تھی جو دنیا دار تھے۔ ان ضمنی مضامین کے بعد میں اصل قصہ کیطرف لوٹتا ہوں۔ میانجی صاحب نے فرمایا کہ سید صاحب سیر سے لوٹ کر اکبری مسجد میں آئے تو وہ رنڈی اور نو آدمی سب کے سب اکبری مسجد میں موجود تھے آپ نے سب کو بیعت کیا اور انمیں سے ایک شخص کیساتھ جس سے وہ رنڈی رضامند ہوگئی تھی اسکا نکاح کر دیا۔ اور وہ رنڈی باوجودیکہ بہت دولتمند تھی مگر اس نے اپنی تمام دولت اور گھر بار چھوڑ دیا اور پھر اپنے گھر نہیں گئی۔ جب سید صاحب نے سکھوں پر جہاد کیا ہے تو یہ سب لوگ جہاد میں شریک ہوئے اور وہ نو آدمی تو شہید ہوگئے۔ مگر اُس رنڈی کا حال نہیں معلوم ہوا کہ اس کا کیا انجام ہوا۔ یہ رنڈی ایک دوسری رنڈی کیساتھ (جو مولوی اسمٰعیل صاحب شہید کے ہاتھ پر تائب ہوئی تھی اور اس رنڈی کا نام موتی تھا اور اس کی توبہ کا قصہ حکایتِ گذشتہ میں آچکا ہے) مجاہدین کے گھوڑوں کا دانہ دلا کرتی تھی اور دانہ دلتے دلتے اس کے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے تھے۔ حافظ محمد اکبر صاحب خانپوری بیان فرماتے تھے کہ میں نے ان

دونوں رنڈیوں کو دیکھا ہے۔ ایکمرتبہ میں نے اُن سے پوچھا کہ تبلاؤ تو سہی تم اپنی پہلی حالت میں خوش تھیں یا اس حالت میں۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم درحقیقت مصیبۃ میں تھے اور اب ہمیں جو راحت ہے اسکو ہم بیان نہیں کر سکتے۔ اسوقت ہمارے ایمان کی یہ حالت ہے کہ اگر ہم اپنے ایمان کو پہاڑ پر رکھدیں تو پہاڑ بھی زمین میں دھنس جاوے۔

حکایت (۱۱۹) خانصاحب نے فرمایا کہ میرے اُستاد میانجی محمدی صاحب نے ایک روز ارشاد فرمایا کہ سید صاحب ایک روز اکبری مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک نوجوان سر سے پا تک حریر کا لباس پہنے ہوئے اور ڈاڑھی منڈائے ہوئے اور پوری پوری میں انگوٹھی چھلے پہنے ہوئے حاضر ہوا اور سلام کر کے بیٹھ گیا۔ اور چونکہ اس زمانہ میں بانکوں کی وضع یہ تھی کہ ڈھیلا پاجامہ کلیوں دار پہنا کرتے تھے اسلئے یہ شخص بھی ڈھیلا ہی پاجامہ پہنے ہوئے تھا یہ شخص فوج میں ملازم تھا مگر یہ یاد نہیں کہ دفعدار تھا یا اور کچھ۔ اس نے عرض کیا کہ حضور میں فوج میں ملازم ہوں اور ہماری فوج کو یہاں چھ مہینے رہنے کا حکم ہے میں چاہتا ہوں کہ حضور مجھے بیعت کرلیں۔ سید صاحب نے فرمایا کہ بیعت! کیا یہ صورت بیعت کی ہے... ڈاڑھی آپ کی منڈی ہوئی ہے لباس سارا حریر کا ہے ہاتھوں میں مہندی ہے پوری پوری میں چھلے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ میں اِن باتوں سے توبہ کرتا ہوں۔ اور چھلے تو میں اسی وقت اُتارے دیتا ہوں لیکن کپڑے ابھی نہیں اُتار سکتا کیونکہ نہ دوسرے کپڑے یہاں میرے پاس ہیں اور نہ گھر۔ رہی مہندی اور ڈاڑھی سو میں مہندی کے زایل کرنے سے اسوقت عاجز ہوں اور ڈاڑھی بھی پیدا نہیں کر سکتا۔

سید صاحب نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ ان کیلئے کپڑوں کا انتظام کرایا جاوے۔ چنانچہ لوگوں نے کرتہ پاجامہ وغیرہ دیدیا اور سید صاحب نے اپنا عمامہ اور چادر دی۔ اس نے کپڑے اتار کر یہ کپڑے خوشی خوشی پہن لیے۔ اس کے بعد سید صاحب نے اُسے بیعت کیا اور علیحدہ لیجا کر کچھ تعلیم فرمایا۔ بیعت ہونے کے بعد یہ شخص چھ سات روز تک صبح کے وقت اور بعد روزانہ آتا رہا لیکن ساتویں یا آٹھویں روز جو وہ آیا تو وہ نہایت پریشان اور روتا ہوا آیا اور عرض کیا کہ میں سمجھتا تھا کہ ہمارا قیام چھ سات مہینے ہوگا اور میں حضور سے مستفید ہوں گا۔ مگر آج ہماری فوج کے تبادلہ کا حکم آگیا ہے اور کل کو ہمیں یہاں سے جانا ہوگا۔ مجھے اپنی محرومی اور حضور کی مفارقت کا نہایت صدمہ ہے۔ سید صاحب اس کا ہاتھ پکڑ کر شاہ عبدالقادر صاحب کے حجرہ میں لیگئے، اور آدھ یا پون گھنٹہ حجرہ میں رہے اسکے بعد سید صاحب تنہا حجرہ سے نکلے اور ہم لوگوں سے فرمایا کہ ان کو باہر اٹھا لاؤ اور ہوا دو اور یہ کہہ کر تیز قدمی کیساتھ دوسرے حجرہ میں تشریف لیگئے۔ ہم لوگ جب اندر گئے تو دیکھا کہ وہ شخص بالکل بیہوش تھا۔ اسے حجرہ سے سہ دری میں لے آئے اور پانی کے چھینٹے دیے۔ پنڈول سنگھایا کچھ دیر کے بعد اسے ہوش آیا تو اُس کی یہ حالت تھی کہ بالکل مست تھا اور آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں اور کہتا تھا کہ واللہ باللہ جسطرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا ہوں سید صاحب ہی نظر آتے ہیں وہ میری آنکھوں میں بھی ہیں۔ یہ الفاظ اس نے تین دفعہ زور سے کہے۔ سید صاحب نے کواڑ کھولکر اپنا چہرہ نکالا اور زور سے فرمایا کہ خاموش اور مجھ کتّے کی صورت اپنے سے منہدم کر۔ اور یہ الفاظ آپ نے

ف شاید یہ تصرف اسکے رنج مفارقت کے تدارک کے لیے کیا گیا ہو کہ اس طرح نظر آجانے سے تسلی رہیگی اور اچھا ہوجانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ نظر آنا بند ہوگیا ہو بلکہ اس میں تقلیل و تعدیل ہوگئی ہو۔

بھی تین مرتبہ فرمائے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ بالکل اچھا ہو گیا۔ یہ قصہ بیان فرما کر میرے اُستاد فرماتے تھے کہ تصور دو قسم کا ہوتا ہے ایک تو وہ جو از خود ہو اور دوسرا وہ جو تصور کرنے سے ہو۔ سید صاحب جو تصورِ شیخ کو منع فرماتے تھے وہ وہ تصور تھا جو قصداً اور تکلف کیا جاوے اور جو تصور از خود ہو اس کو منع نہیں فرماتے تھے۔ کیونکہ ایسے تصور کا ثبوت حدیثوں سے ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہا کر نکلے آپ اپنے بالوں کے دو حصے کرتے تھے اور ان کے درمیان باریک مانگ تھی گویا میں دیکھ رہی ہوں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ نیز ابو ہریرہؓ ایک مرتبہ لوگوں کو اپنے ہاتھ کے اشارہ سے بٹھا رہے تھے اور فرماتے تھے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یونہی بٹھاتے تھے گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ یہ تصور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا مگر از خود تھا نہ کہ بہ تکلف و بالقصد۔

حکایت (۱۲۰) خانصاحب نے فرمایا کہ سید صاحب تیرھویں صدی کی پہلی تاریخ کو پیدا ہوئے ہیں۔ اسپر شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے سُن کر فرمایا کہ الحمد للہ۔ اللہ کو ایک بندہ پیدا کرنا تھا سو پیدا ہو گیا۔ (منقول از روایات الطیب)

حکایت (۱۲۱) فرمایا کہ سید احمد صاحبؒ جس وقت شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمت

لہ اس سے بھی وہ درجہ مراد ہے جسمیں مقصودیت کی شان ہو جیسے بطور شغل مستقل کے کرتے ہیں جسمیں قلب سے غیر کی نفی کا اہتمام کرتے ہیں کہ اسمیں مشابہت ہے شرک کی ورنہ اگر محبت میں قصداً بھی تصور کرے تو کچھ حرج نہیں اور جن بزرگوں سے اجازت منقول ہے وہ بقدر ضرورت ہے کہ خطرات دفع نہ ہوں تو کسی مشاہد چیز کے تصور سے حسب قاعدہ النفس لا تتوجہ الیٰ شیئین فی آنٍ واحدٍ ہو جاتے ہیں اور اس میں صورتِ شیخ اور صورتِ دیگر اشیاء سب متساوی ہیں۔ مگر شیخ سے چونکہ طبعاً محبت زاید ہوتی ہے اس کیطرف توجہ اقوی ہو نیسے دفع سہل تر ہوتا ہے مگر بعد دفع خطرات کے پھر اس کو بھی زائل کر دیتے ہیں اور عین تصور کے وقت بھی اسکا اہتمام نہیں کرتے کہ دوسرا کوئی تصور نہ پاوے گو اس سے زیادہ محمود یا مقصود ہو۔ لہ ان حدیثوں کی تحقیق کر لیجاوے باقی ایسا جملہ حدیثوں میں وارد بکثرت ہے ۔ (اشرف علی) منقول از امیر الروایات

میں تھے تو شاہ صاحب نے ان کو شغل رابطہ تبلایا تو سید صاحب نے اس شغل سے عذر فرما دیا۔ اس پر شاہ صاحب نے فرمایا ؂

بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید * کہ سالک بیخبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

تو سید صاحب نے جواب دیا آپ کسی معصیت کا حکم دیجئے کر لونگا، یہ تو معصیت نہیں شرک ہے یہ تو گوارا نہیں۔ شاہ صاحب نے یہ سنکر ان کو سینہ سے لگا لیا کہ اچھا ہم تم کو طریق نبوت سے لے چلیں گے تم کو طریقِ ولایت سے نسبت نہیں ہے۔ دوسرا واقعہ سید صاحب کے انقیاد کا امیر شاہ خانصاحب امیر الروایات میں لکھا ہے کہ جب شاہ عبد القادر صاحبؒ شاہ صاحبؒ سے مانگ کر انکو اپنے پاس لیگئے تو آپنے مسجد میں ایک جگہ تبلا دی تھی کہ اسجگہ بیٹھ کر ذکر و شغل کیا کرو رفتہ رفتہ برسات کا موسم آگیا۔ ایک روز شاہ صاحب نے ان کو اس حال میں دیکھا کہ موسلا دھار بارش ہو رہی ہے اور یہ اسی میں بیٹھے ہیں، سید صاحب سے پوچھا کہ تم بارش میں کیوں بیٹھے ہو؟ تو فرمایا کہ آپ ہی نے تو یہ موقع بتلایا تھا۔ ہمارے حضرت نے فرمایا یہ ہے اطاعت۔ شاہ صاحب کو وہم بھی نہ تھا کہ میرے تبلانے کو ایسا عام سمجھیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر تمام برسات اور جاڑے بھی گذر جاتے جب بھی سید صاحب اس جگہ سے نہ اُٹھتے (مدعی اس واقعہ سے سبق حاصل کریں کہ شیخ کی موافقت کیسی ہوتی ہے۔ اور شروع کے واقعہ میں اختلاف کو دیکھئے کیسا ہوتا ہے۔ اللہ اکبر اتفاق ہو تو ایسا ہو اور اختلاف ہو تو ایسا اور پیر بھی کیسے کہ کچھ نہ فرمایا بلکہ حقیقت کو سمجھ کر خوش ہوتے) اور یہ فرمایا کہ اگر کیسے تو معصیت اختیار کر لوں۔ اس سے معصیت میں اطاعت مقصود نہیں بلکہ اس کا امر اہون ہونا شرک

سے مقصود ہے بزرگوں کے کلام کا محمل سمجھنا بڑا کام ہے ؂
ہزار نکتہ باریک تر ز مو اینجا ست ✽ نہ ہر کہ سر تبراشد قلندری داند (از اشرف التنبیہ)

اضافہ از ظہور الحسن کسولوی عفی عنہ

حکایت (۱۲۱) منشی محمد ابراہیم صاحب نے ایک بار دریافت کیا کہ حضرت سید احمد بریلوی کے دیکھنے والوں میں کوئی شخص اب بھی زندہ ہے یا نہیں؟ حضرت نے فرمایا بالفعل تو مجھے یاد نہیں بعد فکر بتلاؤں گا۔ مولانا عبدالرحیم صاحب نے فرمایا کہ سہارنپور میں ایک خشت فروش زندہ ہے۔ حضرت نے اسی سلسلہ میں فرمایا کہ حافظ جانی ساکن انبہٹہ نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ ہم قافلہ میں ہمراہ تھے بہت سی کرامتیں وقتاً فوقتاً حضرت سید صاحبؒ سے دیکھیں۔ مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی اور مولوی محمد حسن صاحب رامپوری بھی ہمراہ تھے اور سب حضرات سید صاحب کے ہمراہ جہاد میں شریک تھے۔ سید صاحب نے پہلا جہاد یار محمد خاں حاکم یاغستان سے کیا تھا۔ سیّد صاحب نے پہلے اپنا قاصد یار محمد خاں کے پاس بھیجا۔ وہ تن تنہا یار محمد خاں کے پاس پہنچا اور پیغام سنایا۔ اس نے جواب دیا سیّد سے کہدے وہ کیوں عبث جنگ پر آمادہ ہے اسکے لیے بہتر نہ ہوگا اس کے ساتھی ایک ایک کر کے مارے جاویں گے اور خود اس قاصد کے کوڑے لگوائے پھر واپس کر دیا اور پوچھا پھر بھی اگر سیّد تجھے بھیجیگا تو تو آئیگا؟ اس نے کہا کہ ہاں پھر آؤں گا۔ غرض قاصد نے واپس ہو کر سارا حال سیّد صاحب سے عرض کیا۔ سیّد صاحب نے فرمایا اچھا تم ہی جا کر یار محمد خاں سے کہدو

کہ "تو ہم کو کیا زک دیگا تو خود پیشاب پی کر مریگا"۔ المختصر لڑائی ہوئی اور یار محمد خاں کی فوج نے ہزیمت پائی۔ یار محمد خاں بھی بھاگا۔ اس اثنا میں اسے تشنگی لاحق ہوئی جب پانی مانگا اور خادم نے جواب دیا کہ پانی موجود نہیں ہے تو کہا "شاشہ بیار" یعنی پیشاب ہی لا۔ اور پیکر قتل ہوا۔

پھر کچھ عرصہ بعد کھڑک سنگھ پسر رنجیت سنگھ والئ لاہور سے لڑائی ہوئی۔ جسمیں بہت سے مجاہدین شہید ہوئے۔ حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحبؒ مولوی محمد حسن صاحب بھی وہیں شہید ہوئے البتہ میدان مجاہدین کے ہاتھ رہا۔ جب لاشیں سنبھالی گئیں تو سید صاحب اور ان کے ساتھیوں کا پتہ نہ لگا۔ لوگ تلاش میں تھے اور اِدھر اُدھر جستجو کرنے لگے۔ چند چند آدمی دیہات اور پہاڑوں میں جاکر ڈھونڈا کرتے تھے اور کسی کو نہ ملتے تھے۔ گاؤں میں برابر پتہ ملتا چلا جاتا کہ یہاں تھے وہاں تھے۔ ایک شخص نے بیان کیا کہ مجھے سخت بخار تھا اسی حالت میں میں نے تینوں شخصوں کو جاتے دیکھا جن میں ایک سید صاحبؒ تھے۔ میں نے غل مچایا کہ حضرت آپ ہم کو کہاں چھوڑ گئے اور کیوں ہم سے علیحدہ ہو گئے۔ سب لوگ آپ کے رُوبراہ ہیں۔ میرے غل مچانے پر حضرت سید صاحب نے منہ پھیر کر مجھے دیکھا، کچھ جواب نہ دیا۔ اور چلے گئے۔ میں بوجہ بیماری کے اُٹھ نہ سکا غل مچایا کیا۔

دوسرے شخص نے بیان کیا کہ ہم انہیں دنوں سید صاحب کو ایک پہاڑ میں تلاش کر رہے تھے۔ دفعتہً کچھ فاصلہ پر گڑبڑاٹ سُنا۔ میں وہاں گیا تو دیکھوں کیا سید صاحب اور اُن کے دو ہمراہی بیٹھے ہیں۔ میں نے سلام و مصافحہ کیا اور عرض کیا کہ حضرت کیوں غائب ہو گئے سب لوگ بغیر آپ کے پریشان ہیں۔ مجبور ہو کر

ہم نے فلاں شخص کو اپنا خلیفہ بنالیا ہے۔ اور اُنسے بیعت کی ہے۔ آپ نے اسپر تحسین کی اور فرمایا ہمکو اب غائب رہنے کا حکم ہوا ہے اسلیے ہم نہیں آسکتے۔" اتنا فرما کر قافلہ والوں کی خیر اور حالات پوچھے اور پھر روانہ ہوگئے۔ میں نے بھی ہمراہ ہونے کیلیے عرض کیا تو منع فرمایا اور پھر کوشش کر کے جو میں نے پیچھے چلنا چاہا تو میرے ہاتھ پاؤں وزنی ہوگئے۔ میں تو کھڑا کا کھڑا رہ گیا حیران اور مایوس تھا کہ یا اللہ کیسے چلوں اور حضرت سید صاحب معہ ہمراہیان نظر سے غائب ہوگئے۔

تیسرے ایک شخص نے بیان کیا کہ سید صاحب کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے ہم ایک گاؤں میں ایک جگہ اُترے وہاں دریافت کرنیسے معلوم ہوا کہ یہ قبر جو ڈھئی ہوئی تازہ پڑی ہے اسکو سید صاحب ابھی ڈھوا کر گئے ہیں کیونکہ اونچی تھی۔ اِدھر اُدھر دیکھا تو کہیں پتہ نہ لگا۔

منشی محمد ابراہیم نے کہا سید صاحب تیرھویں صدی کے آغاز میں پیدا ہوئے تھے اور اب ۱۳۱۸ھ میں ممکن ہے کہ حیات ہوں۔ انہوں نے جب لفظِ ممکن کہا کہ حضرت امامِ ربانی نے ارشاد فرمایا بلکہ اَمکن۔ اور فرمایا کہ سید صاحب انبہٹہ میں بھی تشریف لائے۔ میاں صابر بخش سجادہ نشین شاہ ابوالمعالی کے یہاں دعوت ہوئی تھی مولوی عبدالحی صاحب مولوی محمد سالار سے ملنے کو اُن کے مکان پر گئے تھے۔ مولوی محمد سالار نے قیام کا حال دریافت کیا تو صابر بخش کے مکان پر قیام بتایا گیا۔ مولوی محمد سالار نے کہا "اس کافر کے مکان پر ٹھہرے"۔ مولوی عبدالحی صاحب نے فرمایا وہ کافر نہیں ہے اور وجوہات میں کتبِ فقہ کا حوالہ دیا۔ مولوی محمد سالار نے کہا "مولوی صاحب یہ دہلی نباشد کہ کتاب منہ پر دے مارمی، یہ انبہٹہ ہے۔" مولوی عبدالحی صاحب اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے واپس ہوئے۔ گنگوہ بھی سید صاحب

تشریف لائے اور مُکلے کی سرائے میں قیام ہوا تھا۔ چند شخص یہاں شرفِ بیعت سے مشرف بھی ہوئے تھے۔ جن میں سے ایک شخص یہاں کی مسجد میں رہتا تھا بڑا ہی متبع سنت تھا اس کی عادت تھی جب رمضان شریف گذر چکتا تو لوگوں سے کہتا کہ بھائیو ایک برس کی میری زندگی اور نکل آئی۔ لوگ ہنسا کرتے کہ ہر رمضان کے بعد یوں ہی کہہ دیتا ہے۔ حتیٰ کہ رمضان کی سات تاریخ کو انتقال کیا۔

سید صاحب نانوتہ بھی تشریف لیگئے تھے وہاں بھی بہت سے لوگ مُرید ہوئے۔ ایک مُرید نے بیان کیا میری آنکھوں میں پھر رہا ہے کہ سید صاحب مسجد جامع کے وسطی دروازہ میں کھڑے ہیں۔ نہایت شکیل جمیل تھے اور آپنے اپنی پگڑی اُتار کر ایک سرا اپنے ہاتھ میں لیکر باقی بیعت کرنیوالوں کو پکڑا دی۔ لوگ برابر دوسرے سرے تک اسکو پکڑے ہوئے تھے اور پگڑی کنکھجورے کی شکل معلوم ہوتی تھی۔ کیونکہ دونوں طرف سے اسکو تھامے ہوتے تھے۔

سید صاحب توحید و رسالت اور اتباعِ سنت پر لوگوں سے بیعت لیتے تھے اور بس۔ سیّد صاحب اتباعِ سنت کیلئے از حد تاکید فرمایا کرتے تھے اور بدعت کے سخت ماحی اور مخالف تھے۔ مولوی عبدالحی صاحب سے ایکدن فرمایا کہ اگر کوئی امر مخالف سنت مجھ سے ہوتا دیکھو تو مجھے اطلاع کر دینا۔ مولوی صاحب نے کہا حضرت جب کوئی مخالف سنت فعل آپسے عبدالحی دیکھیگا تو وہ آپ کیساتھ ہوگا ہی کہاں۔ یعنی آپکی ہمراہی چھوڑ دونگا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے سیّد صاحب نے شادی کی تھی نماز میں کچھ دیر سے آئے۔ مولوی صاحب نے سکوت کیا کہ شاید نئی شادی کیوجہ سے اتفاقیہ کچھ دیر ہوگئی۔ اگلے دن پھر ویسا ہی ہوا کہ سید صاحب کو اتنی دیر ہوگئی کہ تکبیر اولیٰ ہو چکی تھی۔ مولوی عبدالحی صاحب

نے سلام پھیرنے کے بعد کہا کہ "عبادت الٰہی ہو گی یا شادی کی عشرت"؟ سید صاحب چپ ہو رہے اور اپنی غلطی کا اقرار کیا۔ اور پھر نماز میں اپنے معمولی طریق پر تشریف لانے لگے۔

ایک بار ارشاد فرمایا کہ سید صاحب کیلئے پٹنہ عظیم آباد سے کوئی شخص تین سو ساٹھ جوڑے تیار کر کے بھیجا کرتے تھے کہ حضرت ہر روز نیا جوڑہ زیب تن فرمادیں لیکن غائب ہونے سے کچھ دن قبل فرمایا کرتے تھے کہ لوگو اگرچہ میں ہر روز جوڑا بدلتا ہوں لیکن اگر امر خدا ہو کہ میں کھلی بہنوں اور بھینس کے گوبر میں دھنس جاؤں تو بندہ کا کام ہے کہ راضی برضا ہو۔ اس کلمہ کو بار بار کچھ دنوں میں فرمایا کرتے۔ آخر ایک مرید افغان نے کہا۔ "کیا ہم سے تم جدا ہونا چاہتا ہے یہ کیا معاملہ ہے کہ بار بار ایسا کلمہ کہتا ہے"۔ سید صاحب نے فرمایا کہ واقع میں بندہ کو خدا کے حکم کی تعمیل میں بہر حالت مستعد رہنا چاہیے۔

ایکبار فرمایا کہ مولوی احمد حسن صاحب امروہی جو سید صاحب کے ہمراہ تھے انکا یہ حال تھا کہ ایام سرما میں جب اُن کے پاس گھر سے رزائی بچھونا جاتا تو اپنے اعضاء سے کہتے کہ تم ان میں آرام لو گے؟ ان میں رہو گے؟ لیکن میں جب خوش ہونگا کہ تم میں سے ہر عضو خون میں بھرا ہوا خاک میں رُلتا ہو۔" اور بالآخر یونہی ہوا۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ سید صاحب کسی شہر میں گذرے۔ ایک کسبی خوبصورت اپنے دروازے پر کھڑی تھی۔ سید صاحب گھوڑے پر سوار جا رہے تھے۔ آپنے ایک نظر اس کیطرف دیکھا اور پھر چل دیے۔ تو وہ رنڈی بے تحاشا دوڑی اور گھوڑے کے قدموں میں گر پڑی کہ حضرت برائے خدا مجھے افعال ناشائستہ سے توبہ کراؤ اور بیعت

کر لو۔ حضرت نے توبہ کرائی اور اس سے دریافت کیا کس سے نکاح کرنا چاہتی ہے؟ اُس کا کوئی آشنا تھا اس نے اس کی نسبت کہا، اس شخص نے انکار کر دیا تب اسی وقت قافلہ والوں میں سے کسی شخص کیساتھ حضرت نے اسکا نکاح کر دیا اور قیامگاہ پر پہنچ کر فرمایا کہ لوگو جو کچھ تم نے دیکھا اسپر تعجب نہ کرنا۔ اگر کوئی شخص اس سے زیادہ بھی اپنا اثر دکھائے مگر ہو خلافِ سنت ہرگز ہرگز اعتبار نہ کرنا۔

ایک دن ارشاد فرمایا کہ ہنگامِ قیام نانوتہ میں مسمیٰ غلام حسین شیعوں کا مولوی تھا وہ بھی سید صاحب کیخدمت میں حاضر ہوا آپ ایک مکان میں بیٹھے تھے جب وہ اندر آیا تو آپ متوجہ نہ ہوئے اسپر جوں ہی اثر پڑا تو وہ بدنصیب جوتیاں بھی وہیں چھوڑ کر بھاگا۔ کہ یہ شخص سید بڑا جادوگر ہے اور جبتک سید صاحب نانوتہ میں مقیم رہے وہ جنگل میں رہا کیا شہر میں نہ آیا۔ (منقول از تذکرۃ الرشید)

حضرت شاہ غلام علیؒ کی حکایات

حکایت (۱۲۲) خانصاحب نے فرمایا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے پہلے خادم میاں کریم اللہ تھے۔ جب میاں کریم اللہ کا انتقال ہو گیا تو ان کی بجائے ان کے بیٹے میاں عیدو شاہ شاہصاحب کی خدمت کرنے لگے۔ یہ میاں عیدو فرماتے تھے کہ جو شخص شاہ عبدالعزیز صاحب کے زمانہ میں جامع مسجد (دہلی) کے امام تھے وہ بیان فرماتے تھے کہ ایک بخاری بزرگ جامع مسجد میں آکر ٹھہرے اور کئی روز تک ٹھہرے رہے۔ یہ صاحب اسقدر نیک تھے کہ انکا مستحب تک ترک نہ ہوتا تھا۔ اشراق، چاشت، صلوٰۃ الاوابین پر مداومت کرتے

تھے۔ میں نے اُنسے دریافت کیا کہ آپ کس غرض سے تشریف لائے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں یہاں کے بزرگوں سے ملنے آیا ہوں۔ مگر نہ مجھے یہ معلوم ہے کہ یہاں کون کون بزرگ ہیں اور نہ یہ کہ وہ کہاں کہاں رہتے ہیں اور نہ میری کسی سے شناسائی ہے کہ وہ رہبری کرے۔ میں نے کہا کہ یہاں کے بزرگوں سے میں آپکو ملاؤنگا۔ مگر اتنی درخواست ہے کہ آپ عارف ہیں جن جن بزرگوں کی جو جو کیفیت جناب کو معلوم ہو اُسکو مجھ سے بیان فرما دیا جاوے۔ انہوں نے اسکو منظور فرمایا۔ میں اوّل انکو شاہ غلام علی صاحب کیخدمت میں لے گیا۔ شاہ غلام علیصاحب بہت مدارات سے پیش آئے اور یہ بزرگ دیر تک اُنکی خدمت میں رہے۔ جب وہاںؔسے رخصت ہوئے تو میں نے دریافت کیا کہ حضرت فرمائیے کیا کیفیت ہے۔ آپنے فرمایا کہ کچھ نہ پوچھو۔ بہت بڑا شخص ہے میں کوئی ولایت نہیں دیکھتا جسمیں اسکی طریقت کی نہریں نہ بہتی ہوں۔۔۔ اس کے بعد میں ان کو شاہ عبدالعزیز صاحب کیخدمت میں لیگیا۔ وہاں بھی دیر تک بیٹھے۔ جب وہاںسے رخصت ہوئے تو میں نے عرض کی کہ انکی کیفیت بیان فرمایئے۔ انہوں نے فرمایا اللہ اکبر یہ تو شاہ غلام علی سے شریعت میں بھی بڑھے ہوتے ہیں اور طریقت میں بھی، ان کی شریعت کی نہریں میں تمام عالم میں دیکھتا ہوں اور ان کو اللہ تعالیٰ ایک زمانہ تک قائم رکھیگا۔ اسکے بعد میں انکو شاہ عبدالقادر صاحب کی خدمت میں لیگیا۔ وہاں بہت ہیبت زدہ بیٹھے اور تھوڑی دیر بیٹھے۔ وہاں سے واپسی میں میں نے اُن کی کیفیت دریافت کی تو انہوں نے فرمایا کہ ان کی حالت میں کچھ نہیں بیان کر سکتا۔ کیونکہ جب میں نے اکبری مسجد کی سیڑھیوں پہ قدم رکھا ہے تو جو کچھ میرے پاس تھا سب سلب[1] ہوگیا اور میں کورا رہگیا۔ اور جب واپس ہو کر سیڑھیوں پر آیا تو پھر مجھے

---

[1] یہ مغلوبیت ہوتی ہے بشکل مسلوبیت جیسے نورِ کواکب نورِ شمس سے کالعدم ہو جاتا ہے۔

حکایت (۱۲۳) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی فرماتے تھے کہ شاہ غلام علیصاحب جب ابتدا میں دہلی آئے ہیں تو جامع مسجد میں شرقی دروازہ کے اوپر شمالی سہ دری میں ٹھہرے کئی وقت ہو گئے مگر کسی نے کھانے کو نہ پوچھا اور یہ فاقہ سے رہے. کئی وقت کے بعد ایک شخص ایک بڑی قاب میں مرغ کی بریانی لایا اور شاہ غلام علیصاحب کو مسافر سمجھ کر دیدی۔ اسوقت کا دستور تھا کہ برتن واپس نہ لیتے تھے اسلیے اس نے قاب بھی واپس نہ لی۔ جب انہوں نے کھانا کھایا تو کچھ کھانا بچ رہا۔ ان کو خیال ہوا کہ اسکو رکھدیا جاوے دوسرے وقت میں کام آویگا۔ یہ خیال کر کے انہوں نے رکھنے کیلیے ہاتھ بڑھایا اور رکھنا ہی چاہتے تھے کہ معًا ان کو خیال ہوا کہ رکھنا نہیں چاہیئے بلکہ کسی اور حاجتمند کو دیدینا چاہیئے جس خدا نے اسوقت دیا ہے وہ دوسرے وقت بھی دیگا۔ یہ خیال کر کے وہ نیچے اترے اور دروازہ سے باہر کسی حاجتمند کو دینے کیلیے گئے۔ جب یہ دروازہ سے نکلے ہیں تو ایک مجذوب نے اُن کی طرف مخاطب ہو کر کہا "خوب سمجھا بے سالے یہ ٹھہری تھی کہ اگر یہ صرف قاب کو ٹیک دے تو سالے کو بھوکا مار ڈالو۔

حکایت (۱۲۴) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی فرماتے تھے کہ شاہ غلام علی صاحب بہت کریم النفس تھے لوگ ان کی کتابیں چُرا کر لیجاتے اور پھر ان ہی کے ہاتھ بیچنے کیلیے آتے۔ کتابوں کا داروغہ دیکھتا اور کہتا کہ حضور یہ کتاب تو آپ ہی کی ہے۔ دیکھیے اس پر آپ کا نام بھی لکھا ہوا ہے اور مہر بھی۔ آپ فرماتے۔ کیا دنیا میں[۲] میرے اور تیرے نام کا کوئی اور شخص ہے ہی نہیں۔ نہیں ہماری کتاب نہیں ہے، اُسی کی ہے مسلمان جھوٹ نہیں بولا کرتے اور وہ کتاب اُسی کو دیدیتے۔

لہ ہر ایک کیساتھ جُدا معاملہ ہے اس سے ادخار کا منافی توکل ہونا لازم نہیں آتا۔

لہ یہ ہے علم و عمل لا تقف ما لیس لک بہ علم کا۔ (اشرف علی)

حکایت (۱۲۶) خانصاحب نے فرمایا کہ شاہ غلام علیصاحب شاہ رفیع الدین صاحب کے شاگرد تھے اور شاہ عبدالعزیز صاحب سے بھی کچھ پڑھا تھا۔ جب شاہ عبدالعزیز صاحب سے کچھ عرض معروض کرنی ہوتی تو عرضی لکھا کرتے تھے۔[ف]

مولانا شاہ عبدالغنی صاحبؒ کی حکایات

حکایت (۱۲۶) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی محمد حسن صاحب مرادآبادی کے والد مولوی احمد حسن شاہ عبدالغنی صاحب کے حدیث میں شاگرد تھے مگر اعمال وغیرہ میں بدعات کا رنگ تھا۔ قوالی سنتے تھے عرسوں وغیرہ میں بھی شریک ہوتے تھے اسوجہ سے شاہ عبدالغنی صاحب نے انکو حدیث کی سند بھی نہ دی تھی۔ اسی زمانہ میں خورجہ میں ایک شخص یعقوب خاں نام تھے یہ شخص فارسی میں نہایت قابل اور اُردو کے بہت اچھے شاعر تھے۔ میر کے رنگ میں شعر کہتے تھے مگر انکا دیوان مرتب نہیں ہوا۔ یہ کہا کرتے تھے کہ وادیٔ پُرخار میں یا میر گیا ہے یا میں۔ اور میر کا یہ شعر پڑھتے تھے ؎

ماجرا یہ ہے یہ پائی کا ہمارے مجنوں ؎ خار سے پوچھ کہ سب نوکِ زباں ہے اسکو

اور اپنے یہ شعر پڑھتے تھے ؎

مِل کے خار و خسِ وحشتِ غربت میں ؎ آبلے پھوٹ پھوٹ کر روئے

ایضاً۔ ہم نے چاہا کہ اٹھیں وحشتِ جنوں سے یعقوب ؎ آبلے پاؤں پڑے خار نے دامن پکڑے

فرہاد نہ پوچھ سختیٔ ہجر ؎ دن آج پہاڑ سا کٹا ہے

یہ یعقوب خاں خاندان عزیزی کے عقاید پر تھے اور مرادآباد میں داروغہ تھے۔ ایکروز یہ اپنے دروازہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں مولوی احمد حسن صاحب قوالی

ف ادب کا یہ بھی ایک رنگ تھا۔ دوسرا رنگ عرضی کو حجاب سمجھ کر زبان سے عرض کرنا ہے۔ ع
ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است ۔ (اشرف علی)

میں سے تشریف لائے انہوں نے دریافت کیا کہ مولوی صاحب کہاں سے آرہے ہو فرمایا کیا بتاؤں کہاں[1] سے آرہا ہوں جھک مار کے آرہا ہوں گوہ کھا کے آرہا ہوں۔

حکایت (۱۲۷) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ بھی مولانا گنگوہی بیان فرماتے تھے۔ کہ ایکمرتبہ شاہ عبدالغنی صاحب کے یہاں کئی وقت کا فاقہ ہوا۔ اسکا تذکرہ انکی ماما نے کہیں کردیا۔ اسکی خبر کسی ذریعہ سے مفتی صدرالدین خانصاحب کو بھی ہوگئی۔ مفتی صاحب نے تین سو روپیہ شاہ صاحب کی خدمت میں بھجوا دیے۔ شاہ صاحب نے واپس کردیے۔ اسپر مفتی صاحب وہ روپے لیکر خود حاضر ہوئے[2] اور تخلیہ میں روپے پیش کیئے اور فرمایا کہ شاید حضور کو خیال ہو کہ صدر الصدور ہے رشوت لیتا ہوگا اسلیے میں عرض کرتا ہوں کہ میں رشوت نہیں لیتا بلکہ یہ روپے میری تنخواہ کے ہیں آپ انکو قبول فرمالیجیے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ مجھے تو یہ وسوسہ بھی نہیں گذرا کہ تم رشوت لیتے ہوگے میں تمہاری نوکری کو بھی اچھا نہیں سمجھتا۔ اور اسلیے میں ان کے لینے سے معذور ہوں۔

حکایت (۱۲۸) خانصاحب نے فرمایا کہ ایکمرتبہ مفتی صدرالدین خانصاحب نے شاہ عبدالغنی صاحب کے یہاں سے کچھ کتابیں مستعار منگائیں۔ شاہصاحب نے بھیجدیں۔ جلدیں شکستہ تھیں۔ مفتی صاحب نے واپسی کیوقت نئی جلدیں بندھوا کر واپس بھیجدیں۔ جب شاہصاحب کے پاس کتابیں پہنچیں تو شاہصاحب نے جلدیں توڑ کر مفتی صاحب کو واپس فرمادیں اور کہلا بھیجا ہمارے وہی پرانے پٹھے

---

[1] اس کی وجہ مولوی احمد حسین صاحب مرادآبادی کی حکایات میں آتی ہے۔ [2] اس سے بھی جناب مفتی صاحب کا یہ کمال ادب و محبت دینی ثابت ہوتی ہے کہ واپسی کو اپنی شان کیخلاف سمجھ کر متغیر نہیں ہوئے پھر نیازمندانہ حاضر ہوئے اور کمالِ خلوص سے تخلیہ میں پیش کیئے پھر دوبارہ واپس کرتے اور نوکری کو ناجائز کہنے پر ناگواری نہیں ہوئی۔ یہ اُس زمانہ کے دنیاداروں کا حال تھا۔ (اشرف علی)

بھیج دو۔[1]

اضافہ از مولانا محمد نبیہ صاحب

حکایت (۱۳۹) مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایکمرتبہ میرے اُستاد مولانا شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جسقدر نفس سے دوری ہے اسیقدر قربِ حق تعالیٰ حاصل ہے۔ (از تحریراتِ بعض ثقات) (منقول از اشرف التنبیہ)

اضافہ از احقر ظہور الحسن کسولوی

حکایت (۱۴۰) ایکبار ارشاد فرمایا کہ میرے استاد حضرت شاہ عبد الغنی صاحبؒ کا تقویٰ بہت بڑھا ہوا تھا۔ سینکڑوں مرید تھے اور انمیں اکثر اُمراء اور بڑے آدمی تھے۔ مگر آپ کے ہاں اکثر فاقہ رہتا تھا۔ ایکروز آپ کے ہاں کئی روز کا فاقہ تھا۔ خادمہ کسی بچہ کو گود میں لیئے ہوئے باہر نکلی، بچہ کے چہرہ پر بھی فاقہ کے سبب پژمردگی تھی۔ اتفاق سے مفتی صدر الدین صاحب کہیں سے تشریف لاتے تھے۔ بچہ کا چہرہ مرجھایا ہوا دیکھا تو خادمہ سے پوچھا بچہ کیسا ہے اسکا رنگ کیوں متغیر ہے؟ اُس نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا حضرت کے ہاں کئی وقت سے فاقہ ہے۔ مفتی صاحب کو سخت صدمہ ہوا۔ اُسی وقت گھر پہنچ کر خادم کے ہاتھ ڈیڑھ سو روپیہ روانہ کیے اور لکھا کہ یہ آمدنی فیس کی نہیں ہے بلکہ تنخواہ ہے قبول فرمالیجئے۔ وہ روپے حضرت شاہ صاحبؒ نے واپس فرما دیے اور کہلا بھیجا آپ کی تنخواہ ہی کہاں جائز ہے؟ یہ تو ہولیا اسکے بعد شاہ صاحب کو فکر ہوا کہ

---

[1] احقر نے یہ حکایت حضرت مولانا گنگوہی سے اس اضافہ کیساتھ سُنی ہے کہ جناب مفتی صاحب نے یہ بھی کہلا بھیجا تھا کہ یہ جلدیں اپنی تنخواہ سے بھی نہیں بنوائیں بلکہ اپنے بزرگوں کے ترکہ سے بنوائی ہیں حضرت شاہ صاحب نے مولانا گنگوہی سے فرمایا کہ جب مفتی صاحب ایسا کہتے ہیں تو پھر کیوں شبہ کیا جاوے کو توڑ ڈالا اور فرمایا دل قبول نہیں کرتا ۔ (اشرف علی)

فاقہ کا راز کسطرح ظاہر ہوا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ خادمہ نے کہدیا تھا۔ آپ نے اسکو بلایا اور فرمایا نیک بخت اگر فاقہ کی برداشت نہیں ہے تو اور گھر دیکھ لو مگر خدا کیلئے ہمارا راز افشانہ کرو۔ (منقول از تذکرۃ الرشید)

میانجی عظیم اللہؒ خادم حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی حکایات

حکایت (۱۳۱) خانصاحب نے فرمایا میانجی عظیم اللہ ایک شخص تھے جو خورجہ کے رہنے والے تھے پڑھے لکھے چنداں نہ تھے معمولی فارسی جانتے تھے اور لڑکے پڑھایا کرتے تھے مگر شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے صحبت یافتہ اور مرید تھے اسلیے دین میں انکی سمجھ نہایت اعلیٰ تھی۔ انہوں نے ایکمرتبہ تصورِ شیخ کے متعلق تقریر فرمائی اور فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ اضافہ نہایت کامل تھی اسلیے صحابہ کی اصلاحِ باطن کیلئے صرف آپکی تعلیم کافی تھی اور انکو اشغال متعارفہ بین الصوفیہ کی ضرورت نہ تھی اور بدون ان اشغال کے اصلاح ہوجاتی تھی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد رفتہ رفتہ یہ قوت مضمحل ہوتی گئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ صوفیہ کو اصلاحِ باطن میں اشغالِ متعارفہ مثلِ ذکر بالجہر وحبسِ دم وپاس انفاس وغیرہ سے مدد لینے کی ضرورت محسوس ہوئی اور انہوں نے اشغالِ متعارفہ سے کام لیا۔ یہ اشغال جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھے اسلیے بدعت تھے مگر بدعتِ فی الدین نہ تھے بلکہ بدعتِ للدین تھے۔ یعنی ان امور کو دین میں داخل نہیں کیا گیا تھا بلکہ جو امور شرعاً مامور بہ تھے اِن کو انکی تحصیل کا ذریعہ بنایا گیا تھا اسلیے یہ اشغال للدین تھے نہ کہ داخلِ دین۔ اسکو یوں سمجھو ایک طبیب نے نسخہ میں شربت بنفشہ لکھا مریض کو شربت

بنفشہ کی ضرورت ہے مگر بازار میں شربتِ بنفشہ نہیں ملتا اسلیے وہ لکڑیاں لاتا ہے،
آگ جلاتا ہے، دیگچی لاتا ہے شکر لاتا ہے پانی لاتا ہے بنفشہ وغیرہ لاتا ہے اور شکر و بنفشہ
وغیرہ کو دیگچی میں ڈال کر آگ پر پکاتا ہے اور شربتِ بنفشہ بنا کر نسخہ کی تکمیل کرتا ہے تو یہ
لکڑیاں لانا آگ جلانا وغیرہ زیادت فی النسخہ نہیں بلکہ تکمیل النسخہ ہیں۔ اسی طرح سمجھو کہ
تحصیلِ مرتبہ احسان اور اصلاحِ نفس شرعاً مامور بہ ہیں اور شریعت نے انکا کوئی طریق
خاص معین نہیں فرمایا۔ اسلیے یہ مامور بہ جس طریقِ مباح سے بھی حاصل ہوں اس طریق
کو اختیار کیا جائیگا اور وہ طریقِ خاص جزوِ دین نہ ہوگا مگر ذریعۂ دین ہوگا۔ جب یہ معلوم
ہوگیا تو اب سمجھو کہ آدمی کیلیے سینکڑوں بُت ہیں جو اُسکو توجہ الی الحق سے مانع ہیں کہیں
اسکا دل مال میں اُلجھا ہوا ہے کہیں جاہ میں کہیں جورو میں کہیں اولاد میں کہیں معشوق
میں الیٰ غیر ذلک۔ غرض اسکا ایک دل ہزاروں مطلوبات میں مشغول ہے اور یہ مشغولی
اسکو توجہ الی الحق سے مانع ہے۔ جب مشائخ نے جو اطباءِ روحانی ہیں اس مانع کو
محسوس کیا تو اسکا علاج تصورِ شیخ تجویز کیا[1] تاکہ اسکا قلب سب طرف سے ہٹکر ایک
مرکز پر آٹھہرے اور اسمیں مقصودِ اصلی کیطرف توجہ کی استعداد پیدا ہوجاوے اور گو یہ تصورِ
خود بھی بت یعنی غیر مقصود تھا مگر بضرورتِ جمع خاطر اسکو اختیار کیا گیا تھا۔ جب اُن کے
خیالات و افکار ایک مرکز پر جمع ہوکر اس قابل ہوجاتے تھے کہ وہ مقصودِ اصلی و حقیقی
یعنی حضرتِ حق کیطرف متوجہ ہوسکیں تو اس بت کو بھی توڑ دیتے تھے اور تصورِ شیخ
کو بیچ میں سے ہٹا کر اس قلب کو براہِ راست حق تعالیٰ سے وابستہ کردیا جاتا تھا یہ اصلی
غرض تھی تصورِ شیخ کی اور یہ مقصد تھا اس کا۔ اب بعد کے لوگوں نے تصورِ شیخ کو جو
حقیقت میں بُت مگر ذریعہ تھا استعدادِ توجہ الی الحق کا مقصودِ اصلی بنالیا اور اسی پر جم کر

---

[1] یہ تفصیل ہے اسی تحقیق کی جو حواشی حکایاتِ بالا میں بیان کی گئی ہیں۔ (اشرف علی)

رہ گئے اور وہ بجائے ذریعہ توجہ الی الحق ہونیکے (اور موانع سے بھی زیادہ) توجہ الی الحق سے مانع تام ہو گیا۔ جب سید صاحب پر یہ منکشف ہوا کہ اب تصور شیخ موصل الی الحق نہیں رہا بلکہ حق سے مانع ہو گیا ہے تو انہوں نے اسکو منع فرمایا اور نہایت سختی کیساتھ روکا۔ یہ وجہ تھی سید صاحب کے تصور شیخ سے انکار کی۔

مولوی شاہ محمد عمرؒ صاحبزادہ مولانا شہیدؒ کی حکایات

حکایت (۱۳۲) خانصاحب نے فرمایا کہ میں اپنے بچپن کے زمانہ میں نواب مصطفےٰ خاں کے مکان پر اپنے پھوپھا کیساتھ موجود تھا اور وہاں مفتی صدر الدین خاں اور مرزا غالب بھی موجود تھے۔ مفتی صدر الدین خاں نے مولوی محمد عمر صاحب ابن جناب مولانا اسمٰعیل صاحب شہیدؒ کا ایک قصہ بیان فرمایا اور فرمایا کہ یہ مشہور تھا کہ مولوی محمد صاحب کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت زیارت ہوتی ہے۔ اسپر میں اور امام صاحب جامع مسجد اور دو دوسرے اشخاص نے اصرار کیا کہ ہمکو بھی زیارت کرا دیجیے۔ مگر مولوی محمد عمر صاحب نے منظور نہ کیا لیکن ہم نے اپنا اصرار برابر جاری رکھا۔ ایک مرتبہ میں نے خواب میں دیکھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جامع مسجد کے منبر پر تشریف فرما ہیں اور مولوی محمد عمر صاحب آپکو مورچھل جھل رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ صدر الدین آؤ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کر لو۔ اور بعینہٖ یہی خواب امام صاحب نے دیکھا اور بعینہٖ یہی خواب ان دو دوسرے اشخاص نے دیکھا۔ جب صبح ہوئی تو میں امام صاحب کیطرف چلا تاکہ اُن سے یہ خواب بیان کروں اور وہ اپنا خواب بیان کرنے کیلئے میری

طرف چلے اور وہ دوسرے اشخاص بھی ہماری طرف چلے۔ اتفاق سے راستہ میں ہم سب ایک مقام پر مل گئے۔ اور میں نے کہا کہ میں تمہارے پاس جارہا تھا رات میں نے یہ خواب دیکھا ہے۔ انہوں نے کہا ہم تمہارے پاس آرہے تھے ہم نے بھی بعینہٖ یہی خواب دیکھا ہے۔ اب ہم سب ملکر مولوی محمد عمر صاحب[1] کے مکان پر آئے تو اسوقت مولوی صاحب اپنے مکان کے سامنے ٹہل رہے تھے۔ ہم نے انسے یہ خواب بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ نہیں میں ایسا نہیں ہوں اور یہ کہتے ہوئے بھاگ گئے۔

حکایت (۱۴۳) خانصاحب نے فرمایا کہ اسی مجلس میں نواب مصطفےٰ خاں نے اپنا قصہ بیان کیا کہ ہم چند احباب جنمیں مرزا غالب بھی تھے اپنے بالاخانہ پر بیٹھے ہوئے تھے اور بلا مزامیر کے گانا ہو رہا تھا۔ اتفاق سے مومن خاں کہیں سے مولوی محمد عمر صاحب کو پکڑ لائے۔ وہ یہ کہتے جاتے تھے کہ مجھے چھوڑ دو مجھے چھوڑ دو۔ مگر مومن خاں نہیں مانتے تھے۔ آخر لاکر اس مجلس میں انکو بٹھا دیا۔ گانا برابر ہوتا رہا۔ تھوڑی دیر میں مولوی محمد عمر صاحب نے ایک بہت ہی معمولی حرکت کی اسکے اثر سے سارا مکان ہل گیا۔ اسپر سبکو شبہ ہوگیا۔ یہ بھی خیال ہوا کہ شاید انکی جنبش کا اثر ہوا اور یہ بھی کہ شاید زلزلہ ہو۔ اسپر سب کی توجہ مولوی محمد عمر صاحب کیطرف ہوگئی۔ تھوڑی دیر میں انہوں نے دوبارہ حرکت کی جو پہلی حرکت سے زیادہ تھی اس سے مکان پھر ہل گیا اور پہلے سے زور سے ہلا۔ اب تو یقین ہوگیا کہ یہ انہی کی حرکت کا اثر ہے۔ تھوڑی دیر میں ذرا اور زور سے حرکت کی تو اس سے مکان کو اور زور سے حرکت ہوئی اور لکڑیاں بھی بول گئیں اور طاقوں وغیرہ میں جو شیشہ آلات رکھے تھے وہ کھن کھن کھن کھن کرنے لگے۔ اسپر کسی نے کہا کہ مولوی محمد عمر یہ

---

[1] یہ مولوی محمد عمر صاحب مجذوب تھے اسلیے اُن کے افعال کی (کہ ایک ہی رات میں سب کو ایک ہی خواب نظر آنا اور یہ کہنا کہ میں ایسا نہیں ہوں اور بھاگ جانا) حقیقت معلوم ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ ضرورت سالکین کے اقوال و افعال میں ہوتی ہے۔　　(اشرف علی)

کیا. انہوں نے فرمایا کہ میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ مجھے مت بٹھاؤ۔ اور یہ کہہ کر اُٹھ کر چلدیئے۔[1]

اضافہ از احقر ظہور الحسن کسولوی غفرلہ

حکایت (۱۳۴) ایکمرتبہ ارشاد فرمایا شاہ محمد عمر صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے صاحبزادے تھے اور مجذوب تھے۔ ایکبار جامع مسجد دہلی میں اکبر خاں غیر مقلدی کا بانی وعظ کر رہا تھا۔ جمعہ کے بعد حضرت مولانا محمد عمر صاحب اسکے پاس وعظ سننے کو تشریف لیچلے۔ لوگوں نے کہا بھی کہ حضرت یہ غیر مقلد ہے۔ آپنے فرمایا پھر کیا ہوا قرآن وحدیثِ رسول ہی تو بیان کرتا ہے۔" غرض شاہ صاحب مراقب ہو کر وعظ میں بیٹھ گئے۔ جبتک وہ حدیث پڑھتا رہا خاموش بیٹھے سنتے رہے۔ ایک حدیث کے بعد اکبر خاں کی جو شامت آئی تو اُسنے کہا" اگر ابوحنیفہ بھی ہوتے تو اس حدیث کا مطلب ہم انہیں سمجھا دیتے۔" بھلا شاہ صاحب میں کہاں تاب تھی آپنے سر اُٹھا کر فرمایا" تو ابوحنیفہ کو مطلب سمجھاتا جنکے مقلد جنید و شبلی جیسے ہو گئے" اُٹھ کر ایک دھول اسکے سر پر ایسی لگائی کہ اسکا عمامہ اُڑ گیا۔ چند بنگالی طالب علم جو اکبر خاں کے معتقد اسکے ہمراہ تھے شاہ صاحب کے مقابلہ کو تیار ہوئے مگر اکبر خاں نے روکا کہ نہیں نہیں صاحبزادہ ہیں۔

حکایت (۱۳۵) ایک بار شاہ محمد عمر صاحب جا رہے تھے اندھیری رات تھی۔ پہرہ والے نے ٹوکا کہ کون جاتا ہے؟ شاہ صاحب نے کچھ جواب نہ دیا۔ پہرہ والے نے پھر پوچھا کہ کون ہے؟ تب فرمانے لگے" تجھے معلوم نہیں ہوتا آفتاب نکلا ہوا۔" اس جواب پر پہرہ والے نے مارنا شروع کیا۔ کسی نے اتفاق سے پہچان لیا اور کہا ارے یہ تو مولانا محمد عمر صاحب ہیں۔ اسپر پہرہ والے نے بھی معذرت کی کہ حضرت میں نے پہچانا نہ

---

[1] یہاں بھی اسی مضمون کا اعادہ کرتا ہوں جو حاشیہ حکایت بالا میں گذرا۔ (اشرف علی)

تھا۔ شاہ صاحب نے فرمایا "کچھ نہیں میاں کچھ نہیں" اور چلے گئے۔ (منقول از تذکرۃ الرشید)

میاں نذیر حسین صاحب مرحوم کی حکایت

حکایت (۱۳۶) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے کہ مولوی عبدالرب صاحب کے والد مولوی عبدالحق صاحب شاہ اسحٰق صاحب کے شاگرد اور مولوی نذیر حسین صاحب کے خسر تھے مولوی نذیر حسین صاحب نے اُنسے حدیث پڑھی تھی اور شاہ اسحٰق صاحب سے نہیں پڑھی۔ جب شاہ صاحب ہجرت کرنے لگے نواب قطب الدین خانصاحب نے شاہ صاحب سے سفارش کی کہ مولوی نذیر حسین صاحب کو حدیث کی سند دیدیجئے۔ کیونکہ اسوقت مولوی نذیر حسین صاحب سے اور نواب صاحب سے بہت دوستی تھی۔ شاہ صاحب نے انکی سفارش سے اُنسے ہر کتاب کے ابتدا کی کچھ کچھ حدیثیں سن کر اُن کو قطب صاحب میں حدیث کی سند دی۔

حکیم خادم علی صاحب مرحوم کی حکایات

حکایت (۱۳۷) خانصاحب نے فرمایا کہ حکیم خادم علیصاحب فرماتے تھے کہ یہ لوگ (صوفیاء زمانہ) لا معبود الا اللہ لا موجود الا اللہ لا محبوب الا اللہ کی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور اسکا مقتضیٰ یہ ہے کہ ادر جملہ ماسوا اللہ کو چھوڑ کر ایک خدائے واحد کو اپنا معبود اپنا مقصود اپنا مطلوب اپنا محبوب بنالیں۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ باوجود اس تعلیم کے یہ لوگ قبر پرستی کیسے کرتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ بعض صحابہ ملوکِ عجم میں سجدہ کی رسم دیکھکر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی حضور

لے ایسی سند برکت ہے اجازت نہیں۔ (اشرف علی)

لوگ سلاطین کو سجدہ کرتے ہیں تو ہم آپ کو سجدہ کیوں نہ کریں۔ آپ تو سلاطینِ عجم سے کہیں زیادہ سجدے کے مستحق ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اگر تمہارا میری قبر پر گذر ہو۔ تب بھی تم مجھے سجدہ کروگے۔ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں۔ اسپر آپ نے فرمایا کہ پھر اب سجدہ کس لیے کیا جاوے اب بھی نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ فانی سجدہ کا مستحق نہیں ہے اور سجدہ کا مستحق صرف حیّ و قیوم ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مردہ کو سجدہ کرنا زندہ سے زیادہ خلافِ عقل ہے اور اس کی شناخت اسقدر ظاہر ہے کہ وہ صحابی جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سجدہ کی درخواست کرتے ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد آپ کو بھی سجدہ کرنا خلافِ عقل اور بُرا سمجھتے ہیں حالانکہ آپ کی موت محض صوری ہے اور ایسی نہیں جیسے غیر انبیاء کی موت۔ پس سمجھ میں نہیں آتا کہ قبورِ اولیاء اللہ کو سجدہ کرنا کیونکر معقول ہو سکتا ہے۔ لہ

حکایت (۱۳۸) خانصاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حکیم خادم علیصاحب اپنی مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ رمضان کا مہینہ اور افطار کا وقت تھا۔ آپ نے روزہ افطار کر لیا۔ اتنے میں چند رافضی آئے اور آکر کہا قسم ہے امام حسین کی اس وقت آفتاب غروب نہیں ہوا تھا۔ حکیم صاحب نے کہا کہ تم غلط کہتے ہو آفتاب غروب ہو چکا تھا۔ انہوں نے اصرار کیا اور کہا کہ آفتاب ہرگز غروب نہیں ہوا تھا۔ اسپر حکیم صاحب نے فرمایا کہ ہمارے قلوب میں دین اور ایمان ہے۔ ہماری شہادتِ قلب غلط نہیں ہے۔ آفتاب غروب ہو چکا ہے اور اگر تمہیں اسمیں کچھ تردد ہو تو کل کو مجھے ایک کوٹھڑی میں بند کر دینا اور تم لوگ آفتاب کو دیکھتے رہنا جس وقت آفتاب غروب ہوگا

لہ نہایت لطیف ولاجواب تقریر ہے مگر یہ سوال باقی ہے کہ پھر اسکا وقوع ہی کیوں ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ ضلال نے ان دونوں میں منافات نہیں سمجھی بلکہ قریب قریب اتحاد و حلول کا عقیدہ کر کے ان کو غیر نہیں سمجھا تعالی اللہ عما یقولون علوا کبیرا۔ (اشرف علی)

میں تمہیں اطلاع کرونگا اسوقت تمہیں تصدیق ہو جاویگی۔ انہوں نے اس دعوی کو عجیب سمجھ کر کہا بہت اچھا۔ اگلے روز غروب آفتاب سے پہلے حکیم صاحب کو ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا اور خود چھت پر چڑھکر غروب آفتاب کو دیکھنے لگے۔ جب آفتاب غروب ہوا حکیم صاحب نے فوراً اندر سے اطلاع کی کہ آفتاب غروب ہو گیا ہے۔ اسوقت انکو انکے دعوی کی تصدیق ہو گئی۔[1]

شاہ احمد سعید صاحبؒ کی حکایت

حکایت (۱۳۹) خانصاحب نے فرمایا کہ شاہ احمد سعید صاحب نے ایکمرتبہ اپنی خانقاہ کی مسجد میں نماز پڑھی تو نماز کے بعد ایک شخص اٹھا اور خانقاہ کے لوگوں کو اس نے دو دو پیسے دینے شروع کیے۔ شاہ صاحب کے کسی صاحبزادے کو بھی اُسنے دینے چاہے تو انہوں نے ہاتھ کھینچ لیا۔ انکا ہاتھ کھینچنا شاہ احمد سعید صاحب نے دیکھ لیا۔ اسپر آپنے صاحبزادے پر عتاب فرمایا اور فرمایا کہ دو پیسے تھے اسلیے ہاتھ کھینچ لیا اگر سو روپیہ ہوتے تو جھٹ سے لیکر رکھ لیتا۔ وہ سو روپیہ بھی خیرات ہی ہوتے ان کو کیوں لے لیتا۔ یہ فرما کر آپنے اس شخص سے فرمایا کہ لاؤ مجھے دو۔ اور آپنے دو پیسے لیکر رکھ لیے[2] اور فرمایا ہم تو خیرات ہی کھانیوالے ہیں۔

مولانا عبدالحی صاحب پھلتیؒ کی حکایات

حکایت (۱۴۰) خانصاحب نے فرمایا کہ جب سید صاحب جہاد کو تشریف لیجاتے ہوئے پھلت پہنچے ہیں تو وہاں سے روانگی میں مولوی عبدالحی صاحب اور انکے والد

---

[1] کرامت ہے کہ یہ خبر مطابق واقع کے ہوئی۔ مگر یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اسکو من حیث الکرامت حجت سمجھے تھے بلکہ من حیث الدلیل تحری حجت ہے۔ [2] یہ ہے قدردانی نعمت کی۔ اور جس حرکت پر عتاب فرمایا وہ استغنار ہے نعمت سے جس کی نفی شکر طعام کی حدیث میں آئی ہے غیر مودع ولا مستغنی عنہ ربنا (اشرف علی)

بھی مشایعت میں تھے اور مولوی عبدالحی صاحب کے والد نے مولوی صاحب کو جہاد کیلئے جانے کی اجازت نہ دی تھی۔ جب پھلت سے ایک میل نکل کر سید صاحب نے مشایعت کرنیواں کو رخصت کیا تو مولوی عبدالحی صاحب سے بھی فرمایا کہ مولانا آپ کے والد صاحب کی اجازت نہیں ہے آپ بھی رخصت ہو لیجئے۔ غرض سید صاحب نے انکو رخصت کیا اور رخصت کر کے آپ تشریف لیچلے۔ جب آپ تشریف لیچلے تو مولوی صاحب بیتاب ہو گئے اور یہ کہہ کر کہ ہائے سیّد صاحب مجھے چھوڑ گئے سر پر خاک ڈالنی شروع کی اور زمین پر لوٹنے لگے۔ جب اُنکے والد صاحب نے انکا یہ اضطراب دیکھا تو مجبوراً ان کو اجازت دینی پڑی۔ جب انکے والد نے اجازت دیدی تو وہ بھاگے اور بھاگ کر سیّد صاحب سے جا ملے۔ یہ قصہ میں نے مولوی عبدالقیوم صاحب سے سُنا ہے۔

حکایت (۱۴۱) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی اور مولوی عبدالقیوم صاحب نے فرمایا کہ سید صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جب کبھی دینی معاملہ میں مولوی عبدالحی صاحب کو غصہ آتا ہے تو اسوقت انوارِ الٰہیہ کی بارش ہوتی ہے اور جب کبھی مولوی صاحب کو غصہ آتا تھا تو سیّد صاحب مولوی صاحب کے پیچھے کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ اسکے بعد فرمایا کہ مولوی عبدالحی صاحب سید صاحب کے لشکر میں قاضی تھے اور مقدمات کا فیصلہ کرنا اور عاملوں کا مقرر کرنا آپ کے متعلق تھا۔ ایکمرتبہ کسی ولایتی نے کسی ہندوستانی کے تھپڑ مار دیا اُس نے مولوی صاحب کے یہاں نالش کی۔ مولوی صاحب نے فیصلہ کیا کہ مدعی مدعا علیہ کے تھپڑ مارے۔ مگر اس ولائتی مدعا علیہ نے اس فیصلہ کو منظور نہ کیا۔ اسپر مولوی صاحب کو نہایت غصہ آیا اور جوشِ غیظ میں کھڑے ہو گئے۔ سید صاحب

۱؎ غیر واجبات میں والد کی اطاعت مقدم ہے شیخ کی اطاعت پر۔ اور شیخ کامل بھی اسی ترتیب کا حکم دیتا ہے۔ ۲؎ غضب للہ میں انوار ہوتے ہیں۔ اور حدیث میں جو غضب کو جو مفسدِ ایمان فرمایا ہے وہ غضب نفس ہے۔ (اشرف علی)

حسبِ عادت آپ کے پیچھے کھڑے تھے۔ جب آپ نے یہ رنگ دیکھا تو آپ نے خیال کیا کہ مبادا بات بڑھ جائے اور ولائتی لوگ بگڑ جائیں اور جہاد کا معاملہ مختل ہوجائے۔ اور یہ خیال کر کے مدعی کو اشارہ سے بلایا اور بلا کر اس سے کہا تو مولوی صاحب سے کہدے کہ میں نے خدا کیواسطے اپنا حق اپنے مسلمان بھائی کو معاف کیا۔ اسنے مولوی صاحب سے اسی طرح کہدیا۔ اسکے یہ کہتے ہی مولوی صاحب کا غصہ بالکل فرو ہوگیا اور ایسے ہوگئے کہ غصہ آیا ہی نہ تھا۔

حکایت (۱۴۲) خانصاحب نے فرمایا کہ سفرِ حج میں یا جہاد میں مولوی عبدالحی صاحب کی بیوی اُن کیساتھ تھیں اور دوسرے لوگوں کی بیویاں بھی اُن کیساتھ تھیں۔ ایک مقام پر پردہ کا انتظام کر کے انہوں نے اپنی بیوی کو اتارا اور اس سے نماز پڑھوائی اور ساتھیوں سے فرمایا کہ دیکھو لو عبدالحی کی بیوی نماز پڑھ رہی ہے۔ اسپر اور لوگوں نے بھی اپنی اپنی بیویوں سے نماز پڑھوائی۔

حکایت (۱۴۳) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالحی صاحب جہاد میں شہید نہیں ہوئے بلکہ اپنی موت سے انتقال فرمایا ہے جب اُن کا انتقال ہونے لگا ہے تو انہوں نے سید صاحب سے عرض کی کہ سید صاحب شہادت[1] تو میری قسمت میں نہ ہوئی۔ اب اتنی تمنا ہے کہ آپ اپنا قدم مبارک میرے سینہ پر رکھدیجئے کہ اسی حالت میں میری جان نکل جاوے۔ سید صاحب نے فرمایا کہ میرا پاؤں اس قابل کہاں ہے کہ آپ کے سینہ پر ہو۔ اور آپ نے اُن کی تسلی کے لیے اپنا ہاتھ اُن کے سینہ پر رکھدیا اور اسی حالت میں اُن کا انتقال ہوگیا۔

---

[1] کیا انتہا ہے عقیدت کی اور اس عقیدت پر جب اظہارِ حق کا وقت ہوتا تو خود سید صاحب ان کا بے حد ادب فرماتے تھے۔ چنانچہ حکایت ۱۴۲ میں گذرا ہے کہ مولوی صاحب کے غصہ کے وقت سید صاحب اُن کے پیچھے چھپ جاتے تھے۔ ع

وزیرے چنیں شہریارے چناں ❊ جہاں چوں نگیرد قرارے چناں

شاہ عبدالرحیم صاحب ولائتیؒ کی حکایات

حکایت (۱۴۴) خانصاحب نے فرمایا اسی جگہ ذراسی بات اور لکھوانا چاہتا ہوں۔ مفصل قصہ کسی اور جگہ لکھواؤں گا (وہ مفصل حکایت (۱۴۷) میں مذکور ہے۔ شاہ عبدالرحیم صاحب ولائتی سے کسی نے کہا کہ آپ تو بڑے کمال کے آدمی ہیں اور کمال باطن میں سید صاحب سے گھٹے ہوئے نہیں بلکہ بڑھے ہوئے ہیں۔ پھر آپ سید صاحب پر اس درجہ کیوں مِٹ گئے کہ آپ بھی مرید ہوئے اور اپنے مریدوں کو بھی اُن سے مرید کرایا۔ اسکے جواب میں شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہ سب کچھ ہے مگر ہمکو نماز پڑھنی اور روزہ رکھنا نہ آتا تھا سید صاحب کی برکت سے نماز پڑھنی بھی آگئی اور روزہ رکھنا بھی آگیا۔[۱]

حکایت (۱۴۵) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے مولانا نانوتوی سے سُنا ہے کہ سید صاحب سہارنپور تشریف لائے تو بونی کی مسجد کیطرف کو نکلے۔ اس زمانہ میں شاہ عبدالرحیم صاحب ولائتی رحمۃ اللہ علیہ اس مسجد میں رہتے تھے۔ جب آپ مسجد کے نیچے تشریف لائے تو آپنے فرمایا کہ کیا اس مسجد میں کوئی بزرگ رہتے ہیں۔ ہمراہیوں نے عرض کیا کہ ہاں حضور ایک بزرگ رہتے ہیں۔ سید صاحب یہ سُنکر مسجد میں تشریف لیگئے اور حجرہ میں جاکر کواڑ لگالیے۔ جب باہر نکلے تو سیّد صاحب ہنستے ہوئے نکلے اور شاہ عبدالرحیم صاحب روتے ہوئے نکلے۔ اسی قسم کے دو یا تین جلسے اور ہوئے کہ سیّد صاحب ہنستے ہوئے اور شاہ عبدالرحیم صاحب

---

[۱] احقر یہ سمجھا ہے کہ عبادت کے کمال کی جو حقیقت ہے ان تعبد اللہ کانک تراہ الخ اسمیں سید صاحب کی صحبت سے قوت بڑھ گئی۔ سید صاحب کی یہ نسبت خاص زیادہ قوی ہوگی گو دوسرے احوال باطنیہ پہلے سے ممکن ہے کہ انہیں سید صاحب سے بھی زیادہ قوی ہوں۔ چنانچہ احقر نے ثقات سے سنا ہے کہ دونوں بزرگ ایکدوسرے کی طرف ہوکر کیفیات ونسبت کا مبادلہ کرتے تھے۔ چنانچہ (۱۴۷) میں آتا بھی ہے ۔ (اشرف علی)

روتے ہوئے نکلے[1]۔ چوتھے یا پانچویں جلسہ میں سید صاحب اپنی حالت پر نکلے اور شاہ صاحب روتے ہوئے نکلے۔ اسکے بعد شاہ عبدالرحیم صاحب سید صاحب سے بیعت ہوئے۔ یہ قصہ بیان فرما کر مولانا نانوتوی نے فرمایا کہ اوّل کے جلسوں میں جو سید صاحب ہنستے ہوئے اور شاہ صاحب روتے ہوئے نکلے تو اسکی وجہ یہ تھی کہ سید صاحب کی نسبت شاہ صاحب پر غالب تھی اور شاہ صاحب کی نسبت سیّد صاحب پر۔ اور آخر مرتبہ جو سید صاحب اپنی حالت پر اور شاہ صاحب روتے ہوئے نکلے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ سیّد صاحب کی نسبت کو غلبہ ہو گیا تھا۔

حکایت (۱۴۶) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتوی فرماتے تھے کہ شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتی کے ایک مُرید تھے جن کا نام عبداللہ خاں تھا اور قوم کے راجپوت تھے اور حضرت کے خاص مریدوں میں تھے۔ اُن کی حالت یہ تھی کہ اگر کسی کے گھر میں حمل ہوتا اور وہ تعویذ لینے آتا تو آپ فرمادیا کرتے تھے کہ تیرے گھر میں لڑکی ہوگی یا لڑکا۔ اور جو آپ بتلا دیتے تھے وہی ہوتا تھا۔ ان عبداللہ خاں نے شاہ عبدالرحیم صاحب سے عرض کیا کہ مجھے دو عصا مکشوف ہوئے۔ ایک آپکی نسبت کا اور دوسرا سیّد صاحب کی نسبت کا۔ آپ کی نسبت کا جو عصا تھا وہ نہایت خوبصورت تھا اور سیّد صاحب کی نسبت کا جو عصا تھا اسدرجہ خوبصورت نہ تھا۔ اس سے میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی نسبت سید صاحب کی نسبت سے بڑھی ہوئی ہے۔ پھر آپ ان سے کیوں بیعت ہوئے۔ آپنے فرمایا کہ ممکن ہے کہ میری نسبت کسی حیثیت سے سید صاحب کی نسبت سے بڑھی ہوئی ہو مگر مجھے پہلے نہ نماز پڑھنی آتی تھی اور نہ روزہ رکھنا آتا تھا سید صاحب کی برکت سے نماز پڑھنی بھی آگئی اور روزہ بھی رکھنا آگیا۔ مولینا

---

[1] بگوشِ گل چہ سخن گفتہ کہ خندان است ۔ بعندلیب چہ فرمودہ کہ نالاں است (اشرف علی)

گنگوہی اس روایت کو یوں بیان فرماتے تھے کہ عبداللہ خاں نے ایک روز شاہ عبدالرحیم صاحب سے عرض کیا کہ میں نے آپ کی اور سید صاحب کی نسبتوں کیطرف توجہ کی تو آپ کی نسبت میں نور اور چمک دمک معلوم ہوئی اور سید صاحب کی نسبت میں اندھیرا۔ اور یہ بات بیان فرما کر مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ بھائی ہم تو کچھ نہیں جانتے مگر جب حاجی صاحب کے یہاں اس قصہ کا ذکر آیا تو حاجی صاحب نے فرمایا کہ سید صاحب کی نسبت میں ذات بحت کی تجلی تھی اور ذات بحت کی تجلی میں اندھیرا ہی ہوتا ہے۔[1]

جملہ معترضہ (خانصاحب نے فرمایا کہ امیر شاہ نے مولانا نانوتوی سے دریافت کیا کہ حضرت جب آپ سید صاحب کو مجدد مانتے ہیں تو اُن کی نسبت تو سب سے اعلیٰ ہونا چاہیئے۔ پھر ان کی نسبت کا شاہ عبدالرحیم صاحب کی نسبت سے گھٹا ہوا ہونا کیا معنی۔ اسکے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ جس بات کیلئے مجدد آتا ہے اسمیں اس سے کوئی بڑھا ہوا نہیں ہوتا۔ ہاں دوسری حیثیت سے جیسے ذکر و اشغال وغیرہ اگر اس سے کوئی بڑھ جائے تو اس کا مضائقہ نہیں) عود الی ماقبل الجملۃ المعترضۃ۔

اس کے بعد خانصاحب نے فرمایا کہ میں نے مولانا گنگوہی کی روایت اور مولانا نانوتوی کی روایت دونوں کو حاجی صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ حاجی صاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی نے ضرور مجھ سے سُنا ہوگا مگر مجھے یاد نہیں آتا۔ اور مولانا نانوتوی کی روایت کو سُنکر فرمایا کہ مولانا نانوتوی کی عبداللہ خاں سے بہت دوستی تھی ممکن ہے کہ انہوں نے مولانا سے یہ واقعہ بیان کیا ہو۔ مگر مجھے یہ بھی یاد نہیں۔ اسکے بعد خانصاحب نے فرمایا

---

[1] اسکو ظلمت نہ سمجھا جاوے یہ بھی نور ہے جیسے آنکھ کی تپلی نور محض ہے اور سیاہ ہے اور یہ تجلی بھی عین نہیں ہوتی مثال ہوتی ہے جس کو ذات سے خاص مشابہت ہے کہ اس میں وصفِ غلبہ علی جمیع الالوان ہے اور ذات میں وصفِ غلبہ علی الاکوان۔ چنانچہ ہر رنگ کی بوتل اپنے مظروف کے لون سے متغیر ہو جاتی ہے مگر سیاہ بوتل کسی لون سے متغیر نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم۔ (اشرف علی)

کہ حضرت حاجی صاحب نے بھی اس واقعہ کی نسبت ایک تقریر فرمائی تھی مگر نہ وہ تقریر بعینہٖ مجھے یاد رہی اور نہ اسکا ماحصل، اتنا خیال آتا ہے کہ آپ کی تقریر دونوں روایتوں کی مؤید تھی نہ کہ مخالف۔

حکایت (۱۴۷) خانصاحب نے فرمایا کہ شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری فرماتے تھے کہ شاہ عبدالرحیم صاحب ولائتی سے جو لوگ ان کے سید صاحب سے بیعت ہو نیکے بعد بیعت ہوئے اُن کی حالت نہایت اچھی تھی اور ان پر اتباعِ سنت نہایت غالب تھا۔ اور جو لوگ سید صاحب کی بیعت سے پہلے بیعت ہوئے تھے انکی حالت اس درجہ کی نہ تھی۔ نیز مولانا رائپوری نے فرمایا کہ جب شاہ عبدالرحیم صاحب سید صاحب سے بیعت ہو چکے تو اسکے بعد وہ ساڈھورہ[1] تشریف لیگئے اور وہاں تشریف لیجا کر اپنے سابق پیر کے خدام کو و نیز قصبہ کے تمام عوام و خواص کو بُلا کر ایک جلسہ کیا اور اس جلسہ میں آپنے فرمایا کہ میرے پیر کا عرس تو پہلے بھی ہوتا تھا مگر ترقی اسے میں نے دی تھی اور موجودہ حالت اسکی میری کوشش سے ہوئی ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت دی ہے اور میری سمجھ میں اسکی برائی آگئی۔ اسلئے میں آپ صاحبان سے درخواست کرتا ہوں کہ اس عرس کو موقوف کر دیا جاوے۔ شاہ عبدالرحیم صاحب کے پیر کے دو صاحبزادے تھے انہوں نے بر سر جلسہ کہا کہ یہ حاجی نہیں پاجی ہے اسکی کوئی نہ سُنو۔ یہ سُنکر سب اُٹھ کھڑے ہوئے اور سب چلے گئے۔ مگر عبداللہ خاں جنکا ذکر نمبر سابق میں آیا ہے نہیں اُٹھے اور یہ بیٹھے رہے شاہ صاحب نے تھوڑی دیر میں فرمایا کہ میاں عبداللہ خاں سب چلے گئے تم کیوں بیٹھے ہو تم بھی چلے جاؤ۔ اسپر عبداللہ خاں نے عرض کیا کہ حضرت اگر یہ آپ کے پیر[2] قبر میں سے

---

[1] غالباً ذہول ہوا ہے امروہہ ہوگا ان کے پیر سابق کا مزار امروہہ ہی میں ہے۔ [2] یہ مسلمہ ہے کہ قوم کے نزدیک شیخ کے مقابلہ میں شیخ الشیخ کی اطاعت نہیں ہے ہاں اسکا معاملہ خود شیخ کیساتھ ہے ۔

(اشرف علی)

اُٹھ کر کہیں گے کہ اُٹھ جائیں تب بھی نہ اٹھوں گا اور پیر تو پیر اگر ان کے پیر بھی کہیں گے تب بھی نہ اٹھوں گا۔ اور اسی طرح بہت دور ترقی کرتے چلے گئے۔ غرض انہوں نے کہا کہ میں کسی طرح آپ کو نہ چھوڑوں گا۔

اضافہ از احقر ظہور الحسن کسولوی غفرلہ ولوالدیہ

حکایت (۱۸۴) ایک دن ارشاد فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب شہید اور دو شخص ان کے ہمراہ ہو کر امروہہ شاہ عبد الہادی صاحب کی خدمت میں بغرض بیعت حاضر ہوئے تین دن تک حضرت کے ہاں مسجد میں مہمان رہے۔ حضرت شاہ صاحب نے اُن کے حال پر کچھ توجہ نہ فرمائی۔ نماز کیلئے مسجد میں آتے اور فارغ ہو کر حجرہ میں تشریف لیجاتے۔ جب اسی طرح تین دن گذر گئے تو دونوں ہمراہیوں نے حضرت حاجی صاحب شہید سے کہا کہ میاں یہ تو ایک امیر آدمی معلوم ہوتے ہیں ہماری طرف بالکل بھی توجہ نہیں کرتے۔ پھر ہم بھی مُرید ہو کر کیا کرینگے چلو کوئی دوسری جگہ دیکھیں جہاں فقیری اور درویشی ہو۔ حضرت حاجی صاحب نے جواب دیا بھائی تمہیں اختیار ہے جاؤ میں تو اسی جگہ کا ہو رہا۔ آخر وہ دونوں چلدیے۔ اسکے بعد جو حضرت حاجی صاحب شہید شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت نے چپ بجبیں ہو کر آڑے ہاتھوں لیا اور خوب دھمکایا کہ یہاں کیوں پڑے ہو جاتے کیوں نہیں؟ حاجی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت مجھے تو سلسلہ خدام میں داخل فرمالیں۔ شاہ صاحب نے ترشی کیساتھ جواب دیا۔ "میں ایک امیر آدمی ہوں پان چھالیہ کھاتا ہوں۔ میں بیعت کرنے کے قابل نہیں نہ میں تم کو بیعت کرتا ہوں جاؤ کوئی دوسری جگہ دیکھو" حاجی صاحب نے گردن جھکا لی اور

عرض کیا کہ حضرت مجھے تو بیعت فرما ہی لیں۔ آخر دو چار دن کے بعد حضرت کو یقین ہوا کہ بدون بیعت جائینگے نہیں۔ تب ظہر و عصر کے مابین حاجی صاحب کو ہمراہ لیکر دریا پر گئے اور دریا کے کنارے انکو بیعت کیا۔ حضرت حاجی صاحب شہید پر بے اختیار ہنسی کا غلبہ ہوا اور قہقہے لگانے شروع کیے حضرت شاہ صاحب بھی اسی طرح ہنسنے لگے۔ جب عصر کا وقت ہوا تو شاہ صاحب نماز پڑھانے کیلئے کھڑے ہوئے۔ حاجی صاحب مقتدی تھے مگر دونوں پر ہنسی اس درجہ طاری تھی کہ نماز کی نیت نہ باندھ سکے۔ کتنی مرتبہ نماز کی نیت سے کھڑے ہوئے مگر پڑھ ہی نہ سکے۔ آخر جب وقت تنگ ہونے لگا تو بمشکل نماز پڑھی۔ دو چار روز کے بعد حاجی صاحب حضرت شاہ صاحب سے رخصت ہو کر ایک جگہ اللہ کی یاد میں مصروف ہو گئے۔ چھ ماہ بعد شاہ صاحب کی زیارت کو امروہہ حاضر ہوئے تو شاہ صاحب کا وصال ہو گیا تھا۔ یہ ابھی مجاز بھی نہیں ہوئے تھے کہ شیخ کا انتقال ہو گیا۔

اسی طرح حضرت حاجی صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ اوّل ہی اوّل پنجبالہ میں شاہ رحم علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے تھے۔ شاہ صاحب نے ان کے حال پر بڑی عنایت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ لو یہ لڈو لیکر جاؤ اور کالا آم کے پہاڑ میں بیٹھ کر اپنا کام کرو۔ چنانچہ بموجب ارشاد چھ ماہ کالا آم کے پہاڑ میں یادِ الٰہی میں مصروف رہے۔ اور درختوں کے پتے کھا کر گزارا کیا۔ چھ ماہ کے بعد وہ لڈو لیکر پنجبالہ آئے۔ اُن کے پہنچنے سے پہلے شاہ صاحب کا بھی انتقال ہو لیا تھا اُنسے بھی مجاز نہ ہوئے۔

آخر سیّد صاحب بریلویؒ جب سہارنپور تشریف لائے تو حضرت حاجی صاحب بھی حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ مجھے اجازت عطا فرماویں میں ذکر و شغل حضرات قادریہ و چشتیہ کے کر چکا ہوں۔ سیّد صاحب نے فرمایا جبتک ہم سے بیعت نہ ہو گے

ہم تمہیں اجازت نہ دینگے۔ بموجب ارشادِ سیّد صاحبؒ آخر بیعت ہوئے اور حضرت سیّد صاحب نے انہیں مجاز فرمایا۔ حضرت حاجی صاحب شہید فرمایا کرتے تھے کہ سیّد صاحب میں انوارِ شریعت بہت زیادہ ہیں۔ جب دونوں حضرات مراقب ہوتے تھے حضرت حاجی صاحب شہید ہنستے تھے اور سید صاحب خاموش رہتے تھے۔

حکایت (۱۴۹) ایک دن ارشاد فرمایا کہ خانقاہِ پنجبالہ میں جو تالاب ہے، اسکو حضرت حاجی صاحب شہیدؒ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ہاتھ سے کھودا ہے۔ پیر جیو محمد جعفر صاحب ساڈھوروی نے عرض کیا کہ حضرت پہلے تمام سال تک اس تالاب میں بکثرت پانی رہتا تھا۔ دوسرے تالاب سارے سُوکھ جاتے تھے مگر اسکا پانی خشک ہوتا کبھی نہیں دیکھا تھا۔ مگر اب دس بارہ برس ہوئے کہ اس تالاب کو گاؤں والوں نے صاف کیا اور مٹی نکال کر اس کو گہرا کر دیا ہے اسوقت سے یہ بات جاتی رہی ہے اب تو برسات برسات پانی نظر آتا ہے اور بعد میں سوکھ جاتا ہے۔ برسات کے بعد ایک ماہ پورا بھی اس تالاب میں پانی نہیں رہتا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا ہاں جو بات اس تالاب میں تھی وہ جاتی رہی۔ (منقول از تذکرۃ الرشید)

حضرت میانجیو نور محمد صاحب جھنجھانویؒ کی حکایات

حکایت (۱۵۰) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی نے فرمایا یا مولانا نانوتوی نے (اچھی طرح یاد نہیں مگر سُنا انہی میں سے کسی ایک سے ہے) کہ ایک شخص نہایت خوش گلو تھے اور نعت وغیرہ پڑھا کرتے تھے۔ کسی نے میانجی نور محمد صاحب سے عرض کیا کہ حضرت...... یہ شخص خوش گلو ہے اور نعت پڑھتا ہے آپ بھی سُن لیجیے۔

آپنے فرمایا کہ لوگ مجھے کبھی کبھی امام بنا دیتے ہیں[1] اور غنا بلا مزامیر میں بھی علماء کا اختلاف ہے اور اسلیئے اس کا سُننا خلافِ احتیاط ہے۔ لہٰذا میں اسکے سُننے سے معذور ہوں۔

حکایت (۱۵۱) فرمایا کہ جھنجانہ میں ایک صاحب کشف آئے اور حضرت میاں جیو کے مزار پر حاضر ہوئے۔ بعد میں انہوں نے کہا کہ افسوس کس ظالم نے ان کو امام سید محمود کے پاس دفن کر دیا۔ یہ یہاں ادب کیوجہ سے اپنے انوار روکے ہوئے ہیں۔ اگر کسی ویرانے میں ہوتے تو دنیا ان کے انوار سے جگمگا جاتی۔ اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں انکی ہڈیاں نکال کر دوسری جگہ دفن کر دیتا۔ پھر ان کے انوار و برکات کا مشاہدہ ہوتا۔ (منقول از اشرف التنبیہ)

شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی قدس سرہٗ کی حکایات

حکایات (۱۵۲) خانصاحب نے فرمایا کہ ایک شخص پنجابی ڈاکٹر مکہ معظمہ گیا تھا۔ حافظ ۔۔۔ کی بیوی سے ان کا نکاح ہو گیا تھا۔ اس نکاح میں کچھ باتیں حضرت حاجی صاحب کی طبیعت کے خلاف بھی ہوئی تھیں اور یہ ڈاکٹر کچھ اچھا آدمی بھی نہیں تھا۔ چنانچہ میں اسکو مکہ جانیسے پہلے سے جانتا تھا۔ اس ڈاکٹر نے ایک مرتبہ گستاخانہ طور پر حضرت حاجی صاحب سے کہا کہ مجھے آپ کے اندر کوئی کمال نظر نہیں آتا۔ رہی آپ کی شہرت سو یہ مولوی رشید احمد صاحب اور مولوی محمد قاسم صاحب کیوجہ سے ہوتی ہے۔ پھر مجھے حیرت ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب اور مولوی محمد قاسم صاحب آپ سے بیعت کسطرح ہو گئے۔ اللہ رے نفوسِ قدسیہ کہ اسکو سُن کر ذرا تغیر نہیں ہوا اور

---

[1] کس قدر ادب ہے منصب امامت کا کہ اختلافات سے بھی احتیاط کی۔ یہ تھے صوفی صافی کہ شریعت کا اسقدر پاس فرماتے تھے۔ (اشرف علی)

مسکرا کے فرمایا کہ ہاں بھائی بات[1] تو ٹھیک کہتے ہو مجھے خود بھی حیرت ہے کہ یہ حضرات میرے کیوں معتقد ہو گئے اور لوگ مجھے کیوں مانتے ہیں۔

حکایت (۱۵۳) خانصاحب نے فرمایا کہ پھلاؤدہ ضلع میرٹھ میں لاوڑ کے قریب ایک مقام ہے۔ وہاں کے رہنے والے ایک شخص تھے جنکا نام مجھے یاد نہیں رہا۔ یہ صاحب حافظ عبد الغنی صاحب کے (جو کہ پھلاؤدہ کے رہنے والے اور مولوی احمد صاحب امروہی کے شاگرد ہیں) دادا کے چھوٹے بھائی تھے اور رئیس بھی تھے۔ ان صاحب نے مجھ سے بیان فرمایا کہ جو بچہ بکری کا پیدا ہوتا تھا میں اُس کی اُون کترو الیتا تھا اسطرح میں نے اُون جمع کروا کے حاجی صاحب کیلئے ایک کملی بنوائی اور اس وقت تک میں حاجی صاحب کی زیارت سے مشرف نہ ہوا تھا بلکہ غائبانہ طور پر معتقد تھا۔ جب میں حج کیلئے گیا تو اس کملی کو اپنے ساتھ لیگیا۔ ایک جگہ ہمارا جہاز طغیانی میں آگیا اور جہاز میں ایک شور برپا ہو گیا۔ میں چھتری پر تھا وہاں سے اتر کر تختہ کی جالیوں سے کمر لگاکر اور منہ لپیٹ کر ڈوبنے کیلئے بیٹھ گیا۔ کیونکہ میں سمجھتا تھا اب کچھ دیر میں جہاز ڈوبے گا اسی اثنا میں مجھ پر غفلت طاری ہوئی۔ میں نہیں سمجھتا کہ وہ نیند تھی یا غم کی بدحواسی۔ اسی غفلت میں مجھ سے ایک شخص نے کہا کہ فلانے اٹھو اور پریشان مت ہو۔ ہوا موافق ہو گئی ہے۔ کچھ دیر میں جہاز طغیانی سے نکل جاویگا اور میرا نام امداد اللہ ہے۔ مجھے میری کملی دو۔ میں نے گھبرا کر کملی دینی چاہی اس گھبراہٹ میں آنکھ کھل گئی اور میں نے

---

[1] یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ غیر ٹھیک کو ٹھیک کیسے فرمادیا اور ٹھیک بات کیوں نہ بتلادی۔ بات یہ ہے کہ چونکہ ان حضرات کی نظر ہمیشہ کمالات موجودہ سے آگے کے کمالات پر ہوتی ہے ان کے اعتبار سے اپنے کمالات موجودہ کو کمال نہیں سمجھتے اس اعتبار سے نفی کمال کو ٹھیک فرمادیا۔ باقی اصل بات کا نہ بتلانا اسکی وجہ نااہل سے غیرت فی الدین ہے کما قال الشیرازیؒ ؎ بامدعی مگوئید اسرار عشق و مستی ٭ بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی۔ (حضرت تھانوی)

لوگوں سے کہدیا کہ تم مطمئن ہوجاؤ جہاز ڈوبے گا نہیں کیونکہ مجھ سے حاجی صاحب نے خواب میں بیان فرمایا ہے کہ جہاز ڈوبے گا نہیں۔ اسکے بعد میں نے لوگونسے پوچھا کہ تم میں سے کوئی حاجی امداد اللہ صاحب کو جانتا ہے۔ مگر کسی نے اقرار نہیں کیا۔ آخر جہاز طغیانی سے نکل گیا اور ہم مکہ پہنچ گئے۔ میں نے لوگوں سے کہدیا تھا کہ مجھے حاجی صاحب کو نہ بتلائے میں خود ان کو پہچانوں گا۔ جب میں طوافِ قدوم کر رہا تھا تو میں نے طواف کرتے ہوئے حاجی صاحب کو مالکی مصلّٰی کے قریب کھڑے دیکھا اور دیکھتے ہی پہچان لیا کیونکہ ان کی شکل اور لباس وہی تھا جو میں نے خواب میں دیکھا تھا صرف فرق اتنا تھا کہ جب میں نے جہاز میں دیکھا تھا تو اسوقت آپ لنگی پہنے ہوئے تھے اور اسوقت پاجامہ۔ میں نہیں سمجھتا تھا کہ اتنا فرق کیوں تھا۔ خانصاحب فرماتے ہیں کہ میں نے یہ وجہ بیان کی کہ جہاز کو طغیانی سے نکالنے کیلئے لنگی ہی مناسب تھی اسلیئے آپنے لنگی پہنے دیکھا تھا۔ سُن کر وہ بہت خوش ہوئے۔ اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ میں طواف سے فارغ ہو کر حاجی صاحب سے ملا اور کملی پیش کی اور جہاز کا قصہ عرض کیا۔ آپنے فرمایا کہ بھائی مجھے تو خبر بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ بعض اوقات اپنے کسی بندے کی صورت سے کام لے لیتے ہیں۔

حکایت (۱۵۴) خانصاحب نے فرمایا۔ حافظ احمد حسین مراد آباد کے رہنے والے ایک شخص تھے جو مولوی امانت علی صاحب امروہوی کے مُرید تھے۔ انہوں نے حاجی صاحب کو خط لکھا اور اس میں لکھا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب نے حُبِّ عقلی کو حُبِّ عشقی پر ترجیح دی ہے اور وجہ یہ بیان کی ہے کہ حُبِّ عشقی وصل کے بعد مضمحل ہوجاتی ہے مگر حُبِّ عقلی وصل میں اور زیادہ بڑھتی ہے اور اسی طرح شکر کو صبر پر ترجیح دی ہے۔ حضور کا اس میں کیا مسلک ہے؟

لے حاشیہ اگلے صفحہ ۱۵۹ پر ملاحظہ فرمائیں۔

حاجی صاحب نے اس خط کا تقریباً ڈیڑھ جزو میں جواب لکھا اور جواب میں حُبِ عشقی کو حُبِ عقلی پر ترجیح دی اور لکھا کہ حُبِ عشقی نا متناہی ہے اور حُبِ عقلی متناہی۔ اور وجہ اسکی یہ تحریر فرمائی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں۔ لو کشف الغطاء ما ازددت یقینا۔ یہ حُبِ عقلی تھی اور اس سے اسکی تناہی ظاہر ہے۔ اور ترجیح صبر کے متعلق تحریر فرمایا کہ حق تعالیٰ صابرین کے متعلق فرماتے ہیں۔ ان اللہ مع الصابرین اور شاکرین کے متعلق فرماتے ہیں لئن شکرتم لازیدنکم اور معیت حق اور زیادت نعمت میں فرق ظاہر ہے۔ غرض اس بحث کو حاجی صاحب نے نہایت مفصل تحریر فرمایا تھا اور میں نے اس خط کی نقل بھی لے لی تھی اسی لیے اس کے مضامین مجھے محفوظ نہیں رہے مگر وہ نقل میرے پاس سے ضائع ہوگئی۔ اس کے بعد میں نے مرادآباد میں تلاش کیا تو مجھے وہاں بھی نہ ملا۔ خیر حاجی صاحب نے اس خط کو تمام فرماکر مولانا گنگوہی کو سنایا۔ اس مجلس میں حافظ عطاء اللہ اور مولوی عبدالکریم منشی تجمل حسین (حاجی صاحب کے بھتیجے) بھی موجود تھے مولانا گنگوہی نے حاجی صاحب کے جواب کو نہایت پسند فرمایا۔ اسکے بعد جب مولانا اس مجلس سے اٹھے تو منشی تجمل حسین صاحب نے مولانا سے دریافت کیا کہ حضرت آپ فرمائیں آپ کے نزدیک حاجی صاحب کا مضمون اچھا ہے یا مولوی اسمٰعیل صاحب کی صراطِ مستقیم کا۔ آپ نے فرمایا دونوں بہت

---

۱ اکثر تو ایسا ہی ہوتا ہے اور وہ کوئی غیبی لطیفہ ہوتا ہے جو کسی مانوس شکل میں متمثل ہوجاتا ہے اور کبھی خبر بھی ہوتی ہے بطور کرامت کے مگر اسکی کوئی یقینی پہچان نہیں زیادہ مدار اس بزرگ کے قول پر ہے وہ بھی جبکہ کسی مصلحت سے اخفا نہ کریں۔ ۲ اور حب عشقی کے غیر متناہی ہونے کی دلیل احقر نے خود حضرت حاجی صاحب سے سنی ہے ؎ عشق دریائیست قعرش ناپدید۔ اور وصل میں مضمحل ہوجانا حب عشقی کا اسوقت ہے کہ جب حسن و جمال محبوب کا متناہی ہو اور عشق حقیقی میں یہ ہے نہیں پس وہاں ایسا نہیں۔ (اشرف علی)

اچھے ہیں[1]۔ اسکے بعد جب مولانا طواف کر کے حطیم میں بیٹھے تھے تو منشی تجمل حسین نے پھر پوچھا کہ حضرت اچھے تو بیشک دونوں ہیں مگر آپ کے نزدیک ان دونوں میں کون زیادہ اچھا ہے تو آپنے فرمایا کہ حُبِ عشقی میں سب باتیں ہیں مگر ایک بات یہ ہے کہ اس میں انتظام نہیں اور اسلیے حدودِ شرعیہ اس میں ملحوظ نہیں رہتیں۔ اس بنا پر میں جبتک اعمال کی ضرورت ہے اسوقت تک تو حُبِ عقلی کو پسند کرتا ہوں اور جب انتقال کا وقت ہو اسوقت غلبہ حُبِ عشقی کو پسند کرتا ہوں۔

حکایت (۱۵۵) خانصاحب نے فرمایا کہ میں جب سفرِ حج کر کے مکہ مکرمہ حاضر ہوا ایک دن حسبِ معمول حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دوپہر کے وقت حاضر تھا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ رشید و قاسم بمنزلہ میرے ہوتے ہیں اور میں بمنزلہ اُن کے۔ فرمایا کہ ہاں میں اسکے اظہار پر مامور تھا۔ تب میں نے عرض کیا کہ حضرت پھر آپ ان دونوں کے خلاف کیوں کرتے ہیں۔ اسپر حضرت اُٹھ کر کے بیٹھ گئے اور ہنسکر فرمایا تو سچ کہتا ہے تجھے قائل کرنا خوب آتا ہے[2]۔

حکایت (۱۵۶) خانصاحب نے فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے حدیث زملونی زملونی کا تذکرہ آیا جبکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی دفعہ

---

[1] اور یہ فیصلہ بھی بہت ہی اچھا ہے۔ [2] حضرتؒ کا یہ ارشاد، تجھے قائل کرنا خوب آتا ہے۔ جواب نہیں ہے۔ سکوت عن الجواب بطریقِ احسن ہے اور جواب نہ دینا شاید اسلیے ہو کہ رعایتِ حدود کیساتھ اگر اختلاف ہو وہ اجتہادی ہے اور نیت سائل کی بخیر تھی اسلیے جواب کی ضرورت نہیں ورنہ جواب ظاہر ہے کہ یہ رائے کا اختلاف ہے جس میں اجتہاد کی گنجائش ہے کہ مجوزین پر حُسنِ ظن غالب ہے اور مانعین پر حزم و انتظام غالب ہے۔ اور یہ اختلاف نفسِ مسئلہ میں ایسا ہے جیسے حنفیہ جمعہ کے روز صبح کی نماز میں الم تنزیل السجدہ کی قرأت کے التزام کو باوجود نقل کے ابہامِ عوام کے سبب مکروہ کہتے ہیں اور شافعیہ مستحب کہتے ہیں اور ابہام کا علاج اصلاح بالقول کو کہتے ہیں۔ (اشرف علی)

چیز ہی کو دیکھا تھا اور آپ مضطرب ہو کر واپس تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے کمبل اوڑھاؤ مجھے کمبل اڑھاؤ۔ عرض کیا گیا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت یکایک اپنی حقیقت کا تحمل نہیں فرما سکے جو جبرئیل کو دیکھ کر آپ پر منکشف ہوئی۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ غیر جنس میں رہ کر اپنی حقیقت محجوب رہتی ہے اور ہم جنس کو دیکھ کر منکشف ہو جاتی ہے جیسے مشہور ہے کہ کسی شخص نے شیر کا بچہ پال لیا تھا اور اسے اپنی بکریوں میں چھوڑ رکھا تھا۔ شیر کو ان بکریوں میں رہ کر اپنی حقیقت کی خبر نہ تھی وہ بھی مثل بکریوں کے مسکین بنا ہوا تھا۔ اتفاق سے ایک دن پانی پیتے ہوئے اس نے اپنا چہرہ دیکھ لیا اور اپنی شجاعت و بسالت کی تصویر اس کی آنکھوں کے سامنے آگئی۔ اور پھر جو بکریوں کو دیکھا تو سمجھا کہ میں بکری نہیں ہوں کچھ اور ہی ہوں یہ حقیقت پا کر جو بکریوں میں گیا تو سب بکریوں میں غل غدر مچ گیا۔ کسی کو پھاڑ ڈالا کسی کو کھا گیا کسی کو مار لیا پھر فرمایا کہ ایک جزیرے میں فرض کرو سب بدرُو بدشکل بستے ہوں، ایک خوبصورت پری پیکر پیدا ہو جائے تو ظاہر ہے کہ ان میں رہ کر وہ بھی اپنے کو انہیں جیسا سمجھتا رہیگا اور اپنی خوبصورتی کی حقیقت اس پر بوجہ ناجنسی اختلاط کے منکشف نہ ہوگی۔ اسلیے نہ ناز و انداز کریگا نہ کرشمہ غمزہ کی راہ چلے گا۔ لیکن اتفاق سے اگر وہاں اس جیسا کوئی دوسرا حسین آنکلے جس کے ناز و کرشمہ اور ادائیں ہوں تو ضرور ہے کہ اسے دیکھ کر اُسے اپنی حقیقت فوراً منکشف ہو جائے گی۔ اور وہ بھی ناز و انداز کرنے لگے گا۔ اسی طرح حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مثل اس شیر کے اور مثل اس حسین کے مکہ کے جاہلوں کے درمیان تھے اور آپ پر اپنی حقیقت منکشف نہ تھی۔ لیکن جونہی کہ آپ نے جبرئیل کو دیکھا جو اس معنی آپکے ہم جنس تھے کہ ان کی تربیت بھی صفتِ علم کرتی ہے اسی لیے وحی والہام کی خدمت انکے سپرد ہوئی

اور انبیاء علیہم السلام کی تربیت بھی صفتِ علم ہوا کرتی ہے اور انکے چہرہ میں آپکو اپنی حقیقت نظر آگئی لیکن وہ اتنی عظیم الشان تھی کہ یکایک آپ اس کا تحمل نہ فرما سکے اور اضطراب میں زملونی زملونی فرمایا۔ یہ نہیں کہ آپ جبرئیل سے خائف ہوگئے تھے۔ پھر حاجی صاحب نے یہ شعر پڑھا (احقر کو یاد نہیں رہا) اسپر خانصاحب فرماتے ہیں کہ میں نے یہ شعر پڑھا ؎

دیکھو مت دیکھیو کہ آئینہ ؛ غش تمہیں دیکھ کر نہ آجائے

خانصاحب فرماتے تھے کہ مولانا محمود حسن صاحب بار بار اس واقعہ کو مجھ سے سنا کرتے تھے اور جھومتے تھے۔

لے ایک ذوقی توجیہ ہے اور چونکہ کوئی نص اسکی مصادم نہیں لہٰذا اس کو رد نہیں کیا جاسکتا۔ اگر کسی کو اس واقعہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد لقد خشیت علی نفسی (رواہ البخاری) کے مصادم کا شبہ ہو تو جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں خشیت کا مفعول جبرئیل نہیں ہیں تاکہ تصادم ہو بلکہ معنی یہ ہیں کہ خشیت ان لا احتمل اعباء الرسالۃ کیونکہ اس تحمل کے لیے خاص قوت کی ضرورت ہے اور وہ اس وقت مغلوب ہے۔ پس کچھ تصادم نہیں رہا۔ اور حضرت خدیجہؓ کے اس قول کا (واللہ لا یخزیک اللہ ابداً انک لتصل الرحم وتحمل الکل وتکسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق) حاصل استدلال عقلی ہے عطاء قوت تحمل پر، کیونکہ یہ قوت ثمرہ ہے تائید حق کا اور یہ افعال جالب ہیں تائید حق کے۔ اس کے بعد حضرت خدیجہؓ کا آپ کو حضرت ورقہ بن نوفل کے پاس لیجانا اس غرض سے تھا کہ یہی مقصود دلیل نقلی سے بھی ثابت ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا جس کا حاصل اس تحمل کی ایک نظیر بتلانا تھا نہ یہ کہ آپ کو اپنی نبوت میں شبہ تھا جو حضرت ورقہ کے قول سے رفع ہوگیا۔ پھر جب آپ کی اس حالت کو سکون ہوا تو اللہ تعالیٰ کی حکمت سے اس تحمل کا طریق یہ تجویز کیا گیا کہ وحی کا سلسلہ جلدی جاری نہیں کیا گیا جس سے آپ کے اشتیاق کو یہاں تک ہیجان ہوا کہ بخاری کی روایت میں ہے فتر الوحی حتی حزن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما بلغنا حزناً غدا منہ مراراً کی یتردی من رؤس شواھق الجبل فکلما اوفی بذروۃ جبل لکی یلقی نفسہ تبدی لہ جبرئیل فقال یا محمد انک رسول اللہ حقاً فیسکن لذلک جاشہ وتقر نفسہ (کذا فی المشکوٰۃ) اور اشتیاق سے مطلوب میں گرانی نہیں رہتی۔ یہ توضیح ہے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کی۔ مولانا نے مثنوی میں دفتر چہارم کے بالکل ختم کے قریب اس واقعہ کی نظیر کی دوسری توجیہ فرمائی ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا تاثر حضرت جبرئیل علیہ السلام سے مان لیا ہے لیکن متاثر حقیقت محمدیہ نہ تھی بلکہ جسد محمدیہ تھا۔ اور حقیقت محمدیہ کی وہ شان ہے کہ خود حضرت جبرئیل علیہ السلام اس کا تحمل نہیں فرما سکتے۔ یہ حاصل

بقیہ حاشیہ ص ۱۶۳ پر

حکایت (۱۵۷) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کا اصل مذاق تحمل تھا۔ ایک شخص نے مجھ سے (یعنی حضرت مرشدی مولانا تھانوی مدظلہم) کہا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت متحمل تھے اور تم سخت ہو۔ میں نے کہا کہ مقصود دونوں کا اصلاح ہے مگر حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بابرکت تھے اور ہم بابرکت نہیں۔ ہم جب تک حرکت نہ کریں اصلاح کا کام نہیں چلتا۔ اسلیئے ہم حرکت سے اصلاح کرتے ہیں اور حضرت برکت سے اصلاح کرتے ہیں۔

حکایت (۱۵۸) فرمایا کہ ایک شخص نے حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز

بقیہ صـ ۱۶۲ ہے ان کی تقریر کا اور یہ اختلاف ذوق کا ہے۔ تفریحاً اس مقام کے متعلق چند اشعار نقل کرتا ہوں ؎

مصطفےٰ میگفت پیشِ جبرائیل — کہ چنانچہ صورتِ تست اے جلیل
مر مرا بنمائے محسوس آشکار — تا بہ بینم من ترا نظارہ دار
گفت نتوانی و طاقت نبودت — حس ضعیف است و تنک سخت آیدت
چونکہ کرد الحاح بنمود اندکے — ہیبتے کہ کہ شود زاں مندکے
شہپری بگرفتہ شرق و غرب را — از مہابت گشت بیہش مصطفےٰ
چوں زبیم و ترس بے ہوشش بدید — جبرئیل آمد در آغوشش کشید
قابلِ تغیر اوصافِ تن است — روح باقی آفتاب روشن است
جسمِ احمد را تعلق بد بداں — آں تغیر آں تن باشد بداں
ہیبتِ احمد زاں نظر بیہوش گشت — بحر او از مہر کف پرجوش گشت
احمد ار بکشاید آں پرِ جلیل — تا ابد مدہوش ماند جبرئیل
چوں گذشت احمد ز سدرہ و مرصدش — وز مقامِ جبرئیل و از حدش
گفت او را ہیں بپر اندر پیم — گفت رو رو کہ حریفِ تو نیم
باز گفتہ کز پیم آ اے و مائیست — گفت رو زیں پس مرا دستور نیست
باز گفت او را بیا و پردہ سوز — من باوجِ خود نرفتستم ہنوز
گفت بیروں زیں حدائے خوش فرمن — گر زنم پرے بسوزد پرِ من (اشرف علی)

(منقول از روایات الطیب)

کی برکت کی حکایت جو اُن کے معاملہ میں ظاہر ہوئی تھی مجھ سے بیان کی کہ میں ایک آزاد شخص تھا نماز بھی نہ پڑھتا تھا حضرت سے بیعت کو جی چاہا حضرت سے عرض کیا کہ اعمال کی تو ہمت نہیں اگر آزاد رکھا جاوے تو بیعت ہوتا ہوں. اور یہ بھی شرط ہے کہ ایک تو نہ نماز پڑھوں گا اور ایک ناچ دیکھوں گا. حضرت نے منظور فرمالیا اور بیعت کر لیا اور فرمایا کہ ایک شرط ہماری بھی ہے کہ ہم تھوڑا سا ذکر بتلاوینگے اس کو کر لیا کرنا. انہوں نے کہا بہت اچھا. اس ذکر کا اُن پر یہ اثر ہوا کہ جب نماز کا وقت آیا تو دفعتاً بدن میں خارش شروع ہوئی اب جو تدبیر بھی اسکے دفع کی کی گئی وہی اُلٹی پڑی. کہیں چنبیلی کا تیل مل رہے ہیں کہیں اور تدبیر کر رہے ہیں مگر کچھ افاقہ نہیں ہوا. پھر جی میں آیا کہ لاؤ ٹھنڈے پانی سے منہ ہاتھ ہی دھووں. جب دھو چکے پھر خیال آیا کہ سب اعضاء تو دُھل گئے لاؤ مسح بھی کر لوں. وضو کا تمام ہونا تھا کہ خارش آدھی رہ گئی مگر پھر جی میں آیا کہ لاؤ نماز بھی پڑھ لوں. کوئی یہ شرط تھوڑا ہی تھی کہ بالکل ہی نہ پڑھوں گا. نماز کا شروع کرنا تھا کہ خارش کا ندارد ہونا. پھر جب اگلی نماز کا وقت آیا وہی خارش پھر شروع ہوئی اور نماز اسی طرح شروع کرتے ہی جاتی رہی. اب سمجھے کہ بڑے میاں نے (یعنی حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ العزیز نے) پہرہ بٹھایا ہے نمازی ہو گئے. پھر خیال آیا کہ جب تو نماز پڑھتا ہے اور پانچ وقت خدا کے دربار میں حاضری دیتا ہے تو ناچ میں کیا منہ لیکے جاتا ہے. وہ بھی چھوٹ گیا. خدا کے فضل سے اسوقت انکی بہت اچھی حالت ہے نماز تہجد و اشراق وغیرہ سب کچھ پڑھتے ہیں.

حکایت (۱۵۹) فرمایا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بزرگ امر بالمعروف ونہی عن المنکر نہیں کرتے. یہ بالکل غلط ہے یہ لوگ بڑے قاعدے اور ترکیب سے نصیحت

کرتے ہیں۔ ایک غیر مقلد جو کہ پیرزادہ تھا حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کی خدمت شریف میں آیا۔ حضرت نے فرمایا کہ حزب البحر تمہارے بزرگوں کا معمول ہے تم اسے کیوں نہیں پڑھتے۔ انہوں نے کہا کہ اس میں جو اشارات ہیں وہ بدعت ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ اشارات کو چھوڑ دو۔ وہ تمہارے گھر کی چیز ہے برکت کی چیز ہے۔ انہوں نے شروع کیا تھوڑے دنوں میں ان کی غیر مقلدی سب دور ہو گئی۔

حکایت (١٦٠) فرمایا کہ ایک مولوی صاحب جو کہ بھوپال سے حج کو گئے تھے بیان کرتے تھے کہ میرے ہمراہ بھوپال کے ایک غیر مقلد بھی گئے تھے انہوں نے حضرت سے بیعت کی خواہش ظاہر کی اور یہ بھی کہا کہ میں غیر مقلدی نہ چھوڑونگا۔ حضرت نے فرمایا کیا مضائقہ ہے۔ وہاں ایسی باتوں کو پوچھتے ہی نہ تھے۔ فرماتے تھے کہ بھائی اللہ کے نام میں برکت ہے سب اصلاح ہو جائے گی (اس پر حضرت مرشدی حکیم الامۃ مولانا مدظلہم نے فرمایا کہ جہاں ایسی برکت ہو وہاں شرائط وغیرہ کی ضرورت نہیں) مگر ایک شرط ہماری ہے کہ کسی غیر مقلد سے کوئی مسئلہ نہ پوچھنا بلکہ مولوی ایوب صاحب سے پوچھنا، جو حنفی تھے۔ اسکے بعد حضرت نے بیعت فرما لیا۔ ایک دورات کے بعد یہ اثر ہوا کہ اس نے یک لخت آمین بالجہر اور رفع یدین چھوڑ دیا۔ حضرت کو اطلاع کی گئی۔ (ایسا کسی عالم کا قصہ بھی سننے میں نہ آئے گا جیسا حضرت نے کیا) چنانچہ آگے آتا ہے حضرت منصف تھے اسلئے اصلی تحقیق پر ہر مقام پر عمل فرماتے تھے۔

حضرت سے کسی نے پوچھا کہ قیام میلاد کیسا ہے فرمایا مجھے تو لطف آتا ہے (یعنی کوئی سنت اور قربت سمجھ کر نہیں کرتا ہوں) اور حضرت کو ان عوارض کا خیال نہ تھا کہ میں مقتدا ہوں اور میرا فعل سبب ہو جاوے گا۔ سمجھتے تھے کہ جواز ناجواز کا

مولوی آپ فتویٰ دے لیں گے (بھلا ایسا شخص بدعتی ہو سکتا ہے) تو حضرت نے اُسے بُلا کر فرمایا کہ اگر تمہاری رائے بدل گئی تو خیر یہ بھی سنت وہ بھی سنت، اور اگر پیر کی وجہ سے چھوڑا ہے تو میں ترکِ سنت کا وبال اپنے اوپر لینا نہیں چاہتا۔ یہ رنگ تھا حضرت کا۔ خود حضرت فرمایا کرتے تھے کہ لوگ مجھے اپنے اپنے رنگ پر سمجھتے ہیں مگر میں سب سے جدا ہوں۔ جیسے کسی رنگدار بوتل میں پانی بھر دیا جاوے تو وہ پانی بھی اُسی رنگ کا نظر آنے لگتا ہے حالانکہ پانی بے لون ہے وفی مثل ذلک قال العارف الرومی ؎

ہر کسے از ظنِ خود شد یارِ من — وز درونِ من نجست اسرارِ من
سرِّ من از نالۂ من دور نیست — لیک چشم و گوش را آں نور نیست
در نیابد حالِ پختہ ہیچ خام — پس سخن کوتاہ باید والسلام

حکایت (۱۶۱) فرمایا کہ ایک شخص نے مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ حضرت حاجی صاحبؒ مولوی تھے؟ فرمایا کہ مولوی گر تھے۔ ماشاء اللہ کیا نفیس جواب ہے۔

حکایت (۱۶۲) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک بمبئی کے سیٹھ نے حج کی دعا کیلئے عرض کیا۔ تو حضرت نے فرمایا کہ ایک شرط سے دعا کر سکتا ہوں۔ اُس نے کہا وہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ جس روز جہاز جدّہ جانے لگے اس روز دن بھر کیلئے اپنے اوپر آپ مجھے پورا قابو دیجئے۔ اس نے کہا کہ پھر کیا ہو گا۔ حضرت نے فرمایا کہ اس روز تمہارا ہاتھ پکڑ کر جہاز میں سوار کرا دونگا وہ تم کو جدہ پہنچا دے گا۔ یہ خوب ہے کہ میں تو دعا کروں اور تم یہاں بیٹھ کر تجارت کرو (اس میں حضرت نے صاف ظاہر فرما دیا کہ محض تمنا سے کام نہیں چلتا تمنا کے ساتھ ارادہ کو بھی کام

کام میں لانا چاہیئے۔ جس قدر اپنے آپ سے ہو سکتا ہے اُسے عمل میں لاوے۔ باقی متمم حقیقی حق تبارک وتعالیٰ ہیں۔ (جامع)

حکایت (۱۶۳) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ العزیز فرماتے تھے کہ میں نے مثنوی کے بارے میں مومن خاں شاعر سے پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ مولانا رومی کا کلام شاعری کی حیثیت سے حجت نہیں۔ مومن خاں نے کہا کہ کسی جاہل کا قول ہوگا اُن کا کلام شاعری کی حیثیت سے بھی بہت مستند ہے۔

حکایت (۱۶۴) فرمایا حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جس وقت تھانہ بھون کی مسجد پیر محمد والی میں قیام فرمایا ہے (جہاں اسوقت حضرت سیدی سندی شیخی ومرشدی وسیلتہ یومی وغدی حکیم الامت حضرت مولانا واولینا مولوی شاہ محمد اشرف علی صاحب مد اللہ ظلال فیوضہم العالی تشنگانِ بادۂ محبت کو سیراب ومسرور فرماتے ہیں نفعنا اللہ بطولِ بقائہٖ ؎

وہ سلامت رہیں ہزار برس ؎ ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

الٰہ العالمین اس ناکارہ وارزلِ خلائق جامع کو ہمیشہ اس ذات قدسی صفات کے سایۂ عاطفت میں رکھیو یہانتک کہ ؎

نکلجائے دم تُنکے قدموں کے نیچے ؎ یہی دلکی حسرت یہی آرزو ہے۔ (جامع)

اسوقت یہاں سہ دری نہ تھی کچھ قبریں تھیں کچھ درخت تھے اور اس جگہ ایک بزرگ بیٹھا کرتے تھے جن کا نام حسن علی شاہ تھا۔ صاحبِ سماع تھے مگر دنیا دار نہ تھے سچے تھے۔ جب حضرت یہاں تشریف لائے تو انہوں نے اتنا ادب کیا کہ خود اُٹھ کر شاہ ولایت صاحب میں چلے گئے۔ حالانکہ اس وقت حضرت

جوان تھے اور یہ بوڑھے تھے۔ انکے چلے جانے کے بعد حضرت یہاں رہنے لگے۔ حضرت میانجیو نور محمد صاحب قدس سرہٗ العزیز بھی یہاں تشریف لایا کرتے تھے۔ یہاں ایک خاندان تھا انکی زمین ضبط ہوگئی تھی اور وہ لوگ کوشش کر رہے تھے۔ حضرت میانجیو رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھی وہ لوگ دعا کے واسطے حاضر ہوئے تو حضرت میانجیو رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے حاجی کو بیٹھنے کی تکلیف ہے یہاں ان کے لیے ایک سہ دری بنادو میں دعا کروں گا۔ انہوں نے سہ دری بنانے کا وعدہ کرلیا۔ وہ مقدمہ الٰہ آباد میں جاکر موافق ہوگیا جس کی اطلاع ایک خاص خط سے ہوئی۔ انہوں نے حضرت میانجیو رحمۃ اللہ علیہ سے تذکرہ کیا تو حضرت نے فرمایا کہ وعدہ بھی یاد ہے۔ انہوں نے کہا حضرت پوری سہ دری بنانے کی تو قوت نہیں آدھی بنادینگے حضرت نے فرمایا بہت اچھا آدھی ہی سہی۔ پھر الٰہ آباد سے باضابطہ حکم آیا کہ تاحیات تو معاف تمہارے بعد پھر ضبط۔ پھر انہوں نے حضرت سے آکر عرض کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ تمہیں نے تو آدھا کیا ہے بس کیا کروں۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عجیب برکت ہے جہاں جہاں حضرت کی نسبت سے تعمیریں بنی ہیں سب محفوظ ہیں حتیٰ کہ ہمارے بھائی نے جب اپنا مکان بنایا جس میں حضرت کا سکونتی قطعہ بھی آگیا انہوں نے ایک انجنیر سے نقشہ بنوایا تھا اس نے نہایت آزادی سے نقشہ بنایا مگر حضرت کے اس سکونتی حصہ کی عمارت کے ٹوٹنے کی نوبت نہیں آئی سچ ہے ؎

اگر گیتی سراسر باد گیرد چراغِ مقبلاں ہرگز نہ میرد

حکایت (۱۶۵) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب کسی

مسئلہ کی تقریر کو ختم فرما لیتے اور کوئی شخص دوبارہ دریافت کرتا تو فرماتے کہ اس سے (یعنی حضرت شیخی و مرشدی حکیم الامت مولانا تھانوی مدظلہ العالی سے) دریافت کر لو یہ سمجھ گئے ہیں۔ (اس سے ہمارے حضرت کی عظمت وجلالت وفہم وادراک کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے۔ جامع) لوگوں کو اس سے غصہ ہوتا کہ سب باتیں یہی سمجھ جاتے ہیں اور کوئی نہیں سمجھتا۔ اسوجہ سے دوبارہ کوئی پوچھتا ہی نہ تھا۔ میں نے بہت چاہا کہ ایسا نہ فرمایا کریں لوگوں کو اس سے حسد ہوتا ہے مگر چونکہ یہ کہنا بھی خلافِ ادب تھا اس لیے عرض نہ کر سکا۔

حکایت (۱۶۶) فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ اس پر فخر کیا کرتے تھے کہ الحمدللہ ہمارے سلسلہ میں سب طلباء اور غرباء ہی کا مجمع ہے اور جس درویش کے یہاں بکثرت بڑے بڑے لوگوں یعنی ڈپٹی کلکٹروں وغیرہ کا ہجوم ہو تو سمجھ لو کہ وہ خود دنیادار ہے کیونکہ قاعدہ ہے الجنس یمیل الی الجنس۔

حکایت (۱۶۷) فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو چار مسئلوں میں شرح صدر ہے ایک مسئلہ قدر دوسرا روح تیسرا مشاجراتِ صحابہؓ چوتھا وحدت الوجود۔ اور جب ان چاروں مسئلوں پر حضرت تقریر فرماتے تو سامعین پر ایک اطمینان اور وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔

حکایت (۱۶۸) فرمایا حاجی مرتضیٰ خاں صاحب لکھنوی کہتے تھے کہ ایک عالم نے جو کہ اپنے شیخ سے مثنوی پڑھے ہوئے تھے، حضرت حاجی صاحب کے یہاں مثنوی آ کر شروع کی۔ اُن سے ایک روز میں نے پوچھا کہ تم نے حضرت

حاجی صاحب کی پڑھائی میں اور اپنے شیخ کی پڑھائی میں کیا فرق دیکھا۔ انہوں نے پوچھا کہ تم کچھ پڑھے ہوتے ہو کہا کچھ نہیں ایسے ہی تھوڑا سا پڑھا ہوا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ تم ایک مثال سے سمجھو کہ جیسے ایک مکان نہایت شاندار ہے اور ہر طرح سے آراستہ و پیراستہ اور ہر قسم کے فرنیچر سے بھرا ہوا ہے۔ ایک شخص تو وہ ہے کہ کسی کو اسکے دروازہ پر لیجا کر کھڑا کر دیا اور اس کا تمام نقشہ ایسا بیان کر دیا کہ کوئی چیز نہ چھوڑی اور ایک شخص وہ ہے کہ جس نے زیادہ بیان تو نہیں کیا لیکن دروازہ سے اندر لیجا کر مکان کے بیچ میں کھڑا کر دیا اسطرح کہ سب کچھ اپنی آنکھ سے دیکھ لے۔ حاجی صاحب کا پڑھانا تو ایسا ہی ہے کہ مجھے اندر لیجا کر کھڑا کر دیا اور میرے شیخ کا پڑھانا ایسا ہے جیسا کہ باہر سے پورا نقشہ بتا دیا۔

حکایت (۱۶۹) فرمایا کہ مشتاق احمد صاحب پٹواری کہتے تھے کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات اسقدر رفیع ہیں کہ میرے قابو میں نہیں آتے اسلیے آپ (یعنی مرشدی مدظلہ) کچھ لکھیے۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ ہمیں یہ پتہ بھی نہ تھا کہ اور لوگ بھی حضرت کے حالات کو اسدرجہ کا سمجھتے ہیں چنانچہ "امداد المشتاق" اس فرمائش کے بعد ہی لکھی گئی۔

حکایت (۱۷۰) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص کو عالم روحانیت سے مناسبت ہو جاتی ہے تو اس کے وقت میں برکت ہو جاتی ہے۔

حکایت (۱۷۱) فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مثنوی کا درس ہو رہا تھا اور جلسہ عجیب جوش و خروش سے پُر تھا اس روز حضرت نے پکار کر یوں دعا فرمائی (اے اللہ ہم لوگوں کو بھی ایک ذرۂ

محبت عطا فرما۔ آمین۔ پھر دعا کے بعد فرمایا کہ الحمد للہ سب کو عطا ہوگیا۔ (الہام ہوا ہوگا) پھر دوسرے جلسہ میں فرمایا کہ بھائی ذرّہ سے زیادہ کا تحمل بھی نہیں ہو سکتا ہے

یارب چہ چشمہ ایست محبت کہ من ازاں ٭ یک قطرہ آب خوردم و دریا گریستم

بحریست بحر عشق کہ ہیچش کنارہ نیست ٭ اینجا جز اینکہ جاں بسپارند چارہ نیست

حکایت (۱۷۲) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کا معمول تھا کہ جب مثنوی کا درس ختم فرماتے تو یوں دعا فرماتے تھے (اے اللہ جو جو اس کتاب میں لکھا ہے اس میں سے ہمیں بھی حصہ دیدے) آمین (جامع)

حکایت (۱۷۳) فرمایا کہ جب مثنوی کے درس کا وقت آتا تو حضرت حاجی صاحبؒ یوں فرمایا کرتے تھے کہ آؤ بھائی مثنوی کی تلاوت کرلیں۔ ایک شعر ہے

مثنوی مولوی معنوی ٭ ہست قرآں در زبانِ پہلوی

اس کا لوگوں نے اس طرح حل کیا ہے کہ اس میں زیادہ مضامین قرآن شریف کے ہیں۔ لیکن حضرت نے عجیب تفسیر فرمائی کہ بھائی قرآن سے مراد کلام الٰہی ہے اور کلام الٰہی کبھی وحی سے ہوتا ہے اور کبھی الہام سے ہوتا ہے تو معنی مصرعہ کے یہ ہیں کہ مثنوی کلامِ الٰہی یعنی الہامی ہے۔ (حضرت اس تفسیر کی بنا پر تلاوت کا لفظ استعمال فرماتے تھے۔) (جامع)

حکایت (۱۷۴) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ جب مثنوی پڑھاتے تو خوب زور شور سے تقریر فرماتے اور جب درس ختم ہوجاتا تو سر پکڑ کر بیٹھ جاتے اور فرماتے کہ ارے بھائی کچھ شربت بنالو سرد با دو، بس یہ حالت تھی ہے

ہر چند پیر خستہ و بس ناتواں شدم ٭ ہر گہ نظر بسوئے تو کردم جواں شدم

خود قوی تر مے شود خمر کہن ؛ خاصہ آں شمرے کہ باشد من لدن

بڑھاپے میں قوت روحانی بڑھ جاتی ہے۔ جو کیفیت کہ بڑھاپے میں بھی جاتی رہے تو وہ روحانی ہے اور جو بڑھاپے میں زائل ہو جاوے تو سمجھو نفسانی تھی گو محمود ہی ہو۔ پہلے ذوقاً معلوم ہوتا تھا اب بحمداللہ تحقیقاً سمجھ میں آ گیا۔

حکایت (۱۷۵) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے صرف کافیہ تک پڑھا تھا اور ہم نے اتنا پڑھا ہے کہ ایک اور کافیہ لکھدیں۔ مگر حضرت کے علوم ایسے تھے کہ آپکے سامنے علماء کی کوئی حقیقت نہ تھی ہاں اصطلاحات تو ضرور نہیں بولتے تھے۔

حکایت (۱۷۶) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے اندر اسقدر حسن ظن تھا کہ اتنا کسی کے اندر نہیں دیکھا۔ جن لوگوں کو ہم کافر سمجھتے تھے حضرت ان کو صاحب باطن فرماتے۔ بہاچی..... کو فرماتے تھے کہ صاحب باطن ہے مگر غلطی ہو گئی...... کی بابت فرماتے تھے کچھ غلطی ہو گئی ہے۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ جسقدر نظر وسیع ہوتی جاتی ہے اسی قدر اعتراض کم ہوتا جاتا ہے۔ عبدالوہاب شعرانیؒ نے زمخشری کی بابت لکھا ہے کہ کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ زمخشری کو عذاب کرینگے اور یہ جو اسکا خلق افعال کا عقیدہ ہے اسکا منشاء صرف تنزیہ باری تعالیٰ ہے گو غلطی ہو گئی۔

حکایت (۱۷۷) فرمایا کہ جب حاجی صاحبؒ یہاں (یعنی خانقاہ امدادیہ اشرفیہ میں) تشریف رکھتے تھے تو ایک کچھالی میں کچھ چنے کچھ کشمش ملی ہوئی رکھتے تھے۔ صبح کے وقت مولانا شیخ محمد صاحب اور حافظ محمد ضامن صاحبؒ اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہم ساتھ ملکر کھایا کرتے تھے اور آپس میں خوب چھینا جھپٹی ہوا کرتی تھی۔ بھاگے بھاگے پھرتے تھے۔ اسوقت مشائخ اس مسجد کو دکان

معرفت کہتے تھے اور ان تینوں کو اقطابِ ثلثہ۔ حضرت حاجی صاحبؒ دہلی کے شہزادوں میں علماء میں بزرگ مشہور تھے مگر پیر بھائیوں سے چھیلنا جھپٹی کرتے تھے۔

حکایت (۱۷۸) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے تھے کہ بھائی ہم لوگ عاشقِ احسانی ہیں عاشقِ ذات وصفات نہیں۔ جبتک احسان رہے محبت ہے اور جہاں ذرا توقف ہوا بس شکایت ہونے لگی۔ اسی پر یہ تصریح فرمائی کہ اگر کسی کے پاس کچھ روپیہ پیسہ حلال کا ہو اس کو احتیاط سے صرف کرے تاکہ ناداری سے پریشانی نہ ہو۔ اسی طرح جس کے پاس حج کیلئے کافی خرچ نہ ہو اور سفر کے مشاق پر صبر نہ کر سکے اسکو حج کے لیے سفر کرنا مناسب نہیں۔

حکایت (۱۷۹) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بعض اوقات تمام تمام رات اس ایک شعر کو پڑھ پڑھ کر روتے روتے گذار دیتے تھے۔ ؎

اے خدا ایں بندہ را رسوا مکن ؛ گر بدم ہم سرِ من پیدا مکن

یہ حافظ عبد القادر سے سنا ہے۔

حکایت (۱۸۰) فرمایا ایک مرتبہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حاجی صاحب سے عرض کیا کہ مجھے رونا نہیں آتا حالانکہ اور ذاکرین پر کثرت سے گریہ طاری ہوتا ہے۔ حضرت نے فرمایا ہاں جی اختیاری بات نہیں کبھی آنے بھی لگتا ہے پھر تو یہ حال ہوا کہ جب مولانا ذکر کرنے بیٹھتے تاب نہ ہوتی۔ پسلیاں ٹوٹنے لگتیں۔ پھر حضرت سے عرض کیا کہ حضرت پسلیاں ٹوٹی جاتی ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ ہاں یہ بھی ایک عارضی حالت ہے جاتی بھی رہتی ہے۔ پس پھر یہ گریہ یکدم موقوف ہو گیا پھر حضرت سے شکایت کی۔ حضرت نے فرمایا کہ پسلیاں ٹوٹ جائینگی رو کر کیا کرو گے۔

حکایت (۱۸۱) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر ایک لطیفہ بھی منور ہوجائے تو اس کے ذریعہ سے سب منور ہوجاتے ہیں۔ حضرت کے یہاں زیادہ اہتمام قلب کا تھا جیسا کہ حدیث میں ہے ،، ان فی الجسد مضغۃ اذا اصلحت صلح الجسد کلہ الا وھی القلب۔

حکایت (۱۸۲) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے یہاں کسی کی شکایت نہیں سنی جاتی تھی اور نہ کسی سے بدگمان ہوتے تھے۔ اگر کوئی کہنے لگا اور حضرت بوجہ حلم منع بھی فرماتے۔ مگر جب وہ کہہ لیتا تو فرماتے کہ وہ شخص ایسا نہیں ہے۔ (یعنی تم جھوٹے ہو) (جامع) (منقول از اشرف التنبیہ)

اضافہ از ظہور الحسن غفر لہ ولوالدیہ

حکایت (۱۸۳) ایک دن ارشاد فرمایا کہ مرشدنا حاجی صاحبؒ گنگوہ تشریف لاتے ہوئے تھے۔ رامپور کے ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت میرا گھوڑا گم ہوگیا آپ دعا کیجئے کہ مل جاوے، حضرت اسوقت مثنوی معنوی دست مبارک میں لیے ہوئے تھے۔ اسکو کھولکر پڑھنے کا جو ارادہ کیا تو بر سر صفحہ یہ شعر نکلا

گر بُرَد مالت عدوّ پر فنے ؎ رہزنے را بردہ باشد رہزنے

(منقول از تذکرۃ الرشید)

حضرت مولانا مملوک العلی محدث نانوتویؒ کی حکایات

حکایت (۱۸۴) حکیم صاحب ممدوح نے فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی

رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی (والد ماجد حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ) جب تحصیلِ علم کیلئے دہلی تشریف لے گئے ہیں تو صورتِ حال یہ تھی کہ جس اُستاد سے پڑھنا شروع کرتے وہ کچھ قلتِ مناسبت محسوس کر کے ایک سبق کے بعد دوسرا سبق نہ پڑھاتا تھا۔ مولانا سخت ملول اور غمگین تھے۔ اسی پریشانی میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا غم سنایا کہ میں علوم کے شوق میں وطن چھوڑ کر آیا ہوں جس سے پڑھنا شروع کرتا ہوں ایک سبق کے بعد پڑھانے کا نام نہیں لیتا۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ اچھا کل آنا۔ مولانا اگلے روز حاضر ہوئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے ہدایۃ النحو کا ایک سبق پڑھا دیا اور فرمایا کہ جاؤ اب جس استاد سے پڑھوگے وہ پڑھانے سے انکار نہ کریگا۔ چنانچہ پھر ایسے چلے کہ بڑے بڑے اکابر مثل حضرت گنگوہی اور حضرت نانوتوی وغیرہما اُن کے شاگرد ہوئے۔ (منقول از روایات الطیب)

اضافہ از احقر ظہور الحسن غفرلہ ولوالدیہ

حکایت (۱۸۵) ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ جب میں استاذی مولینا مملوک العلی صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پڑھتا تھا۔ میرے تمام بدن پر خارش نکل آئی میں ہاتھوں میں دستانہ پہن کر سبق پڑھنے کے لیے حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتا اور ان ایام میں بھی ایک دن سبق ناغہ نہیں کیا۔ ایک روز مجھ کو زیادہ خارش میں مبتلا دیکھ کر حضرت استاذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا" میاں رشید تمہارا تو وہ حال ہو گیا بقول شخصے ؎

یکتن و خیلِ آرزو دل بچہ مُدعا دہم ❊ تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم
(منقول از تذکرۃ الرشید)

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ کی حکایات

حکایت (۱۸۷) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی فرماتے تھے کہ شاہ اسحٰق صاحب کے شاگردوں میں تین شخص نہایت متقی تھے۔ اوّل درجہ کے مولوی مظفر حسین صاحب دوسرے درجہ کے شاہ عبد الغنی صاحب تیسرے درجہ کے نواب قطب الدین خاں صاحب۔ اسکے بعد فرمایا کہ ایکمرتبہ نواب قطب الدین خانصاحب نے شاہ اسحاق صاحب مولوی محمد یعقوب صاحب اور مولوی مظفر حسین صاحب اور چند دوسرے احباب کی دعوت کی۔ شاہ اسحاق صاحب نے منظور فرمالی اور مولوی محمد یعقوب صاحب نے بھی، مگر مولوی مظفر حسین صاحب نے منظور نہ فرمائی۔ اس سے نواب قطب الدین خاں کو ملال ہوا اور انہوں نے شاہ اسحاق صاحب سے شکایت کی کہ میں نے مولوی مظفر حسین صاحب کی بھی دعوت کی تھی مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ شاہ صاحب نے مولوی مظفر حسین صاحب پر عتاب فرمایا اور فرمایا ارے مظفر حسین تجھے تقویٰ کی بدہضمی ہو گئی۔ کیا نواب قطب الدین کا کھانا حرام ہے۔ انہوں نے فرمایا حاشا وکلا مجھے نواب صاحب پر اس قسم کی بدگمانی نہیں ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا پھر تو کیوں انکار کرتا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت نواب صاحب نے آپکی بھی دعوت کی ہے اور مولوی محمد یعقوب صاحب کی بھی اور ان کے علاوہ اتنے اور آدمیوں کی اور آپکو پالکی میں لیجائینگے۔ اس میں بھی ضرور

صرف ہوگا اور نواب صاحب گو بگڑ گئے ہیں مگر پھر نوابزادہ ہیں وہ دعوت میں ضرور ذرا بانہ تکلف بھی کرینگے اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ نواب صاحب مقروض بھی ہیں پس یہ مقروض ہیں اور جتنا روپیہ وہ دعوت میں صرف کرینگے۔ وہ اُن کی حاجت سے زائد بھی ہے تو یہ روپیہ وہ اپنے قرض میں کیوں نہیں دیتے۔ ایسی حالت میں ان کا کھانا کراہت سے خالی نہیں[1]۔ یہ بات شاہ صاحب کے ذہن میں بھی آگئی اور شاہ صاحب نے فرمایا کہ میاں قطب الدین اب ہم بھی تمہارے ہاں کھانا نہ کھائیں گے۔

حکایت (۱۸۷) خاں صاحب نے فرمایا کہ مولوی محمود حسن صاحب بیان فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ مولوی مظفر حسین صاحب کہیں تشریف لیجا رہے تھے۔ راستہ میں ایک بڈھا ملا جو بوجھ لئے ہوئے جاتا تھا بوجھ کسی قدر زیادہ تھا اسوجہ سے اس سے مشکل سے چلتا تھا۔ مولوی مظفر حسین صاحب نے جب یہ حال دیکھا تو آپ نے اس سے وہ بوجھ لے لیا[2] اور جہاں وہ جانا چاہتا تھا پہنچا دیا۔ اس بڈھے نے اُن سے پوچھا کہ اجی تم کہاں رہتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ بھائی میں کاندھلہ رہوں۔ اس نے کہا وہاں مولوی مظفر حسین بڑے ولی ہیں اور ایسے ہیں ویسے ہیں غرض بہت تعریفیں کیں۔ مگر مولوی مظفر حسین صاحب نے فرمایا کہ اور تو اس میں کوئی بات نہیں ہے ہاں نماز تو پڑھ لے ہے۔ اس نے کہا واہ میاں تم ایسے بزرگ کو ایسا کہو۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ میں ٹھیک کہتا ہوں۔ وہ بڈھا اُن کے سر ہوگیا۔

---

[1] کہ اعانت بعیدہ ہے مطل فی اداء القرض کی۔ کیا دقیق تقوٰی ہے اور استاد کیسے منقدس کہ یا تو شاگرد کو تاڑ رہے تھے یا اُن ہی کا اتباع کر لیا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر اپنے پاس دلیل ہو تو محض استاد کی تقلید سے دلیل کو چھوڑنا نہ چاہیئے ٭ (اشرف علی)

[2] طریقت بجز خدمتِ خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست
(اشرف علی)

اتنے میں ایک اور شخص آگیا جو مولوی مظفر حسین صاحب کو جانتا تھا اُس نے اس بڈھے سے کہا کہ بھلے مانس، مولوی مظفر حسین یہی تو ہیں۔ اس پر وہ بڈھا اُن سے لپٹ کر رونے لگا، مولوی صاحب بھی اس کے ساتھ رونے لگے۔

حکایت (۱۸۸) فرمایا کہ مولانا مظفر حسین صاحبؒ جب کسی سواری پر سوار ہوتے تو پہلے مالک کو سب چیزیں دکھلا دیا کرتے تھے۔ اگر بعد میں کوئی خط بھی لاتا تو فرماتے کہ بھائی میں نے سارا اسباب مالک کو دکھا دیا ہے اور یہ اس میں سے نہیں ہے لہذا تم مالک سے اجازت لے لو۔

حکایت (۱۸۹) فرمایا کہ مولانا مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ دہلی سے بہلی میں سوار ہو کر اپنے وطن کاندھلہ کو تشریف لا رہے تھے۔ بزرگوں کی عادت ہوتی ہے کہ ہر شخص سے اس کے مذاق کے موافق گفتگو کیا کرتے ہیں۔ اس بہلی والے سے بہلی ہی کے متعلق کچھ پوچھنے لگے کہ بیلوں کو راتب کتنا دیتے ہو۔ اور کیا بچت ہو جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں بہلوان کی زبان سے یہ بھی نکل گیا کہ یہ بہلی ایک رنڈی کی ہے اور میں اس کا نوکر ہوں۔ بھلا مولانا رنڈی کی گاڑی میں کیسے بیٹھ سکتے تھے (کسی طالب علم نے کرایہ کر کے لادی ہوگی مولانا کو پتہ نہ تھا) اب مولانا کا دقیق تقویٰ دیکھئے، فوراً نہ اُترے تاکہ اس کی دلشکنی بھی نہ ہو۔ تقویٰ بھی برتنا ہر شخص سے نہیں آتا۔ ذرا دیر کے بعد بولے کہ ذرا بہلی کو روک لینا مجھے پیشاب کی ضرورت ہے۔ اُس نے بہلی روکی آپ نے اُتر کر پیشاب کیا اور اس کیساتھ استنجا سکھلاتے چلے۔ کہاں تک چلتے آخر ڈھیلا پھینکدیا۔ اُسنے کہا بیٹھ جائیے۔ فرمایا ٹانگیں شل ہوگئی ہیں ذرا دور پیدل چلوں گا۔ تھوڑی دور چلکر اُس نے پھر عرض کیا۔ پھر ٹالدیا۔ پھر کہا پھر ٹالدیا۔

پھر وہ سمجھ گیا اور کہا کہ مولانا میں سمجھ گیا کہ یہ رنڈی کی گاڑی ہے آپ اس میں بیٹھیں گے نہیں پھر لیجانے سے کیا فائدہ؟ حکم دیجئے لوٹ جاؤں۔ فرمایا ہاں بھائی بیٹھونگا تو نہیں مگر تم کو کاندھلہ چلنا ہوگا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی اس کے پاس کرایہ کو آیا ہو اور اس نے انکار کر دیا ہو تو اس کا خواہ مخواہ نقصان ہوگا (یہاں پر شبہ ہے کہ جب کرایہ دینا ہی تھا تو پھر کاندھلہ تک خالی بہلی کیوں لائے۔ تو بات یہ ہے کہ بعض طبیعتیں بلا کارگذاری کے لینا گوارا نہیں کرتیں یا اسکے سوا کوئی اور وجہ ہو) لہذا آپ کاندھلہ ویسے ہی پیدل آئے اور ہر منزل پر بیلوں کو گڑ اور گھی اور گھاس دانہ کا ویسا ہی انتظام کیا اور مکان پر آکر اس کو کرایہ دے کر واپس کیا۔ (منقول از اشرف التنبیہ)

اضافہ از احقر ظہور الحسن غفر لہٗ ولوالدیہ

حکایت (۱۹۰) حضرت مولانا مولوی مظفر حسین صاحبؒ مولانا محمود بخش صاحبؒ کے صاحبزادے اور حضرت مفتی الٰہی بخش صاحبؒ کے بھتیجے تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب اسطرح ہے۔ مولوی مظفر حسین صاحبؒ بن مولوی محمود بخش بن مولوی حکیم شیخ الاسلام بن حکیم قطب الدین بن شیخ عبدالقادر بن شیخ محمد شریف بن مولوی محمد اشرف بن جمال محمد شاہ بن بابن بن بہاؤالدین بن شیخ محمد بن شیخ محمد فاضل بن شیخ قطب شاہ۔

ابتدائی تعلیم حضرت مفتی صاحبؒ سے حاصل کی لیکن تعلیم پوری نہ کرنے پائے تھے کہ حضرت مفتی صاحب نے اس دارِ فانی سے دار البقا کی جانب رحلت فرمائی۔ اسلیے بقیہ تعلیم ظاہری و باطنی دہلی میں حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ سے پوری فرمائی جو کہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے نواسے اور شاگردِ رشید تھے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ مہاجر مکیؒ سے بھی شدید تعلق تھا اور آپ انہیں سے مُرید بھی تھے۔ سلسلۂ درس و تدریس نہ تھا ایک سیدھی سادی زندگی بسر کرتے تھے۔ کبھی کبھی مسجد میں اور کبھی کبھی مستورات میں وعظ فرمایا کرتے تھے۔ گاڑھے کا کرتہ، پاجامہ، نیلی لنگی یہ آپ کا لباس تھا۔ میری دادی صاحبہ یعنی صاحبزادی حضرت مولانا صاحبؒ فرماتی تھیں کہ ایک بار میں نے موٹی ململ کا کُرتہ حضرت کیلئے سیا اوّل تو زیب تن فرمانے سے انکار کیا بعد میں میری خوشنودی کو پہنا۔ مگر جمعہ کی نماز پڑھکر فوراً اُتار دیا اور فرمایا میرا گاڑھے کا کرتہ دیدو۔ اسمیں عُجب پیدا ہوتا ہے۔ سواری پر کبھی سوار نہ ہوتے پیدل سفر کرتے تھے اور سامانِ سفر لوٹا، لنگی، لکڑی، مشکیزہ ہوتا تھا۔ جہاں شام ہو جایا کرتی تھی وہیں شب بسر فرمایا کرتے تھے۔ ایکمرتبہ شام ایک ایسے گاؤں میں ہوئی جہاں سب ہندو تھے کوئی مسلمان نہ تھا وہاں والوں سے کہا کہ رات کو رہنے کیلئے کوئی جگہ بتادو۔ تو ایک شخص نے گاؤں کے باہر کولھو پر بتادیا۔ آپ کے پاس روٹی تھی اس کو نوش فرمایا۔ اتفاقاً وہی شخص رات کو کسی کام کیلئے جنگل میں آیا تو حضرت کو قرآن پڑھتے سُنا۔ تمام شب بیتابی سے گذاری اور صبح کو حاضرِ خدمت ہو کر عرض کیا کہ رات جو تو پڑھ رہا تھا وہ جلدی سے مجھے بھی پڑھادے۔ اسکے بعد آپکو اپنے گھر لے گیا اور وہاں اسکے بچے بیوی وغیرہ سب مسلمان ہو گئے۔ ایکمرتبہ آپ کا جلال آباد ضلع شاملی گذر ہوا۔ ایک مسجد ویران پڑی تھی وہاں نماز کیلئے تشریف لاکر پانی کھینچا وضو کیا۔ مسجد میں جھاڑو دی۔ بعد میں ایک شخص سے پوچھا کہ یہاں کوئی نمازی نہیں؟ اس نے کہا جی سامنے خانصاحب کا مکان ہے جو شرابی اور رنڈی باز ہیں اگر وہ نماز پڑھنے لگیں تو یہاں اور بھی دو چار نمازی ہو جائیں۔ آپ اُن

خانصاحب کے پاس تشریف لیگئے تو رنڈی پاس بیٹھی ہوئی تھی اور نشہ میں مست تھے۔ آپنے خانصاحب سے فرمایا کہ بھائی خانصاحب اگر تم نماز پڑھ لیا کرو تو دو چار آدمی اور جمع ہو جایا کریں اور مسجد آباد ہو جائیگی۔ خانصاحب نے کہا کہ میرے سے وضو نہیں ہوتی اور نہ دو بُری عادتیں چھٹتی ہیں۔ آپنے فرمایا کہ بے وضو ہی پڑھ لیا کرو اور شراب بھی پی لیا کرو۔ اسپر اُسنے عہد کیا کہ میں بے وضو ہی پڑھ لیا کروں گا۔ آپ وہاں سے تشریف لیگئے اور کچھ فاصلہ پر نماز پڑھی اور سجدہ میں خوب روئے۔ ایک شخص نے دریافت کیا کہ حضرت آپ سے دو ایسی باتیں سرزد ہوئیں جو کبھی نہیں ہوئیں۔ اوّل یہ کہ آپنے شراب اور زنا کی اجازت دیدی۔ دوسرے یہ کہ آپ سجدہ میں بہت روئے۔ فرمایا کہ سجدہ میں مَیں نے جناب باری سے التجا کی تھی کہ اے رب العزت کھڑا تو میں نے کر دیا اب دل تیرے ہاتھ میں ہے۔ اُن خانصاحب کا یہ حال ہوا کہ جب رنڈیاں پاس سے چلی گئیں تو ظہر کا وقت تھا اپنا عہد یاد آیا پھر خیال آیا کہ آج پہلا روز ہے لاؤ غسل کر لیں کل سے بغیر وضو پڑھ لیا کریں گے غسل کیا پاک کپڑے پہنے اور نماز پڑھی۔ بعد نماز باغ کو چلے گئے عصر اور مغرب باغ میں اسی وضو سے پڑھی۔ بعد مغرب گھر پہنچے۔ طوائف موجود تھیں۔ اوّل کھانا کھانے گھر میں گئے۔ بیوی پر جو نظر پڑی تو فریفتہ ہو گئے۔ اُنکی شادی کو سات سال ہو گئے تھے اور آجتک نہ کبھی بیوی کے پاس گئے اور نہ اسکی صورت دیکھی تھی۔ فوراً باہر آئے۔ رنڈی سے کہا کہ آئندہ میرے مکان پر نہ آنا اور خادم سے کہا کہ بستر گھر میں بھیجدو۔ سنا ہے کہ ان خانصاحب کی پچیس سال میں کبھی تہجد کی نماز قضا نہیں ہوئی۔

حکایت (۱۹۱) ایسے ہی ایکمرتبہ گڑھی پختہ تشریف لیگئے۔ ایک خانصاحب

سے نماز کیلئے کہا تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے ڈاڑھی چڑھانے کی عادت ہے اور وضو سے یہ اُتر جاتی ہے۔ آپنے فرمایا کہ بغیر وضو پڑھ لیا کرو۔ خانصاحب نے کچھ روز بغیر وضو نماز پڑھی، پھر خیال آیا کہ ایک مولوی صاحب کے کہنے سے تو نے بغیر وضو نماز پڑھنی شروع کر دی اور اللہ و رسول کے حکم سے باوضو نماز نہیں پڑھی جاتی۔ اسکے بعد ہمیشہ باوضو نماز پڑھنے لگے۔

حکایت (۱۹۲) آپ نے سات حج کئے اور پیدل۔ ایکمرتبہ حج سے واپس تشریف لارہے تھے پانی پت سے چلکر شب کو کسی گاؤں میں سرائے کی مسجد میں قیام فرمایا اور اخیر شب میں وہاں سے روانہ ہوئے۔ اتفاق سے رات کو سرائے میں چوری ہوگئی۔ بھٹیاری نے کہا کہ ایک شخص مسجد میں ٹھہرا تھا اور صبح ہی چلا گیا ضرور وہی چور ہے۔ لوگ تعاقب کیلئے آئے اور جھنجانہ کے قریب آکر پکڑ لیا اور کہا کہ تھانہ چلو۔ آپ نے فرمایا کہ جھنجانہ کے تھانہ میں نہ لیچلو اور کہیں چلو۔ اسپر ان لوگوں نے اور بھی شبہ کیا اور وہ جھنجانہ ہی کے تھانہ میں لیگئے اور ایک سپاہی کے حوالہ کر دیا جس نے حوالات میں آپکو بند کر دیا۔ تھوڑی دیر میں قصبہ کے لوگوں نے دیکھا اور تمام قصبہ میں شور مچگیا۔ عوام بہت مشتعل ہوئے اور یہ سمجھ کر کہ تھانہ دار کی بدمعاشی ہے اسکی جان کے درپے ہوگئے۔ تھانہ کو لوٹنا چاہتے تھے۔ تھانہ دار خواجہ احمد حسن تھے جو میرے دادا مرحوم کے دوست تھے۔ اور مولوی صاحب سے خوب واقف تھے۔ بہت مشکل سے جان بچاکر تھانہ آئے اور مولوی صاحب کو حوالات سے نکالا اور واقعہ کی تحقیق کی۔ پھر لوگ اس پانی پت والے آدمی کی جان کے درپے ہوگئے جو آپکو پکڑ کر لایا تھا۔ آپنے خواجہ احمد حسن سے فرمایا کہ اسکی جان کے تم ذمہ دار ہو۔ اس کیساتھ دو تین آدمی کر دو جو اسکو بخیریت پانی پت پہنچا دیں۔

حکایت (۱۹۳) ایکمرتبہ کاندھلہ تشریف لا رہے تھے۔ ایک شخص ملگیا۔ اس سے دریافت فرمایا کہ کہاں جاؤ گے۔ اُسنے جواب دیا کہ کاندھلہ مولوی مظفر حسین کے پاس۔ اُسکے پاس سامان تھا اور آپ خالی ہاتھ تھے۔ آپنے اس سے سامان لیکر اپنے سر پر رکھ لیا۔ کاندھلہ آکر جب اسے معلوم ہوا کہ یہی مولوی صاحب ہیں تو بہت پشیمان ہوا۔ آپنے فرمایا، اسمیں کیا حرج تھا کہ میں خالی ہاتھ تھا اور تم بوجھ اٹھائے ہوئے آرہے تھے۔

حکایت (۱۹۴) آپ محتاط بہت زیادہ تھے کبھی مشتبہ مال نہ کھاتے تھے اور اگر بھولے سے یا غلطی سے کھا لیتے تھے تو فوراً قے ہوجاتی تھی۔ زمانہ طالب علمی کا قصہ ہے کہ آپنے کئی سال روٹی سالن سے نہیں کھائی۔ دریافت کرنے پر فرمایا کہ دہلی کے اکثر سالنوں میں کھٹائی پڑتی ہے اور آموں کی بیع ناجائز طریق پر ہوتی ہے۔ اس لیے میں سالن نہیں کھاتا۔ آپ بجز اپنے گھر کے اور کسی کے یہاں دعوت وغیرہ میں تشریف نہ لیجاتے تھے۔ ابتداءً قاضی جی اور متولی جی کے یہاں کھانا تناول فرمالیا کرتے تھے۔ قاضی جی اور متولی جی کے والد کے انتقال کے بعد اُن کے یہاں بھی کھانا کھانا چھوڑ دیا۔ کچھ عرصہ بعد پھر شروع کر دیا اور بغیر بُلائے خود تشریف لیگئے۔ دریافت کرنے پر فرمایا کہ پہلے تم نابالغ تھے اسلئے میں تمہارے مال سے پرہیز کرتا تھا اب تم بالغ ہو گئے اسلیے اب مجھے کوئی عذر نہیں ہے۔

حکایت (۱۹۵) ایک مرتبہ مولوی نور حسن صاحبؒ کے پاس تشریف لیگئے۔ انہوں نے کچھ دام اپنے صاحبزادے مولوی محمد ابراہیم صاحب کو دیے کہ خود جاکر ان کا سامان کھانے کیلیے لادیں تاکہ کچھ گڑبڑ نہ ہو۔ کھانا تیار ہوا۔ اس میں فیرینی بھی تھی جس کے کھاتے ہی قے ہوگئی۔ مولوی نور الحسن صاحبؒ بہت پریشان ہوئے تحقیق

گیا تو معلوم ہوا کہ جو دودھ مولوی محمد ابراہیم صاحب لائے تھے وہ گر گیا تھا پھر دودھ باورچی حلوائی کے یہاں سے دام ہیں لے آیا تھا۔

حکایت (۱۹۶) آپ بہت زاہد منکسر المزاج تھے۔ ہر ایک کام خود کیا کرتے تھے بلکہ دوسروں کا کام بھی کیا کرتے تھے۔ عادت شریفہ تھی کہ اشراق کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکلا کرتے تھے اور جو جو گھر اپنے اقارب کے تھے انہیں تشریف لے جاتے۔ اگر کسی کو بازار سے کچھ منگانا ہو تو پوچھکر وہ لادیتے پلیسہ اُس زمانہ میں کم تھا۔ جو شے آتی تھی غلہ کی آتی تھی۔ آپ غلہ کبھی کرتے کے پلے میں لیجاتے اور کبھی لنگی میں۔

حکایت (۱۹۷) ایک دفعہ رامپور تشریف لیگئے ایک عورت حاضر خدمت ہوئی اور عرض کیا کہ میرا خاوند مجھے خرچ نہیں بھیجتا۔ آپنے اسکا پتہ دریافت فرمایا اور وہاں سے فیروزپور تشریف لے گئے اور اس کے خاوند کو تلاش کر کے ہدایت کی کہ آئندہ خرچ ہمیشہ بھیجا کرو۔

حکایت (۱۹۸) بیوہ کے نکاح کو سخت معیوب سمجھا جاتا تھا۔ آپ کو فکر ہوئی کہ اس رسم کو توڑنا چاہیئے۔ اسی فکر میں تھے کہ مولوی ابو القاسم صاحب صاحبزادہ حضرت مفتی صاحب کا انتقال ہو گیا۔ آپنے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا اور ان کو اوّلاً ترجمہ قرآن شریف پڑھنے کی ترغیب دی۔ انہوں نے ترجمہ شروع کیا۔ پھر ایک موقعہ پر انہیں نکاح ثانی کی ترغیب دی۔ انہوں نے کہا کہ لوگ مجھے قتل کر دینگے۔ آپنے فرمایا کہ تم شہید ہو گی۔ اسپر انہوں نے کہا کہ اگر تم نکاح کر و تو میں تیار ہوں۔ مگر میں اور تم دونوں مارے جاوینگے۔ آپنے تھوڑی دیر سکوت فرمایا اور پھر اقرار فرمالیا اور ایک موقع پر دو چار آدمیوں کے سامنے مخفی طور سے نکاح ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد حمل ٹھہر گیا۔ کسی کو نکاح کی

خبر نہ تھی ہر جگہ زنا کا شور مچگیا، تھانہ بھون والے چڑھ کر آئے۔ لڑکی والے کیطرف سے اعلان تھا کہ جو کوئی مولوی مظفر حسین صاحب کا سر اتار کر لادیگا اسکو ایک ہزار روپیہ ملیگا۔ آپ کاندھلہ سے دہلی تشریف لیگئے۔ اتفاق کی بات کہ انکی والدہ سخت علیل ہوگئیں۔ قاضی صاحب یعنی اُنکے والد بہت پریشان ہوئے۔ ہر قسم کا علاج کیا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ جب بالکل مایوس ہو گئے تو ایک فقیر ملا اور کہا کہ حافظ ضامن صاحب سے یہ کہلا دو کہ اچھی ہو جا۔ پھر اچھے ہونیکا میں ذمہ دار ہوں۔ سب لوگ حافظ ضامن صاحب کے سر ہو گئے وہ انکار کرتے تھے۔ قضیانی حافظ صاحب کی بہن تھیں بہت اصرار پر آپنے فرمایا کہ کاندھلہ سے اپنی لڑکی بی رحمت کو بلالو تب کہوں گا۔ اوّل تو بہت پس و پیش ہوئی بعد میں مجبوراً بلانا پڑا۔ اُن کے پہنچتے ہی خود بخود صحت شروع ہو گئی۔ اب مولوی مظفر حسین صاحب بھی دہلی سے تھانہ بھون تشریف لے گئے۔

حکایت (۱۹۹) کیرانہ میں ایک رافضیہ عورت تھی۔ آپنے اسے اہل سنت وجماعت ہونیکی ترغیب دی۔ اُس نے کہا کہ اگر آپ نکاح کریں تو میں توبہ کرلوں گی۔ آپنے منظور فرمالیا۔ یہ بھی بیوہ تھی۔ اس نے کہا کہ جب موقعہ ہوگا میں خط لکھونگی تم آکر لے جانا۔ محرم کے موقعہ پر جب عورتیں قصبہ سے باہر تعزیے دیکھنے گئیں تو انکا پرچہ مولوی صاحب کے پاس آیا جس میں یہ نشان تھا × آپ نے میرے دادا مولوی محمد صادق صاحب اور چند آدمیوں کو ڈولی دیکر کیرانہ بھیجا اور یہ رات کو گیارہ بجے کیرانہ جاکر اُن کو لے آئے۔ جب کیرانہ والوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے تعاقب کیا۔ یہاں سے بھی اُن کی اعانت کو لوگ گئے مگر مولوی محمد صادق اُن کے ہاتھ نہ آئے اور بخیر کاندھلہ پہنچ گئے۔ ان محترمہ نے حضرت کو بہت سخت تکالیف پہنچائیں۔ مگر

آپ سب پہنتے تھے۔ اکثر رات کو دروازہ بند کرلیا کرتی تھیں اور حضرت دروازہ کے باہر لنگی بچھا کر نماز میں وہ وقت گزارا کرتے تھے۔ اوّل حصہ میں دوسری بیوی کو جو بیوہ تھیں ترجمہ قرآن شریف پڑھایا کرتے تھے۔ دوسرے حصہ میں صاحبزادیوں کو ترجمہ پڑھایا کرتے تھے۔ تیسرا حصہ کیرانہ والی بیوی کا تھا جس میں انکے یہاں جاکر تہجد پڑھا کرتے تھے۔

حکایت (۲۰۰) آپنے چھ حج پیدل کئے۔ جس میں ایک مولوی محمد یعقوب صاحب کیساتھ اور ایک ہمراہ اہل وعیال۔ بعد میں مولوی محمد یعقوب صاحبؒ کا خط آیا کہ تم یہاں چلے آؤ۔ اس خط کو مولوی نور الحسن صاحب نے چھپالیا۔ جب آپ کو معلوم ہوا تو فوراً بیت اللہ روانہ ہوگئے۔ یہ روانگی ۲۳ جمادی الثانی روز شنبہ ۱۲۸۲ھ میں ہوئی۔ ابھی مکہ مکرمہ نہ پہنچے تھے کہ اسہال کا مرض لاحق ہوگیا۔ مکہ مکرمہ میں ایک مرتبہ حاجی امداداللہ صاحب سے فرمایا کہ میرا جی چاہتا تھا کہ مدینہ منورہ موت آوے مگر بظاہر میری موت کا وقت قریب آگیا۔ آپ مراقبہ کیجئے۔ انہوں نے مراقبہ کے بعد فرمایا کہ نہیں آپ مدینہ منورہ پہنچ جائیں گے۔ کچھ روز کے بعد آپ اچھے ہوگئے اور اگلے ہی روز مدینہ منورہ کو روانہ ہوگئے۔ مدینہ منورہ پہنچنے میں ایک منزل باقی تھی کہ آپ پھر بیمار ہو گئے اور ۱۰ محرم ۱۲۸۳ھ مطابق ۵ مئی یوم جمعہ ۱۸۶۶ء کو انتقال فرمایا اور نزدیک قبر حضرت عثمانؓ مدفون ہوئے۔

کرتہ، پاجامہ، لنگی، مشکیزہ، لوٹا آپ نے چھوڑا۔ حسب وصیت لوٹا اور مشکیزہ بیت المال میں داخل کردیا گیا۔ لنگی مریدین میں تقسیم کردی گئی۔ اور کرتہ اور پاجامہ صاحبزادیوں کے پاس بھیجدیا جس میں پاجامہ معتقدین میں تقسیم کردیا اور کرتہ مبارک موجود ہے فقط۔ (منقول از تذکرۃ الخلیل)

جناب مولانا شیخ محمد صاحب محدث تھانویؒ

حکایت (۲۰۱) فرمایا کہ مولانا شیخ محمد صاحبؒ وعظ میں لغات بہت بولتے تھے۔ اور اس کی تفسیر یعنی سے کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مولانا میرٹھ تشریف لے گئے تو ایک شخص کی نسبت دریافت کیا کہ یہ کتابیہ میرٹھ سے ہیں یا احابیش میرٹھ سے ہیں۔ (ہمارے حضرت ...... نے فرمایا) کہ مگر ہم نے اکثر بزرگوں کو دیکھا ہے کہ لوگ ان کو پہچانتے بھی نہ تھے کہ یہ علماء ہیں۔ گفتگو بہت معمولی آدمیوں کی طرح کرتے تھے۔ ہاں تقاریر کے اندر اصطلاحات ضرور بولتے تھے۔ (وہاں اس کی ضرورت ہوتی تھی۔ جامع) (منقول از اشرف التنبیہ)

حضرت حافظ محمد ضامن صاحب تھانوی شہیدؒ کی حکایات

حکایت (۲۰۲) فرمایا کہ جب کوئی حافظ محمد ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آتا تو فرماتے کہ دیکھ بھائی اگر تجھے کوئی مسئلہ پوچھنا ہے تو وہ (مولانا شیخ محمد کیطرف اشارہ کرکے) بیٹھے ہیں، مولوی صاحب اُن سے پوچھ لے اور اگر تجھے مرید ہونا ہے تو وہ (حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کیطرف اشارہ کرکے) بیٹھے ہیں حاجی صاحب اُنسے مرید ہو جا اور اگر حقہ پینا ہے تو یاروں کے پاس بیٹھ جا۔

حکایت (۲۰۳) فرمایا کہ حضرت حافظ ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اگر کوئی آکر کہتا کہ حضرت میں نے اپنے لڑکے کو حفظ شروع کرا دیا ہے، دعا فرما دیجئے تو فرماتے ارے بھائی کیوں جنم روگ لگایا، یہ تنبیہ ہے اسپر کہ عمر بھر اس کی حفاظت

واجب ہوگی۔ اگر اسکی اُمید نہ ہو تو ناظرہ ہی پڑھادو۔ اور حفظ سے روکنا نہیں ہے، مگر پیرایہ ظرافت کا ہے باعتبار مذاق مخاطب کے کہ کہیں اخیر میں اسکو مصیبت نہ سمجھنے لگو۔

حکایت (۲۰۴) فرمایا کہ ایک صاحبِ کشف حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر فاتحہ پڑھنے گئے۔ بعد فاتحہ کہنے لگے کہ بھائی یہ کون بزرگ ہیں بڑے دل لگی باز ہیں۔ جب میں فاتحہ پڑھنے لگا تو مجھ سے فرمانے لگے کہ جاؤ کسی مُردہ پر فاتحہ پڑھیو یہاں زندوں پر فاتحہ پڑھنے آئے ہو۔ یہ کیا بات ہے۔ جب لوگوں نے بتایا کہ یہ شہید ہیں۔

حکایت (۲۰۵) فرمایا کہ حضرت حافظ محمد ضامنؒ اپنے مرشد حضرت میانجیوؒ کے ہمراہ ان کا جوتہ بغل میں لیکر اور توبرہ گردن میں ڈالکر جھنجانہ جاتے تھے اور اُنکے صاحبزادے کی سُسرال بھی وہیں تھی۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اس حالت سے جانا مناسب نہیں وہ لوگ حقیر سمجھ کر کہیں رشتہ نہ توڑ ڈالیں۔ حافظ صاحب نے فرمایا کہ رشتہ کی ایسی تیسی۔ میں جانتے ہیں اپنی سعادت ہرگز نہ چھوڑوں گا۔

حکایت (۲۰۶) فرمایا کہ ایک نوجوان حضرت حافظ ضامن صاحبؒ کی خدمت میں آنے لگا تھا۔ حضرت کی برکت سے اسکی کچھ حالت بدلنے لگی۔ اس کے باپ نے حافظ صاحب سے شکایت کی کہ جب سے لڑکا آپ کے پاس آنے لگا بگڑ گیا۔ حافظ صاحب نے جوش میں فرمایا کہ ہم کو تو بگاڑنا ہی آتا ہے۔ ہمیں بھی تو کسی نے بگاڑا ہی ہے۔ ہم کسی کو بُلاتے تھوڑا ہی ہیں۔ جسکو سنورنا ہو وہ ہمارے پاس نہ آوے۔ ہمیں تو بگاڑنا ہی آتا ہے۔

حکایت (۲۰۷) فرمایا کہ حافظ محمد ضامن رحمۃ اللہ علیہ کی درخواست پر

حضرت میانجیو نے بیعت سے اوّل انکار کر دیا تھا مگر یہ برابر خدمت میں حاضر ہوتے رہتے۔ اصرار مطلق نہیں کیا۔ جب تقریباً دو تین مہینے آتے جاتے گذر گئے تو ایک دن حضرت میانجیو نے حافظ صاحب سے پوچھا کہ کیا اب بھی وہی خیال ہے۔ حافظ صاحب نے عرض کیا کہ میں تو اسی خیال سے حاضر ہوتا ہوں مگر خلافِ ادب ہونے کے سبب اصرار بھی نہیں کرتا۔ اسپر حضرت نے خوش ہو کر فرمایا کہ اچھا وضو کر کے دو رکعت نفل پڑھ آؤ۔ پھر حضرت نے سلسلہ میں داخل فرما لیا۔ (منقول از اشرف التنبیہ)

اضافہ از احقر ظہور الحسن غفر لہ ولوالدیہ

حکایت (۲۰۸) ایک بار ارشاد فرمایا کہ حضرت ضامن صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ سپاہی منش اور نہایت خوش مزاج آدمی تھے مجھ سے کمالِ الفت کرتے تھے۔ ایک دفعہ جب وہ گنگوہ میں تشریف فرما تھے تو ایک شخص نے ان کی دعوت کی۔ وہ لکڑہارا تھا۔ آپنے قبول فرمالی۔ کچھ دیر بعد حافظ محمد ابراہیم صاحب ڈپٹی کلکٹر مال کے والد نے بھی التجا قبولِ ضیافت کی۔ چنانچہ وہ بھی قبول کرلی۔ ایک شخص نے کہا حضرت وہ پہلا ناراض ہوگا۔ تو حضرت حافظ صاحب نے مُنہ بنا کر فرمایا کہ ہم اسکا مُنہ توڑ دینگے اور کہا کہ وہ لاویگا کیا۔ پانچ چھ روٹیاں اور پیالہ بھر دال۔ سو یہ اتنے آدمیوں کو کافی نہ ہوگا۔ ہم اس کا لایا ہوا بھی رکھ لیں گے اور دوسرے کا لایا ہوا بھی اور پھر کھا دینگے۔ چنانچہ وہ لکڑہارا آیا تو پانچ چھ روٹیاں جَو کی لایا اور ایک لوٹے میں سیر بھر کے قریب دودھ۔ حافظ صاحب نے اسکو رکھ لیا اور لکڑہارے کو رخصت کر دیا۔ جب دوسرے شخص بھی کھانا لے آئے تو آپنے پہلا کھانا بھی نکلوایا اور سب کو مِلا کر کھایا۔

حکایت (۲۰۹) حضرت حافظ صاحب کے مزاج اور خوش مزاجی کے بہت قصے بیان فرمایا کرتے تھے۔ ایک بار فرمایا۔ حافظ صاحب کو مچھلی کے شکار کا بہت شوق تھا۔ ایک بار ندی پر شکار کھیل رہے تھے۔ کسی نے کہا "حضرت ہمیں آپنے فرمایا" ابھی ماروں تیرتی" (منقول از تذکرۃ الرشید)

مولینا محمد اسمٰعیل صاحب کاندھلوی رح کی حکایت

حکایت (۲۱۰) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب کاندھلوی نہایت سیدھے اور نہایت متبع سنت بزرگ تھے۔ میں اُن سے بہت ہی مرتبہ ملا ہوں لیکن جب کبھی اُن سے ملاقات ہوتی تھی تو وہ یہ ضرور فرمایا کرتے تھے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جب کسی کو کسی سے محبت ہو تو اُسے چاہیئے کہ اُسکو اطلاع کر دے اسلیے میں بہ تعمیلِ ارشادِ نبوی صلعم تم سے کہتا ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہے۔ یہ انکا ہر ملاقات میں معمول رہا اور کبھی اس میں تخلف نہیں ہوا۔[ف]

حضرت قاسم العلوم والخیرات جناب مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانیِ دار العلوم دیوبند کی حکایات

حکایت (۲۱۱) جناب خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی احمد حسن صاحب امروہی مراد آباد کے مدرسہ شاہی میں مدرس تھے۔ مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد مولوی محمد یعقوب صاحب ہر سال جا کر امتحان لیا کرتے تھے ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ دفتر کی چھت پر جو مکان ہے آپ اسمیں بیٹھے ہوئے

ف یہ جوش ہے اتباعِ سنت کا، جو مقتضی ہوتا تھا تکرار کو۔ ورنہ کافی ایک بار اطلاع کرنا بھی تھا (اشرف علی)

تھے اور میں بھی حاضر تھا۔ (میں اس زمانہ میں چھتاری میں ملازم تھا اور مجھے حضرت سے اور حضرت کو مجھ سے بہت تعلق تھا۔ اسلیے میرا معمول تھا کہ جب مجھے معلوم ہوتا کہ آپ تشریف لانیوالے ہیں تو میں مرادآباد پہنچ جاتا تھا) اسوقت مولانا کچھ بزرگوں کا ذکر کر رہے تھے اور جس مجلس میں یہ عاجز ہوتا تھا اکثر مجھ ہی کو مخاطب بنالیا کرتے تھے۔ گو اس وقت مجمع کثیر تھا مگر آپنے مجھ ہی کو مخاطب بنایا اور فرمایا خواجہ احمد جام مستجاب الدعوات مشہور تھے۔ ایک عورت اُنکی خدمت میں اپنے ایک نابینا بچے کو لائی اور عرض کیا کہ اپنا ہاتھ اُسکے منہ پر پھیر دیجئے اور اسکی آنکھیں اچھی کر دیجئے۔ اس وقت آپ پر شانِ عبدیت غالب تھی، اسلئے نہایت انکسار کیساتھ فرمایا کہ میں اس قابل نہیں ہوں۔ اس نے اصرار کیا مگر آپنے پھر وہی جواب دیا۔ غرضکہ تین چار مرتبہ یونہی ردو بدل ہوئی۔ جب آپنے دیکھا کہ وہ مانتی ہی نہیں ہے تو آپ وہاں سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے چلدیے کہ یہ کام تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تھا وہ اندھوں اور مبروصوں کو اچھا کرتے تھے میں اس قابل نہیں ہوں۔ تھوڑی دور چلے تھے کہ الہام ہوا تو کون اور عیسیٰ کون اور موسیٰ کون ہے پیچھے لوٹ اور اسکے منہ پر ہاتھ پھیر، نہ تم اچھا کرسکتے ہو نہ عیسیٰ، ما می کنیم۔ آپ یہ سُن کر لوٹے اور ما می کنیم فرماتے جاتے تھے اور جاکر اُسکے منہ پر ہاتھ پھیر دیا اور آنکھیں اچھی ہوگئیں۔ یہ قصہ بیان فرماکر مولانا نے فرمایا کہ احمق لوگ یوں سمجھ جایا کرتے ہیں کہ یہ ما می کنیم خود کہہ رہے ہیں حالانکہ ان کا قول نہیں ہوتا بلکہ وہ حق تعالیٰ کا قول ہوتا ہے[1]۔ بلکہ جب کوئی کسی گویئے سے کوئی عمدہ شعر سُنتا ہے تو اسکو

---

[1] منصور حلاج کی سب سے اچھی تاویل یہی ہے اور یہ حکایت حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے احقر نے بھی سُنی ہے۔ بس اتنا فرق ہے کہ مجھ کو اُن بزرگ کا نام لینا یاد نہیں رہا اور اول بار جو اس عورت کو جواب دیا، اُس کا لہجہ جوش کا یاد ہے، وہ یہ کہ میں عیسیٰ ہوں جو اندھوں کو اچھا کروں۔ اور ما می کنیم کی جگہ ما کنیم یاد ہے۔ (اشرف علی)

اپنی زبان سے بار بار دُہراتا ہے اور مزے لیتا ہے۔ اسی طرح وہ اس الہام کی لذت سے حق تعالیٰ کا ارشاد "مامی کینم" بار بار دُہراتے تھے:

حکایت (۲۱۲) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتوی سفرِ حج میں تھے اس سفر میں ان کا جہاز یمن کی ایک بندرگاہ پر ٹھہر گیا اور مولانا کو معلوم ہوا کہ یہاں جہاز چند روز قیام کرے گا۔ چونکہ آپ کو معلوم ہوا کہ یہاں سے قریب کسی بستی میں ایک بہت معمر عالم اور محدث رہتے ہیں اسلئے آپ جہاز سے اُتر کر اُن کی خدمت میں روانہ ہو گئے۔ جب اُنکی خدمت میں پہنچے اور گفتگو ہوئی تو مولانا کو اُن کی شہرتِ علم کی تصدیق ہو گئی اور آپ نے اُنسے حدیث کی سند کی درخواست کی۔ اُن عالم نے دریافت کیا کہ تم نے کس سے حدیث پڑھی ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ شاہ عبدالغنی صاحب سے (وہ عالم، شاہ عبدالغنی صاحب کو نہ جانتے تھے۔ اسلئے دریافت کیا کہ شاہ عبدالغنی نے کس سے پڑھی ہے، مولانا نے فرمایا شاہ اسحاق صاحب سے۔ وہ شاہ اسحاق صاحب سے بھی واقف نہ تھے اسلئے پوچھا کہ شاہ اسحاق صاحب نے کس سے پڑھی ہے۔ مولانا نے فرمایا شاہ عبدالعزیز صاحب سے۔ وہ شاہ عبدالعزیز صاحب سے واقف تھے۔ جب اُنکا نام سنا تو فرمایا کہ اب میں تمکو سند دیدوں گا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ شاہ ولی اللہ طوبیٰ کا درخت ہے۔ پس جسطرح جہاں جہاں طوبیٰ کی شاخیں ہیں وہاں جنت ہے اور جہاں اُسکی شاخیں نہیں وہاں جنت نہیں۔ یونہی جہاں شاہ ولی اللہ کا سلسلہ ہے وہاں جنت ہے اور جہاں اُنکا سلسلہ نہیں وہاں جنت نہیں۔ اسکے بعد انہوں نے مولانا کو حدیث کی سند دیدی۔ خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے خود مولانا نانوتوی سے سُنا ہے۔

حکایت (۲۱۳) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتوی وعظ نہ کہتے تھے۔ اگر

لہ باوجود کامل ہونیکے دوسرے اہلِ کمال سے استفادہ فرمانا کمالِ تواضع وحرصِ دین کی دلیل ہے۔ وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون۔ (اشرف علی)

کوئی بہت ہی اصرار کرتا تو کہدیتے تھے۔ ایکمرتبہ کسی نے اصرار کیا تو فرمایا وعظ ہم لوگوں کا کام نہیں اور نہ ہمارا وعظ کچھ مؤثر ہو سکتا ہے۔ وعظ کا کام تھا مولانا اسمٰعیل صاحب شہید کا اور انہی کا وعظ مؤثر بھی تھا۔ دیکھو اگر کسی کو پاخانہ پیشاب کی حاجت ہو تو اس کے قلب میں اسوقت تک بے چینی رہتی ہے جبتک وہ اُن سے فراغت حاصل نہ کرلے۔ اور اگر وہ کسی سے باتوں میں بھی مشغول ہوتا ہے یا کسی ضروری کام میں لگا ہوتا ہے تو اس وقت بھی اسکے قلب میں پاخانہ پیشاب ہی کا تقاضا ہوتا ہے اور طبیعت اُسکی اُسی طرف متوجہ ہوتی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ جلد سے جلد اس کام سے فراغت پاکر قضائے حاجت کیلئے جاؤں۔ سو واعظ کی اہلیت وعظ اور اسکے وعظ کی تاثیر کے لیے کم از کم اتنا تقاضائے ہدایت تو ضرور ہونا چاہیئے جتنا کہ پاخانہ پیشاب کا۔ اگر اتنا بھی نہ ہو تو واعظ وعظ کا اہل ہے اور نہ اس کا وعظ مؤثر ہو سکتا ہے۔ ہم لوگوں کے قلوب میں ہدایت کا اتنا تقاضا بھی نہیں جتنا کہ پاخانہ پیشاب کا۔ اسلیئے نہ ہم وعظ کے اہل ہیں اور نہ ہمارا وعظ مؤثر ہو سکتا ہے۔ ہاں یہ تقاضا مولوی اسمٰعیل صاحب کے دل میں پورے طور پر موجود تھا اور جبتک وہ ہدایت نہ کرلیتے تھے اُن کو چین[لہ] نہ آتا تھا۔ چنانچہ وہ ایک ایک دن میں بیس بیس جگہ وعظ کہتے تھے اسلیئے وہ وعظ کے اہل تھے اور ان کا وعظ مؤثر بھی ہوتا تھا۔

حکایت (۲۱۴) خانصاحب نے فرمایا حکیم عبدالسلام ملیح آبادی کو مولینا

لہ یہ اثر لازم ہے شفقت کاملہ کا اور اس بے چینی کے ممنوع ہونیکا ان آیات سے شبہ نہ کیا جاوے قولہ تعالیٰ واصبر وما صبرك الا بالله ولا تحزن عليهم ولا تك فى ضيق مما يمكرون۔ وقولہ تعالیٰ۔ لعلك باخع نفسك ان لا يكونوا مؤمنين۔ وقولہ تعالیٰ۔ اما من استغنىٰ فانت له تصدىٰ۔ وقولہ تعالیٰ من اهتدىٰ فانما يهتدى لنفسه وضل فانما يضل عليها وما انت عليهم بوكيل ونحوها من الآيات۔ کیونکہ مراد ان آیات میں وہ درجہ ہے جس میں اشتغال محتمل ہو افضاء الى الاخلال فى الضروريات الدنيوية والدينية کو۔ (اشرف علی)

مولانا نانوتوی کی خدمت میں جانے کا بہت شوق تھا۔ مجھ سے فرمایا کرتے تھے کہ جب
تو مولانا کی خدمت میں جاوے مجھے اپنے ساتھ ضرور لے چلنا۔ لیکن مجھ بدنصیب کے
دل میں ایک خیال جم گیا تھا اور وہ یہ کہ حکیم صاحب بہت خوش بیان اور گویا آدمی ہیں
واجد علی شاہ کے طبیب خاص بھی رہے ہیں۔ اور حضرت مولانا کی خوش بیانی اور پرگوئی
(یعنی بسط فی الکلام) یا تو وعظ میں ہوتی ہے یا سبق پڑھانے میں اور معمولی گفتگو اُن
کی قصباتی ہے اور یہ زمانہ مولانا کی علالت کا تھا اور اسباق نہ ہوتے تھے اسلئے ایسا
نہ ہو کہ مولانا سے ملنے کے بعد یہ ان کو خاطر میں نہ لائیں اور ان سے بداعتقاد ہو جائیں
اور اختلافِ خیال کے سبب میرے اور اُن کے لطفِ صحبت میں رخنہ واقع ہو بنابریں
جب میں حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا تو اُن کو ساتھ نہ لیگیا جب میں واپس
آیا تو بہت ناخوش ہوئے۔ اتفاق سے میرا دوبارہ مولانا کی خدمت میں حاضر ہونیکا ارادہ
ہوا مگر اس مرتبہ بھی میں نے ان سے اطلاع نہیں کی۔ لیکن حکیم صاحب کو کسی ذریعہ سے
میرا ارادہ معلوم ہوگیا اور وہ خود بخود ہاتھ میں بیگ لیے ہوئے میرے پاس آگئے اور
کہا کہ میں بھی تیرے ساتھ چلونگا۔ اب تو میں مجبور ہوگیا اور ہم تین آدمی، میں اور حکیم صاحب
اور محمد خانصاحب خورجوی مولانا کی خدمت میں روانہ ہوگئے۔ جس وقت ہم دیوبند پہنچے
ہیں اُسوقت آفتاب غروب ہوگیا تھا اور ہم نے مغرب کی نماز اُس مسجد میں پڑھی
جہاں یکے کھڑے ہوتے ہیں۔ نماز پڑھ کر ہم تینوں پیدل حضرت مولانا کی خدمت میں روانہ
ہوگئے۔ مولانا اس زمانہ میں مولوی محمود الحسن صاحب کے مکان پر رہتے تھے۔ جب
مولوی محمود الحسن صاحب کا مکان تقریباً پچاس قدم رہ گیا تو میں محمد خاں کو حکیم صاحب
کیساتھ چھوڑ کر آگے بڑھ گیا اور اُن سے پہلے مولانا کے پاس پہنچگیا۔ مولانا کا لباس اسوقت

یہ تھا، سر پر میلا اور پھٹا ہوا عمامہ تھا جس میں لیرے پڑے ہوئے تھے اور چونکہ سردی کا زمانہ تھا اسلئے ایک دھوتر کی نیلی رنگی ہوئی مرزئی پہنے ہوئے تھے جس میں بند لگے ہوئے تھے اور نیچے نہ کرتا تھا (کرتہ پہنتے ہی نہ تھے) اور نہ انگرکھا تھا اور ایک رضائی اوڑھے تھے جو نیلی رنگی ہوئی تھی اور اس میں مومی کی گوٹ لگی ہوئی تھی جو پھٹی ہوئی تھی اور کہیں تہی اور کہیں بالکل اُڑی ہوئی تھی۔ میں نے سلام کر کے مصافحہ کیا اور عرض کیا کہ حکیم عبد السّلام حضور کی زیارت کیلئے آ رہے ہیں۔ تو مولانا یہ سمجھے کہ یہ مولوی عبد السلام ہسوی ہیں جو احمد سعید صاحب کے خلیفہ اور شاہ عبد الغنی صاحب کے حدیث میں شاگرد تھے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت مولوی عبد السّلام ہسوی نہیں بلکہ حکیم عبد السّلام ملیح آبادی ہیں جو مفتی حسین احمد صاحب کے لڑکے ہیں۔ مولانا مفتی صاحب سے واقف تھے اسلئے انہوں نے انکو پہچان لیا۔ یہ گفتگو ہو چکی تھی۔ اتنے میں محمد خاں حکیم صاحب کو لیے ہوئے مولانا کی خدمت میں آ پہنچے۔ جسوقت یہ دونوں آئے ہیں اسوقت مجلس کا یہ رنگ تھا کہ دروازہ کے سامنے مولوی ذوالفقار علی صاحب بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے برابر میں مظفر نگر کے ایک عالم بیٹھے ہوئے تھے جنکا مجھے نام یاد نہیں۔ اور مولانا ایک طرف کو چارپائی سے کمر لگائے بیٹھے ہوئے تھے اور انکے برابر میں دیوبند کے ایک صاحب بیٹھے ہوئے تھے جو لباس بھی عمدہ پہنے ہوئے تھے اور ڈاڑھی بھی شاندار تھی۔ اسی مجلس میں مولوی عبد الکریم پنجابی مولانا کے شاگرد بھی تھے۔ جب حکیم عبد السّلام پہنچے تو سب لوگ اُن کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے۔ حکیم صاحب مولانا کے دھوکہ میں تمام شاندار لوگوں سے مصافحہ کرتے ہیں مگر مولانا کیطرف متوجہ نہیں ہوتے جب میں نے یہ حالت دیکھی تو میں نے تبلایا کہ مولانا یہ ہیں۔ وہ مولانا سے مصافحہ کر کے

اُن کے قریب ہی بیٹھ گئے اور نہایت لسانی سے گفتگو شروع کردی اور عشاء کی نماز کے بعد تک برابر گفتگو کرتے رہے۔ کبھی لکھنؤ کے مناظروں کی کیفیت بیان کرتے رہے، کبھی مرزا حسن علی محدّث کے حالات بیان کرتے، کبھی اور کوئی قصّہ بیان کرتے۔ غرضکہ پورا جلسہ انہی کی گفتگو میں ختم ہوگیا اور مولانا کچھ نہیں بولے۔ صرف اُن کی باتوں پر کبھی جی ہاں حضرت، اور کبھی بجا ہے، فرمادیتے تھے۔ جب جلسہ برخاست ہوا تو مولانا نے محمد خاں اور حکیم صاحب کو چھتّے کی مسجد میں حاجی محمد عابد صاحب کے حجرہ کے اوپر جو مکان تھا اسمیں ٹھہرادیا اور میں رات کو مولوی محمود الحسن صاحب کے مکان پر سویا۔ صبح کو چھتّے کی مسجد میں مولوی محمد یعقوب سے ملاقات ہوئی۔ ہم لوگ کچھ اُن کے پاس بیٹھے کچھ حاجی محمد عابد صاحب کے پاس بیٹھے۔ پھر مولانا کے یہاں جابیٹھے اور کھانے کے وقت مولانا ہی کی خدمت میں بیٹھے رہے۔ اسوقت بھی حکیم صاحب ہی باتیں کرتے رہے۔ تیسرے پہر کو حکیم صاحب مدرسہ کی سیر کو گئے اور تھوڑی تھوڑی دیر سب مدرسوں کے درس میں بیٹھے مگر مولوی محمد یعقوب صاحب کے درس میں سب سے زیادہ بیٹھے۔ جب میں نے دیکھا کہ حکیم صاحب پر ابتک مولانا کی حالت منکشف نہیں ہوئی تو مجھے اس کا بہت صدمہ ہوا۔ اور میں نے اسکی کوشش کی کہ کوئی علمی گفتگو ہو اور مولانا کچھ کھلیں۔ اس کیلئے میں نے مولوی محمود حسن صاحب سے بھی کہا کہ تم کوئی علمی بات مولانا سے دریافت کرو اور مولوی عبدالکریم صاحب سے بھی۔ مگر ہر ایک نے یہی کہا کہ مولانا کی طبیعت اچھی نہیں ہے۔ اگر حکیم مولانا کے معتقد ہوجاویں تو کیا اور اگر غیر معتقد ہوجاویں تو کیا، ہم تو مولانا کو تکلیف نہ دینگے۔ تمہارا جی چاہے تم خود پوچھ لو۔ میں نے اُن پر بہت زور دیا مگر کسی نے نہ مانا، حتّٰی کہ میری اُن صاحبوں سے لڑائی

اور تو تر طلاق بھی ہو گئی مگر انہوں نے کسی طرح نہ مانا۔ حکیم صاحب نے مدرسین کی حالت دیکھ کر محمد خاں سے کہا کہ مولوی محمد یعقوب صاحب حدیث ایسی پڑھاتے ہیں جیسے میرے والد پڑھاتے ہیں۔ مگر مرزا حسن علی محدث کیسی نہیں پڑھاتے اور حضرت مولانا کیطرف اشارہ کرتے ہوئے یہ کہا کہ پیراں نمے پرند مریداں مے پرانند۔ جب یہ بات مجھے معلوم ہوئی تو مجھے بہت ملال ہوا۔ اور میں نے مولوی محمود الحسن صاحب کو بھی برا بھلا کہا اور مولوی عبد الکریم سے تو لپا ڈگی ہو گئی (دوستی کے اور احکام ہیں اور عقیدت کے اور احکام) اور میں نے کہا کہ میں نہ کہتا تھا کہ مولانا سے کوئی علمی بات پوچھو مگر تم نے میرا کہا نہ مانا۔ دیکھو حکیم عبد السلام ایسا کہتے ہیں۔ انہوں نے اسپر بھی یہی کہا کہ ہم تو مولانا کو تکلیف نہ دینگے چاہے حکیم عبد السلام معتقد ہوں یا نہ ہوں۔

خدا کی شان کہ اسی روز حکیم مغیث الدین صاحب سہارنپوری کے صاحبزادے حکیم مشتاق احمد صاحب مولانا کی خدمت میں آپہنچے اور مولانا سے عرض کیا کہ ایک پادری نے آکر قرآن پر یہ اعتراض کیا کہ قرآن میں توریت وانجیل کی نسبت محرّف ہونیکا دعویٰ کیا گیا ہے اور قرآن ہی میں اس کا بھی اقرار ہے کہ خدا کے کلام کو کوئی بدل نہیں سکتا[1]۔ یہ قرآن کا صریح تعارض وتناقض بیان ہے۔ یہ سُنکر مولانا کو جوش ہوا اور تقریر جواب شروع فرمادی اور دن کے آٹھ بجے سے کھانے کے وقت تک تقریر فرمائی۔ اور حکیم مشتاق احمد صاحب کھانیکے بعد چلے گئے۔ ظہر کے بعد حکیم عبد السلام نے پھر یہی مضمون چھیڑ دیا اور مولانا نے ظہر سے عصر تک یہی مضمون بیان فرمایا اور مغرب

---

[1] غالباً یہ اشارہ ہے لامبدل لکلماتہ کیطرف اور مولانا نے جو جواب ارشاد فرمایا ہو چونکہ وہ اس قصہ میں مذکور نہیں اسلیے ضرورت ہوئی کہ اسکا سہل جواب بھی عرض کر دیا جاوے۔ وہ جواب یہ ہے کہ یہاں کلمات سے مراد خاص قرآن مجید ہے بقرینہ شروع آیت وھو الذی انزل الیکم الکتاب مفصلا۔ اور اس کی عدم تبدیل کا سبب دوسری آیت میں ہے وانا لہ لحفظون۔ اور کلمات سے مراد کلام ہے جیسا حدیث میں ہے اصدق ماقال الشاعر کلمۃ لبید ای کلام لبید۔ (اشرف علی)

سے عشاء تک یہی مضمون بیان فرمایا اور عشا کے بعد پھر یہی مضمون شروع کر دیا اور حکیم عبد السلام نہایت شوق سے اس مضمون کو سنتے اور بجا ہے حضور بجا ہے حضور، کہتے رہے۔ جب میں نے یہ دیکھا کہ رات بہت گذر گئی تو میں نے اشارہ سے حکیم عبد السلام سے کہا کہ اب اُٹھ چلو مگر وہ نہیں اُٹھے۔ تھوڑی دیر بعد میں نے پھر کہا، پھر بھی نہ اُٹھے۔ جب بارہ بج گئے تب میں نے زور سے کہا کہ حکیم صاحب اُٹھیئے بہت دیر ہو گئی۔ اور اب مولانا کو آرام کرنے دیجیئے۔ تب حکیم عبد السلام اٹھے اور تقریر ختم ہوئی۔ مولانا کو کھانسی کا مرض تھا۔ مگر آج ایسا اتفاق ہوا کہ اثنائے تقریر میں ایک مرتبہ بھی کھانسی نہ اٹھی اور تقریر کی برجستگی میں ذرا بھر بھی خلل نہ آیا۔ اب تو حکیم صاحب مولانا کے نہایت معتقد ہو گئے اور وہاں سے ٹھنڈی سانسیں بھرتے ہوئے اٹھے۔ مجھے ان کی حالت تو معلوم ہو گئی مگر میں نے اُن سے کچھ نہیں کہا۔ صبح کے وقت حکیم عبد السلام اور ہم سب روانہ ہو گئے۔ حکیم صاحب کو پہنچانے کیلئے مولوی محمود الحسن صاحب، حافظ احمد، مولوی عبد الکریم اور دوسرے اشخاص اسٹیشن تک آئے۔ سٹیشن پر پہنچکر میں نے حکیم عبد السلام کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے اور میں نے کہا کہ پرسوں جو کچھ آپنے محمد خاں سے فرمایا تھا وہ میں سُن چکا ہوں، اب فرمایئے کہ آپنے مولانا کو کیسا پایا۔ اسپر حکیم صاحب نے فرمایا اسکا جواب ایک قصہ پر موقوف ہے پہلے وہ قصہ سُن لو۔ وہ قصہ یہ ہے کہ باوجود نقشبندی مجددی ہونے کے اور باوجود شاہ عبد العزیز صاحبؒ اور شاہ غلام علی صاحبؒ سے مستفید ہونیکے میرے والد کے اندر چشتیت بہت غالب تھی۔ حالانکہ وہ کبھی چشتی سے مستفید نہ ہوئے تھے۔ اور اس بنا پر اُن کی کیفیت یہ تھی کہ جس جگہ یہ سنتے تھے کہ وہاں فلاں شے خوبصورت ہے تو سفر کر کے اُسے دیکھنے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ انہیں معلوم

ہوا کہ جیپور میں کوئی تصویر[1] بہت حسین ہے پس وہ اُسے دیکھنے کے لیے جیپور روانہ ہو گئے اور جا کر اُسے دیکھ آئے۔ حالانکہ یہ سفر بہت لمبا ہے بالخصوص اس زمانہ کے لحاظ سے۔ اسی طرح انہیں معلوم ہوا کہ لکھنؤ سے بہت دور مقام پر کسی کے یہاں ہانسی حصار سے کوئی اونٹنی آئی ہے جو بہت خوبصورت ہے۔ یہ سُن کر اس اونٹنی کو دیکھنے روانہ ہو گئے اور وہاں پہنچکر اُس اونٹنی کو دیکھا اور اُسکی گردن میں ہاتھ ڈال کر اس کا سر جھکایا اور اسکی پیشانی پر بوسہ دیکر فرمایا کہ کہاں ظہور فرمایا[2] ہے۔ غرض یہ انکی حالت تھی۔ اب سنو کہ لکھنؤ کے اطراف میں ایک مقام پر ایک عالم رہتے تھے۔ وہ ایک لڑکے پر عاشق تھے[3] اور اسکو بہت محبت سے پڑھاتے تھے۔ جب والد صاحب کو اُسکے حُسن کا قصہ معلوم ہوا تو وہ حسبِ عادت اُسے دیکھنے کیلئے چلدیے۔ جس مسجد میں وہ رہتے تھے اسکے جنوب میں ایک سہ دری تھی اور اس سہ دری کے اندر جانب غروب ایک کوٹھڑی تھی اور اُس کوٹھڑی کے آگے شمالاً جنوباً ایک چارپائی بچھی ہوئی تھی۔ جسوقت والد صاحب پہنچے ہیں تو اسوقت لڑکا کوٹھڑی کے اندر تھا اور وہ عالم اس چارپائی سے کمر لگائے ہوئے اور کوٹھڑی کیطرف پُشت کیے ہوئے بیٹھے تھے۔ والد صاحب اسباب رکھ کر اُن عالم سے مصافحہ کرنے لگے۔ جب یہ سہ دری میں پہنچے ہیں تو وہ لڑکا ان کو دیکھ کر کوٹھڑی میں سے نکلا۔ والد صاحب نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھائے تھے کہ ان کی نظر اُس لڑکے پر پڑ گئی جس سے مصافحہ تو رہ گیا اور والد صاحب اس لڑکے کو دیکھنے میں مستغرق ہو گئے۔ ان عالم نے جب یہ دیکھا کہ یہ مصافحہ کرنا چاہتے

---

[1] مغلوبین معذور ہیں۔ [2] دوسرے کو ایسا کہنا تقلیداً جائز نہیں ؎

لقمہ و نکتہ است کامل را حلال ٭ تو نۂ کامل مخور می باش لال

[3] دوسرے کو ایسا کرنا جائز نہیں ؎

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر ٭ گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

تھے مگر مصافحہ نہیں کر سکے. تو انہوں نے منہ پھیر کر اپنے پیچھے جو دیکھا تو ان کو معلوم ہوا کہ لڑکا کھڑا ہے اور یہ اُسکے دیکھنے میں مصروف ہیں. جب انکو معلوم ہوا کہ یہ حضرت بھی ہمارے ہمرنگ معلوم ہوتے ہیں تو انہوں نے اس لڑکے کو آواز دی اور کہا کہ ان صاحب سے مصافحہ کرو. وہ لڑکا آیا اور اُس نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھائے اُس وقت اُن عالم صاحب نے یہ شعر پڑھا ؎

این است کہ خوں خوردہ و دل بُردہ بسے را ؎ بسم اللہ اگر تابِ نظر ہست کسے را

یہ قصہ تو ختم ہوا اب جواب سُنو. میری آرزو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اتنی قوت دے کہ مرزا حسن علی محدث کو اور اپنے باپ کو اور مولوی اسمٰعیل صاحب کو اور فلاں فلاں کو قبروں میں سے زندہ کر کے لاؤں اور انکو مولانا کی تقریر سنواؤں اور اس شعر کو یوں پڑھوں ؎

این است کہ خون خوردہ و دل بردہ بسے را
بسم اللہ اگر تابِ سخن ہست کسے را

حکایت (۲۱۵) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی محمد یعقوب صاحب اور مولوی محمد منیر صاحب اور حضرت مولانا نانوتوی یہ تینوں ایک سال کی پیدائش تھے اور مولانا نانوتوی سب سے بڑے تھے اُن سے چھوٹے مولوی منیر صاحب اور سب سے چھوٹے مولانا محمد یعقوب صاحب تھے. یہ بیان فرما کر فرمایا کہ میں نے دو شخصوں کو دیکھا ہے کہ وہ مولانا سے بہت بے تکلفی کیساتھ باتیں کرتے تھے, ایک مولوی محمد منیر صاحب دوسرے مولوی امیر الدین صاحب جو حال کے امام جامع مسجد دہلی کے چچا تھے. مولوی

ف اوپر گذر چکا ہے کہ ہر خوبصورت شے کے دیکھنے کو سفر کرتے تھے حتیٰ کہ سفر کر کے اونٹنی کو دیکھنے گئے یہ صاف دلیل ہے کہ ان کی نظر شہوانی نہ تھی۔ (اشرف علی)

محمد منیر صاحب تو صرف قاسم ہی کہہ کر خطاب کرتے تھے مگر مولوی امیر الدین صاحب تم لبے تبے سے گفتگو کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مولوی امیر الدین صاحب سے کسی نے پوچھا کہ آپ مولانا کیساتھ اسقدر گستاخی کیساتھ گفتگو کرتے ہیں کچھ تو خیال کیا کیجئے۔ تو مولوی امیر الدین صاحب نے فرمایا کہ میں کیا کروں اگر میں اس انداز سے گفتگو نہیں کرتا اور ادب سے کام لیتا ہوں تو بولنا چھوڑ دیتا ہے۔ اسلئے میں ادب پر اس کی خوشی کو ترجیح دیتا ہوںؒ۔

حکایت (۲۱۶) خانصاحب نے فرمایا کہ ان ہی مولوی امیر الدین صاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ بھوپال سے مولانا کی طلبی آئی اور پانچسو روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر کی۔ میں نے کہا ابے قاسم تو کیوں نہیں جاتا۔ تو فرمایا کہ وہ مجھے صاحب کمال سمجھ کر بلاتے ہیں اور اسی بنا پر وہ پانسو روپے دیتے ہیں مگر اپنے اندر میں کوئی کمال نہیں پاتا۔ پھر کس بنا پر جاؤںؒ۔ میں نے بہت اصرار کیا مگر نہیں مانا۔

حکایت (۲۱۷) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبد الرحمٰن خورجوی جو مورچہ والے مشہور ہیں اُن کے نانا احمد خاں خورجوی مورچہ والے پڑھے لکھے کچھ نہ تھے مگر مولوی محبوب علی صاحب کی صحبت میں رہے ہوئے تھے اور مولوی محبوب علی صاحب مولوی محمد اسحاق صاحب و مولوی محمد یعقوب صاحب پر نہایت فریفتہ تھے۔ حنفی نہایت پکے اور بہت خوش عقیدہ تھے۔ اثنار قصہ میں اتنی بات اور سن لو کہ میں مولانا نانوتوی سے بیعت بھی ہوا تھا اور ان کا نہایت معتقد بھی تھا لیکن ان کی باتیں میری

لہ ۵ چوں طمع خواہد ز من سلطانِ دین ؎ خاک بر فرق قناعت بعد ازیں
اندرونِ کعبہ رسمِ قبلہ نیست ؎ چہ غم از غواص را پاچیلہ نیست
اور کیا ٹھکانا ہے اتباعِ رضا کا کہ غیبت میں بھی وہی عنوان پسندیدۂ محبوب اختیار کیا۔

لہ پہلا جملہ کمالِ معرفت کی اور دوسرا جملہ کمالِ تقوے کی کہ جب بنا رخدمت متحقق نہ ہو تو خدمت کو قبل نہ کیا جاوے۔ صریح دلیل ہے۔ سبحان اللہ یہ ہے علم و عمل۔ (اشرف علی)

سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔ اسلیے میں انکی بزرگی کا اعتقاد رکھتے ہوئے اکثر تعجب کیا کرتا تھا کہ لوگ مولانا کی تعریف کرتے ہیں۔ مگر میں نہیں سمجھتا تھا کہ وہ ان کی کس بات کی تعریف کرتے ہیں۔ اب پھر قصہ سنو۔ مولوی احمد حسن صاحب امروہی اس زمانہ میں خورجہ میں مدرس تھے، مولانا نانوتوی بھی خورجہ تشریف لے آئے اور مولوی عبدالرحمٰن صاحب مورچہ والوں کے مکان پر قیام فرمایا۔ مولانا ایک چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے اور میں انکے سامنے مونڈھے پر بیٹھا تھا۔ اتنے میں احمد خاں مورچہ والے تشریف لے آئے اور آکر مولانا کی پائینتوں بیٹھ گئے اور بیٹھنے کے بعد مولانا سے دریافت کیا کہ حضرت بعض اشعار مولوی رومی کے اور شیخ فریدالدین عطار کے اور شیخ سعدی کے اور بہت سے شعر حافظ کے ایسے ہیں جو قریب قریب کفر صریح کے ہیں۔ لیکن اچھے اچھے علمار کو دیکھا ہے کہ وہ ان اشعار کو حدِ کفر سے خارج کرنے میں امکانی کوشش کرتے ہیں اور ممکن سے ممکن تاویل ان کی تصحیح کے لیئے کرتے ہیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ امام محمدؒ و ابویوسفؒ امام ابوحنیفہؒ کے قول کی مخالفت کرتے ہیں اور ابوحنیفہؒ کے قول کی توجیہ نہیں کرتے۔ علیٰ ہٰذالقیاس بعد کے لوگ جب امام ابوحنیفہؒ کے قول کو کمزور پاتے ہیں تو اسکو چھوڑ کر امام ابویوسفؒ کے یا امام محمدؒ کے قول پر فتویٰ دیتے ہیں۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے قول کی تاویل نہیں کرتے۔ اس میں کیا راز ہے؟ اس سوال کے جواب میں مولانا نے مجھے مخاطب بنایا اور ایک لمبی تقریر کی جسکا خلاصہ مجھے یاد رہگیا ہے اور تقریر بعینہٖ محفوظ نہیں رہی۔ اور خلاصہ یہ ہے کہ ابوحنیفہؒ کے ایمان کے مقابلہ میںؔ ان حضرات کے ایمان

ؔ یہ جواب سائل کے خاص مذاق کے اعتبار سے ہوگا اور عام مذاق کے اعتبار سے یہ جواب ہے کہ ان حضرات کے ایسے اقوال کا مدلول ظاہری موجب کفر ہے اور ان کی مقبولیت جو دلائلِ صحیحہ سے ثابت ہے منافیٔ کفر ہے اس لیئے تاویل ضروری ہوئی کہ معانی ظاہری مراد نہیں، بخلاف ائمہ مجتہدین و علماء ظاہر کے۔ ان کے اقوال کا مدلول ظاہری موجب کفر نہیں بلکہ صرف موجب خطا ہیں اور ان کے کمالات جو دلائلِ صحیحہ سے ثابت ہیں منافیٔ خطا نہیں اسلیئے تاویل کی بھی ضرورت نہ ہوئی بلکہ معانی ظاہرہ کو مراد لیکر ان کو خطا کہہ دیا جاویگا۔ (اشرف علی)

بہت ضعیف ہیں۔ اسلئے اگر ان کے اقوال کی توجیہ نہ کیجاوے تو لوگ بیدریغ انکی تکفیر کر دینگے۔ اور ابو حنیفہؒ کا ایمان اسقدر قوی ہے کہ اگر ان کے تمام مسائل کو بھی ضعیف کر دیا جاوے تب بھی اُنپر کسی بد گمانی کا خطرہ نہیں ہو سکتا۔ اسلئے ابو حنیفہؒ کے اقوال کی توجیہ کی ضرورت نہ ہوئی اور اُن بزرگوں کے اقوال کی توجیہ کی ضرورت ہوئی۔ اور مجھ پر مولانا کی اس التفات آمیز تقریر کا یہ اثر ہوا کہ میں مولانا کی تقریر کو سمجھنے لگا اور میرا وہ خطرہ دور ہو گیا کہ لوگ ان کی اسقدر تعریف کیوں کرتے ہیں۔

حکایت (۲۱۸) خانصاحب نے فرمایا کہ خورجہ میں ایک شخص تھے حاجی محمد اسحاق خاں، نہایت پابندِ صوم وصلوٰۃ اور ذاکر وشاغل تھے۔ یہ صاحب مولانا نانوتوی سے بیعت تھے۔ اتفاق سے ایکمرتبہ دو تین روز مسجد میں نہیں آئے۔ میں سمجھا کہ شاید کچھ بیمار ہو گئے ہیں اسلئے میں انکی عیادت کے لیے گیا۔ جا کر دیکھا تو ایک کوٹھڑی میں چھپے بیٹھے تھے اور کانوں میں روئی ٹھونس رکھا تھا۔ میں نے پوچھا کہ کیا حالت ہے تم کئی روز سے نماز کیلئے نہیں آئے۔ انہوں نے کہا کہ اچھا ہوں مگر کوئی چار روز سے ایک سخت عذاب میں مبتلا ہوں۔ وہ یہ کہ جب کوئی گاڑی نکلتی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ میرے اوپر چل رہی ہے۔ اور جب بیلوں کے سانٹا مارا جاتا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ میرے لگتا ہے اور جب کتوں میں آپس میں لڑائی ہوتی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ میرے کاٹتے ہیں۔ جب چکی چلتی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ گیہوں کے بدلے میں پس رہا ہوں۔ لڑکے بھاگتے ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ مجھپر دوڑتے ہیں۔ اسلئے سخت تکلیف میں ہوں اور باہر نہیں نکل سکتا اور نہ چکی کی آواز سُن سکتا ہوں اسی لیے میں چھپا ہوا بیٹھا ہوں اور کانوں میں روئی ٹھونس رکھا ہے۔ میں نے کہا کہ اپنی اس حالت کی مولانا (نانوتوی) کو اطلاع دو۔

انہوں نے کہا کہ تم ہی لکھ دو۔ میں نے کہا کہ تم لکھ کر مجھے دیدو میں اپنے خط میں بھیجدونگا۔ انہوں نے اپنی حالت لکھ کر مجھے دیدی اور میں نے اپنے عریضہ کیساتھ اس کو مولانا کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ مولانا اس زمانہ میں دہلی میں تھے۔ مولانا نے جواب دیا کہ اسکا جواب تحریر سے نہیں ہو سکتا۔ تم اُنسے کہدو کہ وہ میرے پاس چلے آئیں چنانچہ یہ گئے۔ مولانا نے کچھ نہیں کیا صرف اوراد و اشغال کے اوقات بدل دئے۔ یہ شخص دوسرے ہی دن اچھے ہو گئے۔

حکایت (۲۱۹) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتوی نے خواب میں دیکھا تھا کہ میں خانہ کعبہ کی چھت پر کسی اونچی شے پر بیٹھا ہوں اور کوفہ کیطرف میرا منہ ہے اور اُدھر سے ایک نہر آتی ہے جو میرے پاؤں سے ٹکرا کر جاتی ہے۔ اس خواب کو انہوں نے مولوی محمد یعقوب صاحب برادر شاہ محمد اسحاق صاحب سے اس عنوان سے بیان فرمایا کہ حضرت ایک شخص نے اس قسم کا خواب دیکھا ہے تو انہوں نے یہ تعبیر دی کہ اس شخص سے مذہب حنفی کو بہت تقویت ہو گی اور وہ پکا حنفی ہو گا اور اسکی خوب شہرت ہو گی۔ لیکن شہرت کے بعد اس کا جلدی ہی انتقال ہو جاوے گا[۲]۔ اور میں نے یہ خواب اور اسکی تعبیر خود مولانا نانوتوی سے سُنی ہے۔ مولانا کا قاعدہ تھا کہ جب عام لوگوں میں اس خواب کو بیان فرماتے تو فرماتے ایک شخص نے ایسا خواب دیکھا تھا۔ لیکن خاص لوگوں سے فرما دیتے تھے کہ یہ خواب میرا ہے۔ جب مولانا نے مجھ سے یہ خواب بیان فرمایا اسوقت میں اکیلا تھا اور پاؤں دبا رہا تھا اور مولانا نے مجھ سے بے تکلف اپنا نام لیا۔

حکایت (۲۲۰) خانصاحب نے فرمایا کہ نواب اعظم علی خاں کے یہاں ایک قصہ خواں

---

[۱] احقر کا وجدان یہ ہے کہ مولانا نے تصرف فرمایا ہے اور اخفاء تصرف کے لیے اوراد و اشغال کے اوقات بدلے ہیں۔ واللہ اعلم باسرار عبادہ۔ [۲] یونہی واقعہ ہوا۔ (اشرف علی)

نوکر تھا۔ اور یہ قصہ خواں بہادر شاہ کا قصہ خواں تھا اور اس سے بڑھ کر دہلی میں کوئی قصہ خواں نہ تھا۔ نواب صاحب کے یہاں اسے تیس روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی اس کے اندر یہ کمال تھا کہ کیسا ہی ہکلا یا توتلا یا اور کسی قسم کا آدمی ہو اس کی اسطرح نقل کر دیتا تھا کہ اصل اور نقل میں امتیاز نہ ہو سکتا تھا۔ ایک مرتبہ مولانا نانوتوی خورجہ تشریف لائے اور اعظم خاں نے مولانا کی دعوت کی۔ یہ قصہ خواں رافضی تھا اس نے مولانا سے سوال کیا کہ حضرت میں ایک بات دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ مولانا نے اجازت دی۔ اُس نے عرض کیا کہ خلافت کی قابلیت کس میں تھی اور ابوبکر صدیق کیسے خلیفہ ہو گئے جبکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان کو خلیفہ نہ بنایا تھا۔ اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ میں جواب عرض کرتا ہوں۔ مگر تم اسکے درمیان میں نہ بولنا۔ جب میں تقریر ختم کر چکوں اسوقت جو کچھ شبہ ہو اُسکو پیش کرنا۔ اُس نے کہا بہت اچھا۔ مولانا نے فرمایا اگر کوئی پہلوان یا پھکیت یا بنکیت بیمار ہو جاوے اور اس وجہ سے کُشتی یا پھکیتی خود نہ سکھا سکے اور جب سکھانے کا وقت آوے اسوقت اپنے کسی شاگرد سے کہدے کہ تو سکھلا یا کوئی رئیس یا اہلکار اکہیں جاوے اور اپنے کام کے متعلق اپنے بیٹے یا کسی عہدہ دار سے کہہ جاوے کہ میرا کام تم کرنا۔ اور اشخاص مامورین اس خدمتِ مفوضہ کو انجام دیں تو یہ استخلافِ عملی ہوگا اور اس قسم کا استخلاف اس استخلاف سے کہیں بڑھکر ہے جو فقط اس کہنے سے ہو کہ فلاں میرا خلیفہ ہے۔ جب یہ مقدمہ ذہن نشین ہو گیا تو اب دوسرا مقدمہ سُنو اور اس کو ذرا غور سے سنو۔ ارکانِ اسلام چار ہیں، نماز، روزہ، حج زکوٰۃ۔ مگر دو ان میں اصل ہیں اور دو اُن کے تابع۔ نماز اصل ہے اور زکوٰۃ اس کے تابع۔ کیونکہ نماز کا تعلق براہ راست حق تعالیٰ سے ہے اور وہ اس کے دربار کی

حاضری اور اس کی تعظیم اور اس سے عرض معروض کا نام ہے اور زکوٰۃ کا تعلق بلاواسطہ محتاجوں اور فقراء سے ہے پس نماز کے مقابلہ میں زکوٰۃ ایسی ہے جیسے کوئی بادشاہ اہلِ دربار کو اپنے دربار میں پانچ وقت حاضری کا حکم دے اور یہ بھی حکم دے کہ ہماری طرف سے جو انعامات وصلات تم کو وقتاً فوقتاً ملے ہیں اُنہیں سے کچھ ہماری غریب رعایا کو بھی جو دربار کے راستہ میں خیرات کے موقع پر بیٹھ جاتے ہیں، دیدیا کرو۔ سو ظاہر ہے کہ حاضریٔ دربار مقصود ہے اور صدقہ وخیرات اسکے تابع اور یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے تقریباً ہر جگہ قرآن میں زکوٰۃ کو نماز کے بعد بیان فرمایا ہے اور یقیمون الصلوٰۃ ویوتون الزکوٰۃ اور اقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وغیرہ وغیرہ فرمایا۔

اسی طرح حج کا تعلق براہ راست حق تعالیٰ سے ہے کیونکہ اسمیں محبوب کے درِ دولت پر حاضر ہو کر اپنے عشق ومحبّت کا اظہار ہے اور روزہ میں کسرِ شوکتِ نفس ہے جو مانع ہے اس محبت وعشق سے اور ان خامیوں کو دفع کرتا ہے جو اس ناصح نامہربان نفسِ امارہ کی بدولت اسکی خدمات میں پیدا ہو گئی ہیں اسی لیے روزے تیس مقرر کیے گئے اور حج کا وقت رمضان کے بعد سے شروع کیا گیا۔ کیونکہ آخری وقت حج سے (کہ ۹۔ ذوالحجہ ہے) رمضان تک (بادخالِ غایت) دس مہینے ہوتے ہیں (بحذف کسر کہ ثلث ماہ سے بھی کم ہے) پس ہر مہینے کیلئے تین مسہل (یعنی روزے) تجویز کیے گئے اور ان سب کو ایک مہینہ میں (یعنی رمضان میں) جمع کر دیا گیا (کہ تیس روزے فرض کر دیے) تاکہ دس مہینوں میں جسقدر نفسِ امارہ کیوجہ سے عشق ومحبت کے جذبات میں خامی اور خلل آگیا ہے ان مسہلوں سے اسکی تلافی ہو جاوے اور وہ اس قابل ہو سکے کہ محبوب کے درِ دولت پر حاضر ہو کر صحیح طور پر اپنی محبّت کا اظہار کر سکے اور جب رمضان میں

وہ ان مسہلوں سے اس قابل ہوگیا تو اب یکم شوال سے اسکو اجازت ہوئی کہ اب آؤ اور آکر اپنی محبت کا اظہار کرو۔ یعنی اسوقت سے حج کا وقت شروع ہوگیا اور اسکی ایسی مثال سمجھو جیسے بادشاہ اپنے اہلِ دولت کو جشن شاہی کی شرکت کیلئے دعوت دے اور اس کیساتھ یہ بھی حکم دے کہ سب لوگ خوب نہا دھو کر اور اعلیٰ اعلیٰ خوشبوئیں لگا کر اور عمدہ سے عمدہ پوشاکیں پہنکر غرض پوری طرح شرکتِ جشن کے قابل ہوکر شریکِ جشن ہوں۔ سو ظاہر ہے کہ شرکتِ جشن مقصود ہے اور باقی امور اسکے تابع۔ جب یہ بھی ذہن نشین ہوگیا اور معلوم ہوگیا کہ نماز اور حج ارکانِ مقصودہ ہیں اور زکوٰۃ اور روزہ اُن کے تابع۔ تو اب اصل مقصود سنو۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں صدیقِ اکبر کو امیرِ حج بنایا اور باوجود تمام صحابہ کی موجودگی کے اس خدمت پر آپ کے سوا کسی اور کو مامور نہیں فرمایا۔ پس اسلام کے ایک رُکن اصلی کے متعلق آپ کا استخلافِ عملی ثابت ہوگیا اور اس کے ضمن میں اسکے تابع روزہ کے متعلق بھی استخلاف ثابت ہو گیا۔ پھر آپنے اپنے مرضِ وفات میں خدمتِ امامتِ صلوٰۃ آپ کے سپرد کی۔ اور سترہ وقت کی نمازیں اپنے سامنے آپ سے پڑھوائیں اور باوجود تمام صحابہ کی موجودگی کے یہ خدمت صدیقِ اکبر کے سوا کسی اور کے سپرد نہیں فرمائی۔ پس نماز کے متعلق آپ کا استخلافِ عملی ثابت ہوگیا۔ تو دوسرے اعمال مثل جہاد وغیرہ کے متعلق بھی ضمناً استخلاف ثابت ہوگیا اب کونسی وجہ ہے کہ صدیقِ اکبرؓ کو خلیفہ برحق نہ مانا جاوے اور کسطرح کہا جاوے کہ خلافت کی ان میں اہلیت نہ تھی اور اہلیتِ خلافت صرف حضرت علی میں تھی اور وہی خلیفہ تھے۔ مولانا نے اس تقریر کو نہایت وضاحت اور بسط کے ساتھ بیان فرمایا تھا اور اسقدر دلکش پیرایہ میں بیان فرمایا تھا کہ میں نے مولانا کی کوئی

تقریر اسقدر دلکش نہیں سُنی مگر وہ تقریر مجھے محفوظ نہیں رہی اسلیئے اس کا قریب قریب خُلاصہ[1] بیان کر دیا گیا ہے۔ اس تقریر کا اس قصہ خواں پر یہ اثر ہوا کہ اسی وقت رفض سے تائب ہو کر سُنی ہو گیا۔

حکایت (۲۲۱) خانصاحب نے فرمایا کہ ایکمرتبہ مولانا نانوتوی نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی افضلیت بیان فرماتے ہوئے بیان فرمایا کہ اور مختلف لوگوں کی نسبت حدیث میں لفظ احب وارد ہوا ہے۔ کہیں حضرت عائشہؓ کو احب فرمایا ہے کہیں حضرت فاطمہؓ کو کہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ابوبکر صدیقؓ کی نسبت حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اگر میں خدا کے سوا کسی کو خلیل[2] بناتا تو ابوبکر کو بناتا۔ اور یہ بات (جس میں مادہ خلت ہو) کسی اور کے لیے نہیں فرمائی جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ خاص خاص مادوں کی خاص خاص خصوصیات ہوتی ہیں مثلاً جس مادہ میں ف کی جگہ (یعنی فا رفعل کی جگہ) ش ہوگا۔ اسکے معنی میں علو کے معنے پائے جائینگے۔ جیسے شرف، شرر، شیطان وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح جس مادہ میں ف ع کی جگہ خ ل ہونگے اسمیں علیحدگی اور یکسوئی کے معنی پائے جائینگے جیسے خلوت خلو بیت الخلا خلیفہ خلال وغیرہ۔ جب یہ معلوم ہو گیا تو اب یہ سمجھو کہ محبت کا تعلق قلب سے ہے اور قلب میں بہت سے پردے ہوتے ہیں اور اسکے بیچ میں ایک خلا ہوتا ہے پس عام محبوبوں کی محبت تو قلب کے پردوں میں ہوتی ہے اور خلیل کی محبت اس خلا میں جو قلب کے اندر ہوتا ہے۔ جب یہ بھی معلوم ہو گیا تو اب حدیث کے معنی یہ

---

[1] جب مقارب اور خلاصہ اس عضب کا ہے تو عین کیسا کچھ ہوگا۔ [2] اگر اسپر یہ سوال ہو کہ حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ فرما کر اپنے تفضیل کی علت میں اپنے کو حبیب اللہ فرمایا ہے جس سے اسکے عکس کا شبہ ہوتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ اس حکم کا مبنی لغت نہیں بلکہ محاورہ ہے، محاورات میں خلیل کا اطلاق عاشق پر بھی ہوتا ہے مگر حبیب کا صرف معشوق پر۔ (اشرف علی)

ہوئے کہ میرے جوفِ قلب میں خدا کی محبت کے سوا کسی اور کی محبت کی جگہ نہیں ہے اور اگر بالفرض اس جگہ کسی اور کی محبت کی جگہ ہوتی تو ابوبکر صدیق رضؓ کی محبت کو ہوتی۔ اور جب ابوبکر آپ کو اس درجہ محبوب تھے تو ضرور ہے کہ آپ کی محبت اور سب سے زائد ہوگی اور دوسروں کی محبت کا تعلق جوفِ قلب سے دور پردوں سے ہوگا۔ اور ابوبکر صدیق کی محبت کا تعلق اس پردہ سے دور جوفِ قلب سے قریب تر ہے۔

حکایت (۲۲۳) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتوی جب مرضِ وفات میں مبتلا ہوئے تو آپ نے مولوی محمود الحسن صاحب سے فرمایا کہ کہیں سے ککڑی[1] لاؤ۔ مولوی محمود الحسن صاحب فرماتے تھے کہ میں تمام کھیتوں میں پھرا مگر صرف ایک ککڑی چھوٹی سی ملی۔ اس کی خبر کسی ذریعہ سے لکھنؤ مولوی عبدالحی صاحب فرنگی محلی کو ہو گئی کہ مولانا نانوتوی کا جی ککڑی کو چاہتا ہے۔ اسپر مولوی عبدالحی صاحب نے لکھنؤ سے مولانا کی خدمت میں بذریعہ ریلوے ککڑیاں بھیجیں اور چند مرتبہ بھیجیں۔

حکایت (۲۲۴) خانصاحب نے فرمایا ایکمرتبہ مولانا نانوتوی نے فرمایا کہ جو شخص ہم کو محتاج[2] سمجھ کر دیتا ہے اسکا ہدیہ تو لینے کو جی نہیں چاہتا اور جو اس غرض سے دیتا ہے کہ ہمارے (یعنی دینے والے کے) گھر میں برکت ہو اور ہمارے لے لینے کو ہمارا احسان سمجھے، اسکا ہدیہ لے لینے کو جی چاہتا ہے اگرچہ وہ چار پیسے ہی ہوں۔

حکایت (۲۲۵) خانصاحب نے فرمایا کہ جب منشی ممتاز علی کا مطبع میرٹھ میں تھا اُس زمانہ میں اُنکے مطبع میں مولانا نانوتوی بھی ملازم تھے اور ایک حافظ جی بھی نوکر

---

[1] اسکو منافیٔ زہد سمجھنا تقشف خلافِ سنت ہے۔ خود احادیث میں بعض اشیاء کی رغبت ظاہر فرمانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ محققین کے نزدیک یہ اظہار احتیاج الی النعمۃ اعلیٰ درجہ کی عبدیت و محبت مع المنعم ہے۔

[2] اسکی وجہ اس تفصیل کی یہ ہے کہ محتاج سمجھ کر دینا عادۃً ذلیل سمجھ کر دینا ہوتا ہے۔ اور یہ آدابِ ہدیہ کے خلاف ہے کہ مہدیٰ الیہ کو ذلیل سمجھا جاوے۔ (اشرف علی)

تھے۔ یہ حافظ جی بالکل آزاد تھے رندانہ وضع تھی۔ چوڑی دار پاجامہ پہنتے تھے ڈاڑھی چڑھاتے تھے۔ نماز کبھی نہ پڑھتے تھے۔ مگر مولانا نانوتوی سے اور ان سے نہایت گہری دوستی تھی۔ وہ مولانا کو نہلاتے تھے کمر ملتے تھے اور مولانا ان کو نہلاتے اور کمر ملتے تھے۔ مولانا ان کو کنگھا کرتے تھے وہ مولانا کے کنگھا کرتے تھے۔ اگر کبھی مٹھائی وغیرہ مولانا کے پاس آتی تو اُن کا حصہ ضرور رکھتے تھے۔ غرض بہت گہرے تعلقات تھے۔ مولانا کے مقدس دوست مولانا کی ایک آزاد شخص کے ساتھ اس قسم کی دوستی سے ناخوش تھے۔ مگر وہ اس کی کچھ پرواہ نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جمعہ کا دن تھا حسبِ معمول مولانا نے حافظ جی کو نہلایا اور حافظ جی نے مولانا کو۔ جب نہا چکے تو مولانا نے فرمایا کہ حافظ جی مجھ میں اور تم میں دوستی ہے اور یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ تمہارا رنگ اور ہو اور میرا رنگ اور۔ اسلئے میں بھی تمہاری ہی وضع[1] اختیار کرتا ہوں۔ تم اپنے کپڑے لاؤ میں بھی وہی کپڑے پہنوں گا اور میری یہ ڈاڑھی موجود ہے تم اسکو بھی چڑھا دو۔ اور میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ نہ کپڑے اتاروں گا نہ ڈاڑھی۔ وہ یہ سُن کر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آپ مجھے اپنے کپڑے دیجئے میں آپ کے کپڑے پہنوں گا۔ اور یہ ڈاڑھی موجود ہے اسکو آپ اتار دیجئے۔ اور مولانا نے ان کو اپنے کپڑے پہنائے اور ڈاڑھی اُتار دی۔ اور وہ اس روز سے پکے نمازی اور نیک وضع بن گئے۔

حکایت (۲۲۶) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتوی کا قاعدہ تھا کہ سفر میں ہدیہ نہ لیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے تنہائی میں کہا کہ میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ مولانا سمجھ گئے کہ کچھ دینا چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا ایک عرض میری ہے پہلے

---

[1] مولانا کو یقین تھا کہ اس فرمانے سے اُن پر وہی اثر ہوگا جو کہ ہوا۔ اسلئے اس فرمانے پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ یہ اصلاح کے طریقے ہیں جن کو حکماء الٰہی سمجھتے ہیں، جیسے حدیث میں ہے کہ ایک بی بی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف سے ایکبار توجہ کرنے کی اجازت کا یہ اثر ہوا کہ اس نے فوراً توبہ کر لی۔ (اشرف علی)

اُسے سُن لیجئے۔ میرا معمول ہے کہ میں سفر میں ہدیہ نہیں لیا کرتا اور مصلحت یہ[1] ہے کہ کبھی آدمی کے پاس ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا۔ سفر میں اپنے دوستوں سے ضرور ملاقات ہوتی ہے۔ اب کسی نے پہلے سفر میں کچھ دیا تھا لہٰذا اس سفر میں اس کے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے تو یا تو وہ ملنے سے کترائیگا یا اگر ملیگا تو جھینپ اور شرمندگی کیساتھ ملے گا۔

حکایت (۲۲۷) خاں صاحب نے فرمایا کہ جن بزرگوں کا اخلاق بہت بڑھ جاتا ہے اُنسے مخلوق کی اصلاح نہیں ہوتی۔ اور فرمایا کہ مولانا نانوتوی گو نہایت وسیع الاخلاق تھے مگر اصلاح کے معاملہ میں اخلاق نہ برتتے تھے اور مریدوں اور متعلقین پر برابر روک ٹوک کرتے تھے۔ ایکمرتبہ مولانا خورجہ تشریف لائے۔ مولوی فضلِ رسول بدایونی کا تذکرہ چل گیا۔ میری زبان سے بجائے فضلِ رسول (بضاد معجمہ) فصلِ رسول (بصاد مہملہ) نکل گیا۔ مولانا نے ناخوش ہو کر فرمایا کہ لوگ ان کو کیا کہتے ہیں۔ میں نے کہا فضلِ رسول۔ آپنے فرمایا کہ تم فصلِ رسول کیوں کہتے ہو۔

حکایت (۲۲۸) نواب محمود علی خاں صاحب مولوی محمد قاسم صاحب سے ملاقات کے بیحد متمنی تھے مگر مولانا بھی ان سے کبھی نہیں ملے۔ چنانچہ دو مرتبہ وہ مولانا سے میرٹھ ملنے آئے اور دو مرتبہ علی گڈھ۔ مگر جب مولانا کو اُن کے آنیکا علم ہوتا مولانا شہر چھوڑ کر کہیں چل دیتے تھے۔ اور فرماتے کہ نواب صاحب سے دو باتیں کہہ دینا۔ ایک یہ کہ نواب صاحب غازی آباد کے اسٹیشن پر مسجد بنوا دیں۔ اور دوسری ایک عجیب بات یہ تھی۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو میں ان کی پالکی کا پایہ پکڑ کر چلوں گا۔ دوسری بات کو سُن کر تو نواب صاحب ہنسنے لگے اور پہلی بات کی نسبت فرمایا

---

[1] کسی مصلحت سے ہدیہ نہ لینا مخالف سنت کے نہیں جیسے کم فہم سمجھتے ہیں ایسے ہی اور بھی بہت سے عذر ہیں جن کو صاحب معاملہ ہی سمجھ سکتا ہے۔ البتہ یہ شرط ہے کہ وہ عذر احکامِ شریعت و طریقت کے خلاف نہ ہو۔ [2] یہ حضرات تھے جو لا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب کے پورے عامل تھے حتیٰ کہ مخالفین کے معاملہ میں بھی ۔

کہ میں کوشش کرچکا ہوں مگر منظوری نہیں ہوئی۔ (منقول از امیر الروایات)

حکایت (۲۲۹) خان صاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا نانوتوی خورجہ تشریف لیگئے۔ وہاں کے پٹھانوں میں ایک شخص رن مست خاں نامی نہایت خوش گلو اور فنِ سرود سے واقف تھے۔ وہ ایک دفعہ میرے پھوپھا کے پاس آئے پھوپھا صاحب کھانا پکانے کے شوقین تھے۔ اسوقت بھی یہی مشغلہ تھا۔ کوئی پیاز کتر رہا تھا، کوئی مصالحہ پیس رہا تھا، کوئی آگ جلا رہا تھا، بہشتی پانی بھر رہا تھا کہ رن مست خاں نے اچانک حضرت حافظ شیرازی کی یہ غزل شروع کی ؎

غلام نرگسِ مستِ تو تاجدارانند

کچھ ایسا سماں باندھا کہ پیاز کترنے والے کے ہاتھ پیازوں پر رہگئے۔ بہشتی کا ہاتھ مشک اور گھڑے پر رکھا رہ گیا۔ غرض جو جس حالت میں تھا اُسی میں ششدر و حیران بنا رہ گیا۔

یہی رن مست مولانا نانوتوی کی مجلس میں آئے اور مولوی عبداللہ صاحب سکنہ گلاوٹھی نے (جو مولانا کی پُشت پر تھے) رن مست خاں کو (جو مولانا کے مواجہہ میں تھا) اشارہ کیا اور ذرا مستعدی کیساتھ اشارۂ ابرو سے حکم دیا۔ اس نے یہی حافظ کی غزل شروع کی اور ایک آدھ شعر پڑھ کر خودبخود رُک گیا اور کہا مولانا آپ تو مجھے پڑھنے نہیں دیتے۔ اور بعد میں کہا جب ارادہ کرتا تھا جب ہی کوئی انگلی زبان پر آکر رکھی جاتی اور اسے دبا دیتی تھی۔ لیکن مولانا نے ان کے گلے کی تعریف فرمائی۔ جب مجلس برخاست ہوئی تو مولانا نے مولوی عبداللہ کیطرف خلافِ عادت چین بجبیں ہو کر دیکھا اور فرمایا مولوی صاحب یہ کیا بات ہے کہ آپ نے بغیر میرا ایما معلوم کئے اس سے ایسی فرمائش کی۔ اور پھر فرمایا کہ میں جسطرح صوفیوں

میں بدنام ہوں اسی طرح مولویتؒ کا دھبہ بھی مجھ پر لگا ہوا ہے۔ اسلیئے پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے۔ اگر مولویت کی قید نہ ہوتی تو قاسم کی خاک تک کا بھی پتہ نہ چلتا۔ جانوروں کے گھونسلہ بھی ہوتا ہے میرے یہ بھی نہ ہوتا اور کوئی میری ہوا تک نہ پاتا۔

حکایت (۲۳۰) خانصاحب نے فرمایا کہ حضرت مولانا نانوتوی کو حرام کے طعام سے جیسے نفرت تھی ویسے ہی اس کا احساس بھی بہت جلد کرتے تھے۔ مگر دعوت بوجہ دلداری ہر ایک کی منظور فرما لیتے تھے اور پھر آ کر قے کرتے تھے۔[۲]

حکایت (۲۳۱) خاں صاحب نے فرمایا ایک دفعہ حضرت حاجی صاحبؒ کی مجلس میں مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کا تذکرہ ہو رہا تھا اور ان کے مناقب بیان کئے جا رہے تھے۔ حضرت نے مولانا نانوتوی کیطرف اشارہ کر کے فرمایا کہ مولینا اسمٰعیل تو تھے ہی کوئی ہمارے اسمٰعیل کو بھی دیکھے۔[۱]

حکایت (۲۳۲) خانصاحب نے فرمایا کہ حضرت نانوتویؒ کو یوں تو ولی اللّٰہی خاندان کے ایک ایک فرد سے محبت اور فدائیت تھی مگر مولانا شہید سے عشق تھا ان کا ذکر سُن نہ سکتے تھے۔ کسی نے تذکرہ چھیڑا تو اسکی بات کاٹ کر[۱] خود انکا تذکرہ شروع کر دیتے تھے۔

حکایت (۲۳۳) خاں صاحب نے فرمایا کہ مولانا محمود الحسن صاحب فرماتے تھے کہ میں نے اس کا التزام کیا کہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف

---

[۱] یہ ہے جامعیت کہ سب کا مناسب حق ادا کیا جائے ولنعم ماقیل ؎

کفے جامِ شریعت بر کفے سندانِ عشق ۔

ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

[۲] دعوت کی منظوری حرام بین ہونے کی صورت میں نہ تھی بلکہ مشتبہ ہونیکی صورت میں جو فتوٰی سے حلال تھی۔ کیا انتہا ہے اخلاق و شفقت کی [۳] منہ پر مدح کرنا جبکہ اسمیں کوئی مفسدہ نہو جائز ہے اور اگر اس میں کوئی مصلحت بھی ہو تو پھر جائز سے بڑھ کر اولیٰ ہے۔

[۱] یہ بات کاٹنا ایسے لطیف طور پر ہوتا تھا کہ بات کرنے والے کو ناگوار نہ ہو۔ (اشرف علی)

دیکھ کر حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں حاضر ہوتا اور وہ باتیں پوچھتا جو حضرت شاہ صاحب کی کتب میں مشکل ہوتی تھیں۔ لیکن شاہ صاحب کی کتاب میں جو انتہائی جواب ہوتا تھا وہ حضرت نانوتوی اوّل ہی دفعہ میں فرمادیتے تھے۔ بارہا اسکا تجربہ کیا۔

حکایت (۲۴۳) حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بعض مفسدہ پردازوں نے جس میں رامپور کا ایک خاندان بھی شامل تھا جس کو حضرت حکیم ضیاء الدین صاحب کے خاندان سے پشتینی عداوت تھی، حکومت میں یہ درخواست پیش کی کہ مولانا محمد قاسم صاحب نے دیوبند میں ایک مدرسہ گورنمنٹ کے مقابلہ میں کھولا ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ سرحد کے لوگوں سے تعلقات پیدا کیے جائیں تاکہ گورنمنٹ سے جہاد آسان ہو جائے۔ یہ مدرسہ خفیہ طور پر طلبہ کو قواعدِ جنگ کی تعلیم دیتا ہے اور ہندوستان پر چڑھائی کرانے کے لئے کابل کو تیار کر رہا ہے۔ ہم گورنمنٹ کو خیر خواہانہ اطلاع دیتے ہیں کہ وہ بیدار رہے۔ اور ہم بھی ہر قسم کی سُراغ رسانی اور تفتیشِ حالات کیلئے گورنمنٹ کو مدد دینے کیلئے تیار ہیں۔

حکومت کے یہاں تفتیشِ حالات کے لیے احکام جاری ہوئے اور تفتیش کے مراکز گنگوہ، نانوتہ، رامپور، جلال آباد قرار پائے اور ان کا صدر مقام دیوبند بنا دیا گیا۔ حکام نے دورے کیے اور بعض حکام نے نانوتہ پہنچ کر حضرت نانوتوی کی زیارت کرنے کے لیے مسجد میں آنے کی اجازت چاہی۔ حضرت نے اجازت دی اور کہلوا دیا کہ جوتہ نکال کر آئیں۔ حاکم آیا اور بیٹھا نہیں بلکہ نہایت ادب سے چپ چاپ

حضرت کے سامنے کھڑا رہا۔ واپس ہو کر اُس نے حکومتِ ہند کو رپورٹ کی کہ جو لوگ ایسی مقدس صورتوں پر نقضِ امن اور غدر و فساد کا الزام لگاتے ہیں وہ خود مفسد ہیں اور یہ محض چند مفسدوں کی شرارت ہے۔

اس واقعہ کے بعد حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں اکثر دیکھتا ہوں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں اور اپنی ردائے مبارک میں مجھے ڈھانپ کر کبھی اندر لاتے ہیں کبھی باہر لیجاتے ہیں سوتے اور جاگتے اکثر اوقات یہی منظر آنکھوں کے سامنے رہتا ہے کہ حضور ردائے مبارک میں لیئے رہتے ہیں اور الگ کرنا نہیں چاہتے۔ سب حضرات نے اس کا مطلب یہ سمجھا کہ ان مفسدوں کی مفسدہ پردازی اور شر سے تحفظ منظور ہے۔ لیکن حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ مولانا کی عمر ختم ہو چکی ہے۔ اور حضورؐ کو یہ دکھلانا منظور ہے کہ جب لوگ اپنے ہو کر ایسے مفسد ہو گئے کہ خدا کے ایسے مقدس بندوں پر الزام لگانے سے نہیں شرماتے تو ہم بھی ایسی ہستی کو اب ایسے لوگوں میں رکھنا نہیں چاہتے۔ کہ یہ لوگ اس قابل نہیں ہیں۔ چنانچہ حضرت زیادہ زندہ نہیں رہے قریب ہی زمانہ میں وفات ہو گئی۔

حکایت (۲۳۵) حضرت والد ماجدؒ نے فرمایا کہ رامپور کے اُسی مخالف و معاند خاندان کے دو رکن دو بھائی تھے جن سے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا بچپن سے میل جول تھا اور حضرت کا معمول تھا کہ جب رامپور تشریف لیجاتے تو ان دونوں بھائیوں سے ملنے ضرور جاتے اور وہ حضرت سے ملتے۔ حضرت حکیم ضیاء الدین صاحب کے مکان پر آتے۔ اس خاندان کی اس مفسدہ پردازیوں کے زمانہ میں بھی حضرت کی یہ عادت نہ بدلی۔ حضرت حکیم ضیاء الدین صاحبؒ کو ناگوار ہوتا تھا کہ

ف: یہ ایک کشفِ صحیح ہے جس میں کچھ استبعاد نہیں اور اس کی جو تعبیر حضرت گنگوہی نے سمجھی شاید یہ ڈھانپنے سے ماخوذ ہو مگر صرف احتمال کافی نہیں اصلی مبنی وجدان ہے۔ (اشرف علی)

اب حضرت ان مفسدوں میں کیوں تشریف لے جاتے ہیں۔ حالانکہ انہوں نے خود حضرت ہی پر کیا کیا زبردست الزام نہیں لگائے۔ مگر زبان سے کبھی نہیں فرمایا۔ ایک دفعہ حضرت گنگوہی اور حضرت نانوتوی دونوں کا رامپور میں اجتماع ہوا اور حضرت حسبِ عادت اسی مقام پر تشریف لے گئے تو حضرت حکیم صاحب نے[1] حضرت گنگوہی کے سامنے ناک چڑھا کر فرمایا کہ دیکھئے مولانا نانوتوی اب بھی وہاں جانا نہیں چھوڑتے۔ حضرت مسکراتے رہے۔ جب حکیم صاحب کی تیزی بڑھتی گئی اور صفائی سے فرمانا شروع کیا تو حضرت نے ذرا مستعد ہو کر فرمایا کہ حکیم صاحب آپ کیا فرما رہے ہیں آپ ان کے قلب کی حالت کو ملاحظہ نہیں فرماتے جس شخص کے دل میں ایمان کی طرح یہ راسخ ہو چکا ہے کہ دنیا میں اس سے زیادہ ذلیل و خوار کوئی ہستی نہیں ہے تو ایسے شخص کو آپ کسطرح کہیں جانے سے روک سکتے ہیں اور کہیں چلے جانے سے اُن پر کیا اثر ہو سکتا ہے۔

حکایت (۲۳۶) حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ جب مباحثہ شاہجہانپور ہو چکا اور حضرت مولانا نانوتوی مظفر و منصور ہو کر واپس تشریف لے آئے تو مولانا محمد یعقوب صاحب نے فرمایا کہ اب مجھے مولانا کی وفات قریب معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ کو اُنسے جو کام لینا تھا وہ پورا ہو چکا۔ اور وہ یہ تھا کہ تمام مذاہب کے جھتے میں اسلام کی ایک منادی ہو جائے اور خدا کی رحمت اس کے بندوں پر پوری

---

[1] حکیم صاحب کی رائے کا منشا، دین کی حفاظت کیساتھ کہ دیکھنے والوں کو ان لوگوں کے تدین کا شبہ نہ ہو جائے ایک گونہ جذبہ نفس بھی ہے گو مباح ہے۔ چنانچہ انکا یہ خیال کہ انہوں نے کیا کیا زبردست الزام لگائے ہیں اسکی دلیل ہے کہ حضرت گنگوہی کے جواب کا منشا ان کا غلبۂ حال تواضع سے معذور رہونا ہے۔ باقی تدین کا شبہ، سو اللہ تعالیٰ ایسے مغلوب الحال بندوں کو سبب بننے سے بھی محفوظ رکھتے ہیں اور اُن کا عذر سب پر واضح فرما دیتے ہیں اور حضرت گنگوہی کے اس ارشاد میں کہ ان پر کیا اثر ہو سکتا ہے اثر کو عام لے سکتے ہیں اثر لازم و متعدی کو۔ (اشرف علی)

ہو جائے۔ سو وہ اس "میلہ خدا شناسی" (مباحثہ شاہجہان پور) میں ہو چکی، چنانچہ زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ وفات ہو گئی۔

حکایت (۲۳۷) خانصاحب نے فرمایا کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جب دیانند سرسوتی کے مقابلہ میں روڑکی تشریف لیگئے تو علاوہ اور خدام کے منشی نہال احمد دیوبندی اور شاہجی عاشق علی بھی ہمراہ تھے۔ منشی نہال احمد کو (جو نہایت ذکی تھے) دیانند کے پاس شرائطِ مناظرہ طے کرنے کیلئے بھیجا گیا۔ منشی صاحب اسکی قیامگاہ پر موجود تھے کہ کھانے کا وقت آگیا اور اس کے لیے کھانا لایا گیا۔ کئی بڑی بڑی تھالیں پوریوں کی تھیں اور سیروں مٹھائی تھی جس کو یہ کئی آدمیوں کا کھانا سمجھے مگر وہ اس اکیلے کے لیے آیا تھا اور اسی تنہا نے سب تھالیں صاف کر دیں۔ منشی صاحب نے اپنی ایک بے تکلف مجلس میں اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے بطور مزاح کہا کہ اگر ہمارے مولانا سے علم و فضل میں مناظرہ ہوا تو انشاء اللہ مولانا غالب آئیں گے ہی۔ لیکن اگر کہیں کھانے میں مناظرہ کی ٹھن گئی تو کیا ہوگا؟ (کیونکہ حضرت نہایت قلیل الاکل تھے) یہ مقولہ حضرت تک پہنچا تو منشی نہال احمد صاحب بلائے گئے۔ حضرت قیامگاہ کی چوکھٹ پکڑے ہوئے کھڑے تھے کہ یہ حاضر ہوئے اور دل میں سمجھے ہوئے تھے کہ دیکھئے اب کیا سوال ہوگا۔ اور کہیں وہی بات پہنچ گئی ہے تو دیکھئے کیسی ڈانٹ پڑے گی۔ حضرت نے فرمایا کہ منشی جی تم نے کیا کہا تھا میں تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں۔ انہوں نے وہی مقولہ دبی زبان سے دہرا دیا۔ فرمایا کہ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اگر کھانے میں مناظرہ ہوگا تو تم ساتھ ہو۔ اب دوسری بات

لہ یہ استدلال ذوقی ہے اور اس کی نظیر حضرت عمرؓ و حضرت ابن عباسؓ کا سورۂ نصر کے نزول سے قربِ وفاتِ نبوی پر استدلال ہے۔ رواہ البخاری فی تفسیر سورۃ النصر۔ (اشرف علی)

جو حقیقت ہے وہ سُنو۔ تمہارے دل میں یہ سوال پیدا کیوں ہوا[1] اور یہ سوال کیوں نہ پیدا ہوا کہ اگر ترکِ اکل اور فاقوں میں مناظرہ ہوگا تو کون غالب ہوگا۔ تم جانتے ہو کہ کھانا کس کی صفت ہے بہائم اور جانوروں کی، اور نہ کھانا کسکی صفت ہے، حق تعالیٰ کی اور ملائکہ کی۔ تو تم مجھ سے مناظرہ جہالت میں کرانا چاہتے ہو۔ مناظرہ علم میں ہوتا ہے یا جہل میں۔ اگر اسی میں مناظرہ ہوا تو کسی بھینسے یا ہاتھی کو یا سانڈ کے مقابلہ میں کھڑا کر دینا کہ کون زیادہ کھاتا ہے۔

حکایت (۲۳۸) خانصاحب نے فرمایا کہ کسی عامی نے حضرت نانوتویؒ سے پوچھا کہ حضرت یہ جو بزرگوں کے قریب دفن ہونے کی تمنا کرتے ہیں اس سے کیا فائدہ۔ جبکہ نہ کسی کی برائی کسی پر پڑیگی نہ کسی کی نیکی کسی کے کام آویگی۔ یہ سائل ایک بھرے مجمع میں حضرت کو پنکھا جھل رہا تھا اور پنکھا بہت بڑا تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ بھائی تم اس مجمع میں پنکھا کس کو جھل رہے ہو۔ اس نے عرض کیا کہ حضرت آپ کو۔ فرمایا کہ ہوا اوروں کو بھی لگ رہی ہے۔ کہا کہ جی ہاں۔ فرمایا کہ یہ جواب ہے تمہارے سوال کا۔ حق تعالیٰ کیطرف سے جب رحمت و مغفرت کی ہوائیں چلتی ہیں تو مقصود تو وہی بزرگ ہوتے ہیں مگر حسب قرب و بعد[2] پہنچتی ہیں سب آس پاس کو بھی۔

---

[1] یعنی ایسا احتمال پیدا ہونا جس میں اپنے معتقد فیہ کے مغلوب ہونیکا احتمال ہو دعویٰ محبت و عقیدت اور رجاء من اللہ کے خلاف ہے۔ اور گو ایسے وسوسہ پر مواخذہ نہیں خصوص جب مطائبہ کی حیثیت سے ہو لیکن جو اس کا منشا ہے یعنی محبت و عقیدت و رجاء میں کمی اس کا تدارک تو اختیار میں ہے کرنا چاہیے اور اسکے تدارک کیطرف اس قول میں اشارہ فرمایا کہ یہ سوال کیوں نہ پیدا ہوا۔ الخ جسکا حاصل یہ ہے کہ اس دوسرے سوال کے استحضار و تکرار سے اس پہلے سوال کا تدارک کرنا چاہیے۔ [2] یہ تشبیہ صرف پہنچنے میں ہے۔ گو یہ تفاوت ہے کہ پنکھے کی ہوا پہنچنا فاعل کے اختیار سے نہیں اور رحمت پہنچنا فاعل کے اختیار سے ہے وہاں کا قانون ہے هم قوم لا یشقی جلیسهم جو اپنے عموم سے ہر حالت کو شامل ہے۔ مقاصدِ حسنہ میں ایک روایت ادفنوا موتکم وسط قوم صالحین الخ نقل کر کے اور ایک راوی سلیمان بن موسیٰ سے اس کو مجروح کر کے کہا ہے ولکن لم یزل عمل السلف والخلف علی هذا وما یروی کون الارض المقدسة لا تقدس احدا انما یقدس المرء عمله قد لا ینافیه اھ اور ظاہر ہے کہ اسپر سلف و خلف کا تعامل صاف دلیل ہے کہ یہ عمل بے اصل نہیں۔ خواہ کوئی روایت ثابت نہ ہو۔ لان انتفاء الخاص لا یستلزم انتفاء العام۔ (اشرف علی)

حکایت (۲۳۹) خاں صاحب نے فرمایا کہ حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب کے پاس مظفر نگر تشریف لیگئے۔ ڈاکٹر صاحب اس زمانہ میں جیل کے ڈاکٹر تھے۔ حضرت جیل کی سمت تشریف لیجا رہے تھے۔ ساتھ میں لوگوں کا مجمع تھا۔ جیل کو جب تھوڑا سا ہی فاصلہ رہ گیا تو کسی شخص نے سوال کیا کہ حضرت اولیاء اللہ کی پیشنگوئیاں بسا اوقات اپنے وقت سے ٹل جاتی ہیں اور انبیاء اللہ کی پیشنگوئی اپنے وقت سے نہیں ٹل سکتی۔ تو کیا اولیاء اللہ کو غلط کشف ہوتا ہے۔ فرمایا کہ یہ سامنے کونسی عمارت ہے۔ سائل نے عرض کیا جیل ہے۔ فرمایا کہ اس میں کوئی شک ہے یا یہ بات یقینی ہے۔ عرض کیا کہ نہیں بلاشک جیل ہی ہے۔ پھر فرمایا کہ آپ کے اندازہ میں اس جیل کو یہاں سے کتنا فاصلہ ہوگا۔ عرض کیا کہ تقریباً سو قدم۔ فرمایا کہ سو کے بجائے نوے یا ایک سو پانچ بھی ہو سکتے ہیں۔ عرض کیا بیشک ہو سکتے ہیں کیونکہ تخمینہ ہی تو ہے۔ فرمایا کہ یہی حال ہے کشفِ اولیاء کا کہ وہ شے بالکل حق ہوتی ہے جو دیکھتے ہیں۔ مگر چونکہ دور سے دیکھتے ہیں اسلیئے اسکی توقیت یعنی زمان و مکان معین کرنے میں ان کا تخمینہ ہوتا ہے جس میں غلطی بھی ممکن ہے۔ اس کے بعد جب جیل کے دروازہ پر پہنچ گئے اور وہ تقریباً دو قدم پر تھا تو فرمایا کہ یہ کیا عمارت ہے۔ سائل نے عرض کیا کہ یہ جیل ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ کتنی دور ہے۔ عرض کیا کہ صرف دو قدم۔ فرمایا کہ دو کے تین یا ایک تو نہیں ہو سکتے۔ عرض کیا کہ انتو دو قدم یقینی ہے۔ فرمایا کہ یہ حال ہے کشفِ انبیاء کا، وہ دیکھتے بھی حق ہیں اور انہیں اس شے کے سر پر لیجا کر کھڑا کر دیا جاتا ہے اور نہایت قریب سے دیکھتے ہیں۔ اسلیئے اُن سے تخمین و تعین مکان و زمان میں بھی غلطی نہیں ہو سکتی۔

حکایت (۲۴۰) مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند مرحوم نے فرمایا کہ مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مجھے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے کچھ ایسی مناسبت تھی کہ جو کچھ مولانا کے قلب پر وارد ہوتا تھا اسی کا خیال مجھے گذرتا تھا۔ اور حضرت قبلہ والد مرحوم نے اس واقعہ کو یوں فرمایا کہ حضرت مولانا رفیع الدین صاحب فرماتے تھے کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ دیوبند کا اہتمام کبھی خود نہیں فرمایا بلکہ اہتمام کے لیے مجھے طلب فرمایا اور مَیں وہی کرتا ہوں جو انہیں مکشوف ہوتا ہے۔ علم اُن کا ہے عمل میرا ہے اُنکے منشاء علمی وکشفی کو میں سمجھ کر فوراً عملدر آمد کرتا ہوں۔

حکایت (۲۴۱) مولوی نظام الدین صاحب مغربی حیدر آبادی مرحوم نے جو مولانا رفیع الدین صاحب سے بیعت تھے اور صالحین میں سے تھے احقر سے فرمایا جبکہ احقر حیدر آباد گیا ہوا تھا کہ مولانا رفیع الدین صاحب فرماتے تھے کہ مَیں پچیس برس حضرت مولانا نانوتوی کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور کبھی بلاوضو نہیں گیا۔ میں نے انسانیت سے بالا درجہ ان کا دیکھا وہ شخص ایک فرشتہ مقرب تھا جو انسانوں میں ظاہر کیا گیا۔

حکایت (۲۴۲) حضرت والد مرحوم نے فرمایا کہ مولانا فیض الحسن صاحب حضرت نانوتویؒ کے ہمعصر تھے اور بہت ہی زیادہ بے تکلف تھے۔ ایکدفعہ انہوں نے غایت بے تکلفی میں ہمعصرانہ طریق پر حضرت نانوتویؒ کو فرمایا بے جگنوار کے لونڈے تجھے ان چیزوں (علوم) سے کیا واسطہ، تو جا کر ہل جوت کھیتی کر۔ حضرت نے ہنس کر جواب دیا، ایک بھینسا تو موجود ہے (اشارہ تھا

مولانا فیض الحسن صاحب کی طرف کہ مولانا سیاہ فام اور بدن کے موٹے اور دوہرے تھے) دوسرا ہو جائے گا تو ہل مجڑے گا۔ [1]

حکایت (۲۴۳) والد صاحب نے فرمایا کہ ایک دفعہ چھتّے کی مسجد میں مولانا فیض الحسن صاحب استنجا کے لیے لوٹا تلاش کر رہے تھے اور اتفاق سے سب لوٹوں کی ٹونٹیاں ٹوٹی ہوئی تھیں۔ فرمانے لگے کہ توبہ سارے لوٹے مختون ہی ہیں۔ حضرت نے ہنس کر فرمایا کہ "پھر آپ کو تو بڑا استنجا نہیں کرنا ہے۔" (گویا مختون سے کیا ڈر ہے[2])

حکایت (۲۴۴) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا احمد حسن صاحب ..... بڑے معقولی تھے اور کسی کو اس میدان میں اپنا ہمسر نہیں سمجھتے تھے۔ ایک دن حضرت نانوتوی کا وعظ ہوا اور اتفاق سے سامنے وہی تھے اور مخاطب بنگئے اور معقولات ہی کے مسائل کا رد شروع[3] ہوا۔ وعظ کے بعد انہوں نے کہا اللہ اکبر یہ باتیں کسی انسانی دماغ کی نہیں ہو سکتیں یہ تو خدا ہی کی باتیں ہیں۔ مجھپر تو یہ اثر ہوا ہے کہ خودی مٹ رہی ہے۔ اسی مجلس میں حضرت سے بیعت کی درخواست کی۔ فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کی طرف سے بیعت کرتا ہوں جب آپ جائیں تو پھر وہاں تجدید بیعت کرلیں۔ چنانچہ جب مولانا گئے تو حضرت حاجی صاحبؒ

---

[1] ایسا بے تکلف مزاح دونوں حضرات کے غایت تواضع کی دلیل ہے۔ متکبرین ایسے عنوانات کو کب گوارا کر سکتے ہیں۔ [2] اس مزاح میں ایک توریہ ہے ایک پہلو تو وہی ہے جس کی طرف ماتن نے بین القوسین اشارہ کیا ہے۔ اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ ٹونٹی کے ٹوٹ جانے سے پانی کم سماتا ہے اور گرتا بھی زیادہ ہے جو بعض اوقات بڑے استنجے کے لیے کافی نہیں ہوتا۔ پس اس مزاح کو فحش نہیں کہہ سکتے۔ [3] اوّل تو اس کی کوئی دلیل نہیں کہ قصداً ان مسائل کا رد شروع فرمایا۔ لیکن اگر ایسا ہوا بھی ہو تو مدعی کی اصلاح کے واسطے علم کا اظہار بھی جائز ہے۔ (اشرف علی)

سے تجدید بیعت کرلی۔

حکایت (۲۴۵) والد صاحب مرحوم نے فرمایا کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک وعظ سہارنپور میں ہوا جس میں مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی بھی شریک تھے اور ختمِ وعظ پر فرمانے لگے کہ بھلا انکے ہوتے ہوئے کوئی واعظ وعظ کہہ کر کیا ایسی تیسی کھائے گا۔ یہ علوم کہاں سے لائیگا اور یہ اثر کہاں سے آئے گا۔

حکایت (۲۴۶) حضرت عم محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم نے فرمایا کہ مولوی احمد حسن صاحب امروہی اور مولوی فخر الحسن صاحب گنگوہی میں باہم معاصرانہ چشمک تھی اور اس نے بعض حالات کی بنا پر ایک مخاصمۃ اور منازعۃ کی صورت اختیار کرلی۔ اور مولوی محمود الحسن گو اصل جھگڑے میں نہ شریک تھے نہ انہیں اس قسم کے امور سے دلچسپی تھی۔ مگر صورت حال ایسی پیش آئی کہ مولانا بھی بجائے غیر جانبدار رہنے کے کسی ایک جانب جھک گئے۔ اور یہ واقعہ کچھ طول پکڑ گیا۔ اسی دوران میں ایک دن علی الصبح بعد نماز فجر مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا محمود الحسن صاحب کو اپنے حجرہ میں بلایا (جو دار العلوم دیوبند میں ہے) مولانا حاضر ہوئے اور بند حجرہ کے کواڑ کھول کر اندر داخل ہوئے ہو موسم سخت سردی کا تھا۔ مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پہلے یہ میرا روئی کا لبادہ دیکھ لو۔ مولانا نے دیکھا تو تر تھا اور خوب بھیگ رہا تھا۔ فرمایا کہ واقعہ یہ ہے کہ ابھی ابھی مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جسدِ عنصری کے ساتھ میرے پاس تشریف لائے[1] تھے جس سے میں ایکدم پسینہ پسینہ ہوگیا اور میرا لبادہ تر بتر

---

[1] یہ واقعہ روح کا تمثل تھا اور اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ جسد مثالی تھا مگر مشابہ جسدِ عنصری کے۔ دوسری یہ کہ روح نے خود عناصر میں تصرف کر کے جسدِ عنصری تیار کرلیا ہو مگر وقت گذر جانے پر پھر اس مرکب کو تحلیل کر دیا جاتا ہے۔ (اشرف علی)

ہو گیا۔ اور فرمایا یہ کہ محمود حسن کو کہدو کہ وہ اس جھگڑے میں نہ پڑے۔ بس میں نے یہ کہنے کے لیے بلایا ہے۔ مولانا محمود حسن صاحبؒ نے عرض کیا کہ حضرت میں آپ کے ہاتھ پر توبہ کرتا ہوں کہ اسکے بعد میں اس قصہ میں کچھ نہ بولوں گا۔

حکایت (۲۴۷) عمِ محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ مولانا محمود حسن صاحب مرحوم حضرت نانوتویؒ کے اخلاقِ مربیانہ اور شفقت ورحمت کی توصیف کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ بس حضرت کے اخلاق کا اندازہ اس مثال سے ہوسکتا ہے کہ مثلاً اگر میں اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہوں جو بہت تمناؤں کے بعد پیدا ہوا ہوں، ظاہر ہے کہ مجھ سے انہیں کتنا اُنس ہو گا۔ اچانک میں گرفتار ہو کر دائم الحبس کر دیا جاؤں کہ میری واپسی اور ملاقات کی کوئی توقع ماں باپ کو نہ رہے ظاہر ہے کہ اُن پر کس درجہ غم والم کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں گے کہ گویا وہ قبل از مرگ ہی مرجائینگے اور پھر میں اچانک رہا ہو کر آؤں اور اِکدم ماں باپ کے سامنے پہنچ جاؤں تو تم بتلاؤ کہ انکی اسوقت کی خوشی ومسرت کا کیا اندازہ ہوسکتا ہے۔ بس یوں سمجھو کہ میں اگر دن میں دس مرتبہ بھی حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کرتا تو مجھے دیکھ کر اتنی مرتبہ ہی خوش ہوتے تھے جتنا کہ میرے ماں باپ اس وقت خاص میں خوش ہو سکتے تھے۔

حکایت (۲۴۸) حضرت والد صاحب مرحوم نے فرمایا کہ حضرت نانوتویؒ عموماً بیعت اپنے مرشد کیطرف سے کرتے تھے۔ چند ایک ہی لوگ تھے جنکو براہ راست اپنے سے بیعت فرمایا۔ ایک دیوان محمد یٰسین مرحوم دیوبندی کہ جب انہوں نے بیعت کی درخواست کی فرمایا کہ جاؤ گنگوہ جا کر بیعت ہو۔ وہ فوراً گنگوہ پہنچے اور حضرت گنگوہیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ گنگوہ سے واپس ہو کر پھر درخواست کی۔ حضرت نے فرمایا کہ تم نے گنگوہ

جاکر بیعت نہیں کی۔ عرض کیا کرلی۔ فرمایا کہ پھر اب دوبارہ بیعت کیسی۔ عرض کیا کہ حضرت وہ تو تعمیل[1] ارشاد تھی۔ مگر بیعت تو حضرت ہی کرینگے۔ آخرکار خود حضرت نے بیعت فرمایا۔

حکایت (۲۴۹) حضرت والد مرحوم نے فرمایا کہ مولانا محمود حسن صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے یہ سارے بزرگ آفتاب و مہتاب تھے۔ ایک سے ایک اعلیٰ و افضل تھا۔ لیکن بہرحال جسکی قیامگاہ پر جاکر دیکھا ضروریاتِ زندگی میں سے کچھ نہ کچھ سامان پایا۔ حضرت گنگوہیؒ کے حجرہ میں بہرحال سامانِ مباح میں سے ضروریات تھیں۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہٗ کے حجرہ میں بہرحال کچھ نہ کچھ اشیار نظر پڑتی تھیں۔ لیکن اس منقطع عن الخلق اور زاہد فی الدنیا ذات (حضرت قاسم العلوم) کے حجرہ میں کچھ بھی تو نظر نہ آتا تھا چٹائی بھی اگر ایک تھی تو وہ ٹوٹی ہوئی تھی گویا عمر بھر کیلئے اسی ایک چٹائی کو منتخب فرمالیا تھا۔ نہ کوئی صندوق تھا نہ کبھی کپڑوں کی گٹھڑی بندھتی تھی۔ سفر میں جب یہ حضرات جاتے تھے تو مثلاً حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خادمِ خاص عبداللہ شاہ صندوق لیتے، کپڑے لگاتے، سامانِ سفر مہیا ہوتا اہتمام ہوتا۔ لیکن یہاں کوئی اہتمام نہ تھا۔ اگر کبھی ایک آدھ کپڑا ہوا تو کسی کے پاس رکھوادیا۔ ورنہ عموماً اسی ایک جوڑے میں سفر پورا ہوتا جو حضر میں پہنے ہوتے تھے۔ البتہ ایک نیلی لنگی ساتھ رہتی تھی۔ جب کپڑے زیادہ میلے ہوگئے تو لنگی باندھ کر کپڑے اُتار لیے اور خود ہی دھو لیے اور وہ لباس بھی کیا تھا جو اتنی قلت کیساتھ رہتا تھا۔ بغیر کرتے کے بندوں دار اچکن (یا انگرکھا) اور پاجامہ۔ سردی ہوتی تو مختصر سا معمولی عمامہ ورنہ عموماً ایک کنٹوپ تمام سردی میں سر پہ رہتا تھا۔ مدۃ العمر

---

[1] پس یہ صورتِ بیعت تھی۔ مگر چونکہ مقدمہ حقیقتِ بیعت تھی اسلیئے بیکار نہ تھی۔ اور چونکہ قرائن سے متیقن تھا کہ شیخ اول کو یہ ناگوار نہ ہوگا۔ اسلیئے خلافِ طریقت نہ تھی۔ (اشرف علی)

کسی کپڑے میں بٹن کبھی نہیں لگائے اور فرماتے تھے کہ یہ نصاریٰ کی علامت ہے۔ بلکہ ہر جگہ بند استعمال فرماتے تھے۔ اپنے لیے کبھی کچھ نہ تھا اور سب کیلئے سب کچھ تھا۔ اگر ان کے پاس کوئی دنیا ہی کی تلاش میں آتا تو وہ دنیا سے بھی محروم نہ جاتا تھا۔ بہت کچھ آتا مگر اس میں اپنے لیے کچھ نہ تھا بلکہ دوسروں کے لیے۔ اور یہی فرمایا کہ دوسروں کا حق ہے۔[۱]

حکایت (۲۵۰) حضرت والد صاحب مرحوم نے فرمایا کہ مولانا منصور علیخاں صاحب مرحوم مرادآبادی حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں سے تھے۔ طبیعت کے بہت پختہ تھے اسلیے جدھر طبیعت مائل ہوتی تھی پختگی اور انہماک کیساتھ ادھر جھکتے تھے۔ انہوں نے اپنا واقعہ خود بھی مجھ سے نقل فرمایا کہ مجھے ایک لڑکے سے عشق ہو گیا۔ اور اسقدر اسکی محبت نے طبیعت پر غلبہ پایا کہ رات دن اسی کے تصور میں گذرنے لگے۔ میری عجیب حالت ہو گئی۔ تمام کاموں میں اختلال ہونے لگا۔ حضرت کی فراست نے بھانپ لیا۔ لیکن سبحان اللہ تربیت و نگرانی اسے کہتے ہیں کہ نہایت بے تکلفی کیساتھ حضرت نے میرے ساتھ دوستانہ برتاؤ شروع کیا اور اسے اسقدر بڑھایا کہ جیسے دو یار آپس میں بے تکلف دل لگی کیا کرتے ہیں۔ یہانتک کہ خود ہی اس محبت کا ذکر چھیڑا۔ فرمایا کہ ہاں بھائی وہ (لڑکا) تمہارے پاس کبھی آتے بھی ہیں یا نہیں۔ میں شرم و حجاب سے چپ رہ گیا تو فرمایا کہ نہیں بھائی۔ یہ حالات تو انسان ہی پر آتے ہیں۔ اسمیں چھپانے کی کیا بات ہے۔ غرض اس طریق سے مجھ سے گفتگو کی کہ میری ہی زبان سے اس کی محبت کا اقرار کرالیا۔ اور

---

[۱] مقصود در جہ طریق میں جمعیت قلب ہے فطرۃً کسی کو ترکِ اسباب میں جمعیت ہوتی ہے کسی کو مباشرتِ اسباب میں۔ پس دونوں میں تفویض ہے محبوب کی تجویز تکوینی کیطرف، اور تشریعاً دونوں امر مخیر فیہ ہیں۔ اور بٹنوں سے اجتناب یہ احتیاط ہے باقی شیوعِ عام جس سے دیکھنے والے کو کھٹک نہ ہو رافعِ تشبہ ہے۔
(اشرف علی)

کوئی خفگی وناراضگی نہیں ظاہر کی، بلکہ دلجوئی فرمائی۔ اس مخصوص بے تکلفی کے آثار اب مجھ پر ظاہر ہونا شروع ہوئے۔ میں ایک دن تنگ آگیا اور دل میں سوچنے لگا کہ یہ محبت میری رگ و پے میں سرایت کر گئی مجھے تمام امور سے بیکار کر دیا کیا کروں کہاں جاؤں۔ آخر عاجز آکر دوڑا ہوا حضرت کی خدمت میں پہنچا اور مؤدب عرض کیا کہ حضرت للہ میری اعانت فرما دیجئے۔ میں تنگ آگیا اور عاجز آچکا ہوں۔ ایسی دعا فرمایئے کہ اس لڑکے کا خیال تک میرے قلب سے محو ہو جائے۔ تو ہنس کر فرمایا کہ بس مولوی صاحب کیا تھک گئے۔ بس جوش ختم ہو گیا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں سارے کاموں سے بیکار ہو گیا نکما ہو گیا اب مجھ سے یہ برداشت نہیں ہو سکتا۔ خدا کیلئے میری امداد فرمایئے۔ فرمایا بہت اچھا۔ بعد مغرب جب میں نماز سے فارغ ہوں تو آپ موجود رہیں۔ میں نماز مغرب پڑھ کر چھتہ کی مسجد میں بیٹھا رہا۔ جب حضرت صلوٰۃ الاوابین سے فارغ ہوئے تو آواز دی۔ مولوی صاحب۔ میں نے عرض کیا حضرت حاضر ہوں۔ میں سامنے حاضر ہوا اور بیٹھ گیا۔ فرمایا کہ ہاتھ لاؤ۔ میں نے ہاتھ بڑھایا۔ میرا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھ کر میری ہتھیلی کو اپنی ہتھیلی سے اسطرح رگڑا جیسے بان بٹے جاتے ہیں۔ خدا کی قسم میں نے عیاناً دیکھا کہ میں عرش کے نیچے ہوں۔ اور ہر چہار طرف سے نور اور روشنی نے میرا احاطہ کر لیا ہے۔ گویا میں دربار الٰہی میں حاضر ہوں۔ میں اسوقت لرزاں اور ترساں تھا کہ ساری عمر مجھ پر یہ کیفیت اور

یہ ایک اثر تھا تصرف کا مشابہ اس اثر کے جو حدیث مسلم میں وارد ہے عن ابی کعب (فی قصہ اختلاف القرأتین وتصویبہ صلی اللہ علیہ وسلم کلیہما) فلما رای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما قد غشیتنی ضرب فی صدری ففضت عرقاً وکانما انظر الی اللہ فرقا الحدیث (باب بیان القران انزل علی سبعۃ احرف) ونقل النووی عن القاضی ضرب صلی اللہ علیہ وسلم فی صدرہ تثبیتا لہ حین رآہ قد غشیہ ذلک الخاطر المذموم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل اگر وحی سے تھا تو اس کے تصرف ہونیکی کوئی دلیل نہیں۔ اور اگر اجتہاد سے تھا تو غالب

ضعف طاری نہ ہوا تھا۔ میں پسینہ پسینہ ہوگیا اور بالکل خودی سے گذر گیا اور حضرت برابر میری ہتھیلی پر اپنی ہتھیلی پھیر رہے ہیں۔ جب ہتھیلی پھیرنا بند فرمایا تو یہ حالت بھی فرو ہوگئی۔ فرمایا جاؤ۔ میں اُٹھ کر چلا آیا۔ دو ایک دن کے بعد حضرت نے پوچھا کہ مولوی صاحب کیا حال ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت اس لڑکے کا تصور یا عشق تو کجا، دل میں اس لڑکے کی گنجائش تک باقی نہیں رہی۔ فرمایا، اللہ کا شکر کرو۔ والحمدللہ فونک۔

حکایت (۲۵۱) حضرت والد صاحب مرحوم نے فرمایا کہ مدرسہ دیوبند جاری ہوچکا تھا۔ لیکن اس کی کوئی مستقل عمارت نہیں بنی تھی۔ بلکہ کرایہ کے مکانوں میں۔ مساجد میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری تھا۔ جب یہ سلسلہ تعلیم بڑھنے لگا تو حضرت نانوتویؒ کی رائے یہ ہوئی کہ کرایہ کے مکانوں سے کام نہ چلیگا۔ بلکہ ایک مستقل جگہ مدرسہ کے نام سے ہونی چاہیئے۔ سب نے اس رائے پر لبیک کہا لیکن حاجی محمد عابد صاحب مرحوم اس رائے کے خلاف تھے وہ فرماتے تھے کہ کیا ضرورت ہے اتنے مصارف برداشت کرنے کی، جامع مسجد کی عمارت کافی ہے۔ اسکے ہر چہار سمت حجرے بنا دیئے جائیں اور مسجد میں مدرسین درس دیں۔ لیکن بقول حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۶ یہی ہے کہ تصرف تھا۔ البتہ ایسے تصرفات کا وقوع بہت ہی نادر منقول ہے۔ اور اس میں بھی شبہ ہے غیر تصرف ہونیکا۔ پس وقوع تصرف کا حکم جازم محتاج دلیل ہے۔ اور مشائخ چونکہ صاحب وحی نہیں اُن کے ایسے افعال قرائن سے تصرفات ہی معلوم ہوتے ہیں۔ اسی لیے محققین نے اسکو کمالاتِ مقصودہ میں شمار نہیں کیا۔ اور راز اس میں یہ ہے کہ تصرفات کا صدور قوتِ نفسانیہ سے ہوتا ہے۔ اور جسطرح قوتِ جسمانیہ کمالاتِ مقصودہ سے نہیں جیسے مصارعۃ اسی طرح قوتِ نفسانیہ بھی اور اسی وجہ سے یہ قوت اہل باطن میں بھی پائی جاتی ہے۔ بلکہ بعض محققین کا قول ہے کہ عارف راہمت (یعنی تصرف) نباشد۔ تو وہ اس کے عدم کو اس کے وجود پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور وجہ اس کی یہ بتلائی جاتی ہے کہ اس میں شان عبدیت سے بُعد ہے اور یہ وجہ افعال جسمانیہ میں نہیں پائی جاتی کیونکہ اسمیں اسباب مادیہ کیطرف احتیاج ظاہر ہے جو عین عبدیت ہے اور تصرفاتِ نفسانیہ میں اسباب خفی ہیں اسلیئے احتیاج کی شان اس میں خفی ہے۔ نیز افعال جسمانیہ کے صدور میں عوام معتقد نہیں ہوتے۔ اور تصرفات میں معتقد ہوجاتے ہیں تو اس میں افتتان اور عُجب کا خطرہ بھی ہے۔ واللہ اعلم۔ (اشرف علی)

حاجی صاحب مرحوم کے سامنے[1] وہ مستقبل نہ تھا جو حضرت کو نظر آرہا تھا۔ انکی فراست کے سامنے یہ مکتب مدرسہ اور پھر مدرسہ سے دارالعلوم ہونیوالا تھا۔ اسلیے حضرت نے فرمایا کہ حاجی صاحب مدرسہ کیلئے الگ ہی جگہ مناسب ہے۔ مسجد میں مدرسہ کا ہونا بہت سے اشکالات اور دشواریوں کا باعث ہوگا۔ یہ طلبہ کی قوم آزاد ہوتی ہے کبھی شکایت ہوگی کہ مسجد کے لوٹے ٹوٹ گئے کبھی فریاد ہوگی کہ مسجد کی صفیں گم ہو گئیں ٹوٹ گئیں۔ لالٹینیں نہ رہیں، غرض بیسیوں دشواریاں ہونگی۔ اسلیے یہی مناسب ہے کہ مدرسہ کا مکان مدرسہ کے نام سے الگ ہی ہو۔ لیکن حاجی صاحب مرحوم نے ہرگز اس رائے کو تسلیم نہیں کیا۔ اور چونکہ طبیعت کا ایک خاص انداز تھا اسلیے اپنی رائے پر اصرار تھا۔ لوگوں کے چہرے بدلے ہوئے تھے مگر حضرت نانوتوی کے حلم کیوجہ سے کوئی کچھ کہہ بھی نہ سکتا تھا۔

آخر کار حضرت نے لوگوں سے فرمایا کہ مکانِ مدرسہ کیلئے اشتہار جاری کردیا جائے۔ اس اشتہار میں اس کا کوئی تذکرہ نہ ہو کہ مکان الگ بنے گا یا کام مسجد میں مدرسہ رہیگا۔ یہ وقت پر ہوتا رہیگا۔ اتنے عرصہ میں حاجی صاحب بھی موافقت کرلیں گے۔ یہ رائے طے ہوگئی۔ اور ساتھ ہی یہ طے پایا کہ سنگِ بنیاد رکھنے کے لیے مختلف جگہ کے مسلمانوں کو جمع کیا جائے اور صورت یہ ہو کہ جمعہ کے

---

[1] مدرسہ کے لیے مستقل عمارت نہ ہونے کی رائے کا منشا، تذکرۃ العابدین میں اسطرح لکھا ہے کہ وقت بنائے جامع مسجد کے یہ بات قرار پائی تھی کہ مسجد کی سہ دریوں میں مدرسہ رہیگا، علیحدہ نہیں بنوایا جائیگا۔ مگر کئی سال بعد اہل شوریٰ کا یہ مشورہ ہوا کہ مدرسہ علیحدہ بنوایا جائے۔ اسوقت حاجی صاحب نے کہا تم نے مسجد کا کام کیوں بڑھوا دیا۔ مسجد کو سہ دریوں کی کچھ ضرورت نہ تھی۔ اور اسی کتاب میں لکھا ہے کہ مولانا محمد قاسمؒ نے عذر کیا کہ مجھ کو علم نہیں تھا کہ اہلِ شوریٰ نے آپ سے پہلے ذکر نہیں کیا اور خفیہ طور سے مشورہ کیا ہے۔ میں معافی چاہتا ہوں۔ اس سے دونوں حضرات کا عذر بالکل ظاہر ہے اور دونوں طرف سے معافی کی استدعا دونوں حضرات کے کمالِ تواضع کی واضح دلیل ہے۔ (اشرف علی)

دن نمازِ جمعہ کے بعد حضرت وعظ فرمائیں اور وعظ ختم ہوتے ہی سارا مجمع شہری اور بیرونی حضرات کا سنگِ بنیاد رکھنے کے لیے اُس جگہ پر آجائے جو مدرسہ بنانے کے لیے تجویز کی گئی اور چار آنہ گز کے حساب زمین کا معاملہ طے ہو چکا تھا چنانچہ اس مضمون کا اشتہار ملک میں بھیجدیا گیا۔ اطراف واکناف سے لوگوں کے خطوط آمد کے متعلق آنے شروع ہوئے۔ معیّنہ جمعہ کے دن بیرونی حضرات کا جمِ غفیر جمع ہو گیا۔ علیگڈھ سے بھی بعض سر برآوردہ لوگ آئے اور زیادہ تر حضرت کے وعظ تقریر کے اشتیاق میں یہ مجمع ہوا تھا۔ بہرحال جمعہ کے بعد حسبِ تجویز مشتہر شدہ حضرت نے وعظ فرمایا۔ وعظ کے آخر میں فرمایا کہ مکانِ مدرسہ کے لیے سب حضرات فلاں جگہ تشریف لے چلیں تاکہ مدرسہ کا سنگِ بنیاد رکھدیا جائے۔ بس یہ سُنتے ہی حاجی صاحب مرحوم کو غصہ آیا اور زور سے فرمایا۔ ہائیں کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ حاجی صاحب یوں ہی مناسب ہے آپ تشریف تو لے چلیں۔ حاجی صاحب نے فرمایا میں کیوں چلوں، کیا ضرورت ہے اس اسراف کی اور کیوں یہ بیکار اتنا بڑا کام اُٹھایا جارہا ہے۔ یہ الفاظ غصہ سے بھر آئی ہوئی آواز میں نکلے۔ حضرت نے فرمایا حاجی صاحب آپ سنبھلیں یوں ہی مصلحت ہے کہ مدرسہ الگ بنے۔ اسپر پھر حاجی صاحب زور سے بولے۔ حضرت نے فرمایا حاجی صاحب کو اختیار ہے سب حضرات چلیں اور سنگِ بنیاد رکھیں۔ یہ ایما پاتے ہی تمام شہری اور بیرونی لوگوں کا جمِ غفیر چلا۔ حاجی صاحب تو چھتہ کی مسجد میں آگئے اور لوگوں کا مجمع حضرت کے ساتھ چلا۔ لیکن حضرت بجائے اسکے کہ پہلے جائے بنیاد پر آتے سب سے پہلے چھتہ کی مسجد میں تشریف لائے اور حاجی صاحب سے پُکار کر فرمایا کہ حاجی صاحب!

آپ تو ہمارے بڑے اور ہم سب آپکے چھوٹے ہیں، یہ آپنے اپنے چھوٹوں کیساتھ کیا بے رخی اور بے توجہی برتنی شروع فرمادی. کچھ ان الفاظ کا ایسا اثر حاجی صاحب پر ہوا کہ بے اختیار آگر گر پڑے اور اتنے روئے کہ آوازیں نکل پڑیں اور کہا کہ مولانا للہ میرا قصور معاف فرمائیے. حضرت نے حاجی صاحب کو اُٹھا کر گلے لگایا اور فرمایا حاجی صاحب آپ کیا فرما رہے ہیں آپ تو ہمارے بزرگ ہیں بڑے ہیں حضرت حاجی صاحب کو لے کر بنیاد پر پہنچے جو کھُد کر تیار تھی. اسوقت کے اکابر کا خیال تھا کہ کوئی مقدس اور بزرگ ہستی ایسی نہ تھی جو اسوقت وہاں نہو، سارے ہی مقدسین کو حق تعالیٰ نے اس موقعہ پر جمع فرمادیا تھا. اب یہ گفتگو ہوئی کہ پہلی اینٹ کون رکھے. حضرت کا اسوقت ایک خاص امتیاز تھا. لوگوں کی رائے ہوئی کہ پہلی اینٹ حضرت رکھیں مگر حضرت ہمیشہ پیش پیش ہونے اور کسی ظاہری امتیاز سے بچتے تھے. کبھی خود آگے نہ ہوتے تھے. کام میں ہمیشہ خود سبقت فرماتے اور آگے کسی کو فرما دیتے تھے. مدرسہ قائم ہوا، اسکے انتظامات ہوئے. اسمیں علمی کارنامے ظاہر ہوئے. اور حضرت ہی نے سب کچھ کیا لیکن اپنا نام کبھی نہیں رکھا. حتیٰ کہ مدرسہ کی زمین کا بیعنامہ بھی حاجی صاحب مرحوم کے نام کرایا. غرض کام میں سب کے روح رواں تھے اور نام رکھنے میں ہمیشہ پیچھے رہتے تھے. بہر حال جب بنیاد رکھنے کے لیے پہلے حضرت کو تجویز کیا گیا، فرمایا یہ کبھی نہیں ہوسکتا. اور خود ہی تجویز فرمایا کہ سب سے پہلے حضرت میانجی مُنّے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو مولانا سید اصغر حسین صاحب دام ظلہ کے نانا تھے، اینٹ رکھیں کہ وہ سید بھی ہیں اور بزرگ بھی ہیں. اور پھر حاجی صاحب اینٹ رکھیں اور پھر تمام اکابر. چنانچہ یہی ہوا، اوّل ان دو حضرات

نے اینٹ رکھی، پھر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو بڑھایا کہ آپ اینٹ رکھیں۔ انہوں نے رکھی۔ لوگوں نے کہا حضرت آپ بھی تو اینٹ رکھیں۔ فرمایا۔ ہاں میں بھی تو آپ سب کیساتھ حاضر ہوں۔ اور پھر خود بھی اینٹ رکھی۔ اُسدن اہل اللہ کے قلوب پر ایک عجیب سرور تھا۔ ایک عجب خوشی تھی اور سب کے دل فرحت سے مالامال تھے۔

حکایت (۲۵۲) عم محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا۔ جب حضرت نانوتویؒ دہلی میں تعلیم پاتے تھے جس راستہ کو جاتے تھے اسمیں ایک مجذوب پڑا رہتا تھا۔ ایک دن اُسنے بُلایا۔ مولانا کے ہاتھ میں کتاب تھی۔ کہا تیرے ہاتھ میں کیا ہے۔ مولانا نے کتاب سامنے کر دی۔ اُسنے اوراق اُلٹ پلٹ کر کے کچھ من من کی پھر کتاب بند کر کے کہا۔ جا تو بڑا عالم ہے۔

حکایت (۲۵۳) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا راؤ عبدالرحمٰن خاں صاحب پنجلاسہ (پنجاب) میں حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اور بڑے زبردست صاحب کشف و حالات تھے۔ کشف کی یہ حالت تھی کہ کوئی لڑکا لڑکی کے لیے تعویذ مانگتا بے تکلف فرماتے جا تیرے لڑکا ہوگا یا لڑکی۔ لوگوں نے عرض کیا۔ کہ حضرت یہ کیسے آپ بتاتے ہیں۔ فرمایا کہ کیا کروں بے محابا مولود کی صورت سامنے آجاتی ہے۔ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ روپوش ہو کر پنجلاسہ میں مقیم رہے ہیں۔ اور وہیں توجہ کا حلقہ ہوتا تھا۔ اسپر عبداللہ شاہ فرماتے کہ میاں یہ کیا حلقے وغیرہ تم نے بنائے ہیں ہمنے اپنے بادشاہ (شاہ عبدالرحیم صاحبؒ) کو دیکھا ہے کہ نماز میں جب داہنا سلام پھیرا تو اُدھر کی صف لوٹ گئی اور جب بایاں سلام پھیرا تو اُدھر کے آدمی گر گئے۔ نہ حلقہ تھا نہ مجلس۔ غرض عبداللہ شاہ

اس زنبہ کے تھے اور ایسے زبردست ان کے حالات تھے۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اُسے اکثر ملنے تشریف لیجایا کرتے تھے۔ اور اُن کی یہ عادت تھی کہ مولانا سے ملتے ہی کہتے کہ آؤ حاجی قاسم! اسپر مولانا فرماتے کہ حضرت میں تو حاجی نہیں ہوں تو فرماتے کہ بھائی زبان سے یونہی نکل جاتا ہے۔ جب پہلے حج کو تشریف لے گئے ہیں تو براہِ پنجاب فیروزپور کے دریا سے دریائے سندھ میں ہوتے ہوئے پہلا حج فرمایا ہے۔ راستہ میں پنجلاسہ کا علاقہ بھی پڑتا تھا۔ مولانا نے رفقائے سفر سے جن میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے اور حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے، فرمایا کہ بھائی میں تو پنجلاسہ ضرور جاؤں گا اور راؤ عبداللہ شاہ صاحب سے ضرور ملوں گا۔ چنانچہ تشریف لے گئے اور ملے۔ راؤ صاحب نے فرمایا کہ آؤ حاجی قاسم۔ مولانا نے فرمایا کہ حضرت میں حج کو جا رہا ہوں۔ فرمایا کہ پھر میں نے تمہیں حاجی ہی کہا تھا۔ رخصت کے وقت مولانا نے فرمایا کہ حضرت میرے لیے دعا فرمائیے۔ اسپر فرمایا کہ بھائی میں تمہارے لیے کیا دعا کروں میں نے اپنی آنکھوں سے تمہیں دونوں جہان کے بادشاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بخاری پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

حکایت (۲۵۴) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ مولانا نانوتوی دہلی میں مولانا مملوک علی صاحب سے جب تعلیم پاتے تھے تو وہاں کے کالج میں نام مولانا کا داخل تھا۔ مگر بطورِ خود پڑھتے تھے۔ لیکن امتحانات کی شرکت لازمی تھی۔ چنانچہ جب امتحان کا زمانہ آیا تو رامچندر جو بڑا مہندس تھا اور ہندو سے کرسٹان ہو گیا تھا، ہندسہ کا اوستاد تھا، اس نے مولانا کو بھی داخل ہندسہ کرنا چاہا لیکن مولانا مملوک علی صاحب نے اس سے فرمایا کہ قاسم درس میں داخل تو نہ ہو گا مگر امتحان میں ضرور شامل

ہوگا۔ اور یہ محض اپنی کمالِ فراست اور تجربہ کی بنا پر فرمایا تھا۔ نیز مولانا نے گوارا نہ کیا کہ میرا اُستاد غیر مسلم ہو، اور اس سے کراہت کی۔ بہرحال جب امتحان کا زمانہ قریب آگیا تو مولانا مملوک علی صاحب نے فرمایا کہ بھائی اقلیدس کے مقالے اور اشکال دیکھ لینا امتحان دینا ہوگا۔ چنانچہ حضرت مولانا نے صرف ایک شب میں اقلیدس دیکھی اور چودہ پندرہ شکلیں دیکھی تھیں کہ اس سے جی گھبرا گیا تو چھوڑ دی اور پھر نہیں دیکھی۔ کالج میں اسکی شہرت تھی کہ فلاں طالب علم ہندسہ میں بے پڑھے امتحان دیگا حتیٰ کہ رامچندر کو بھی اسکا علم ہوا۔ تب اُس نے اپنے مایۂ ناز شاگرد مولوی ذکاء اللہ صاحب کو جو فنِ ہندسہ میں صاحبِ تصانیف بھی تھے بُلا کر چند سوالات سمجھا دیے اور حضرت کی خدمت میں بطورِ امتحان بھیجا۔ انہوں نے سوالات کیے اور حضرت مولانا نے فرفر جوابات دینے شروع کیے۔ اس کے بعد مولانا نے فرمایا کہ چند سوالات میں بھی کرتا ہوں۔ چنانچہ کیے، مگر وہ جواب سے عاجز رہ گئے۔

(۲۵۵) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ ایک انگریز مہندس نے اشتہار دیا[1] تھا کہ اگر کوئی شخص مثلث کے زاویہ کو تین حصوں میں دلیل سے ثابت اور منقسم کردے تو ڈیڑھ لاکھ روپے انعام ہے۔ مظفر نگر کے منصف صاحب بھی فنِ ریاضی اور ہندسہ میں دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ انہوں نے اس پر دلائل قائم کیے۔ اور اپنے زعم میں اُسے ثابت کردیا۔ لیکن میرٹھ پہنچے اور وہاں کے کسی حاکمِ اعلیٰ کو وہ دلائل دکھائے اُس نے کہا کہ بالکل صحیح ہیں۔ آپ اس کا اعلان کریں، ضرور آپ

---

[1] یہ احقر اس زمانہ میں دارالعلوم میں پڑھتا تھا۔ میں نے اشتہار کے مضمون کو اس عنوان سے سُنا تھا کہ زاویہ کی تنصیف تو دلیل سے ثابت ہوگئی ہے مگر اس کی تثلیث کا نہ وقوع ثابت ہوا نہ امتناع۔ اگر اسکا کوئی وقوع ثابت کردے وہ ایک لاکھ روپے انعام کا مستحق ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ مولانا سید احمد صاحب دہلوی مدرس ثانی دارالعلوم دیوبند نے اس کی تغلیط میں مفصل تحریر لکھی تھی۔ سو ان دونوں جزؤں کو واقعہ مذکورہ روایت ہذا سے کوئی تعارض نہیں ۰ (اشرف علی)

اس انعام کے مستحق ہونگے۔ لیکن ان کے دل میں کوئی اطمینان پیدا نہ ہوتا۔ وہ چاہتے تھے کہ اگر اسپر مولانا ایک نظر ڈالدیں تو مجھے اطمینان ہوجائے۔ مولانا کا مظفر نگر آنا ہوا ان منصف صاحب نے ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب مرحوم سے (جو حضرت مولانا کے خاص لوگوں میں تھے) کہا کہ کوئی ایسا وقت بھی میسّر آسکتا ہے کہ میں مولانا کو یہ تحریر دکھادوں۔ انہوں نے کوشش کی مگر وقت نہ نکل سکا۔ یہانتک کہ روانگی کا وقت آگیا اسٹیشن پر تشریف لے آئے، لیکن گاڑی دس بیس منٹ لیٹ تھی۔ اسوقت فوراً ان منصف صاحب نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ اب میری تحریر سنوادو۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے ذکر کیا اور بعد منظوری منصف صاحب نے وہ تحریر سنائی جسکو سرسری حضرت نے سُنا۔ سب سے آخر میں فرمایا کہ سب صحیح ہے مگر دلیل کا فلاں مقدمہ نظری ہے۔ حالانکہ اقلیدس کی تمام دلائل کی انتہا بدیہی مقدمات پر ہوتی ہے اور اسی لیے اس کے تمام دلائل قطعی سمجھے جاتے ہیں۔ چونکہ وہ سب صاحبِ فن تھے فوراً سمجھ گئے اور وہاں سے واپس ہوئے۔ اسپر ڈاکٹر صاحب نے بطورِ مذاق فرمایا کہ تمہیں کیا مصیبت پیش آئی تھی کہ مولانا کو یہ تحریر سنائی اور اپنی ساری کاوش دماغ کو غلط ثابت کردیا۔ تم اعلان کردیتے۔ اشتہار دینے والے اسے کیا سمجھتے۔ لیکن یہ انکی دیانت تھی کہ جب ان کی تحریر میں غلطی نکل آئی تو پھر انہوں نے اُسکی اشاعت نہ کی۔ اگرچہ وہ ایسی غلطی تھی کہ عموماً اس کا سمجھنا دشوار تھا۔

حکایت (۲۵۶) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے چند دن اقلیدس کا درس بھی دیا ہے۔ چھتہ میں جب اقلیدس پڑھاتے تھے اور شکل کھینچنے کی ضرورت پڑتی تھی تو وہیں چٹائی کا کونہ اُٹھاکر اور زمین پر انگلی

انگلی سے شکل کھینچ کر سمجھا دیتے تھے۔ نہ پرکار تھی اور نہ اوزار تھے۔

حکایت (۲۵۷) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ حضرت نانوتویؒ میرٹھ میں مثنوی شریف کا درس دے رہے تھے۔ اتفاقاً درس میں کوئی صاحب حال اور صاحب دل بھی آنکلے۔ انہوں نے جب حضرت مولانا کے عالی مضامین سُنے جو مثنوی میں بیان فرمائے جارہے تھے، تو بڑی حسرت سے کہنے لگے کہ کاش اگر اس شخص کو اس ظاہر علم کیساتھ باطنی علم بھی ہوتا تو کیا اچھا ہوتا اور وہ محض خلوص اور نیک نیتی سے خلوت میں حضرت مولانا کے پاس تشریف لائے اور یہی فرمایا کہ کاش آپ کو باطنی علوم بھی ہوتے۔ حضرت مولانا نے ازراہِ انکسار فرمایا جی ہاں میں ایسا ہی محروم ہوں۔ اگر آپ ہی مجھپر نظرِ شفقت فرمادیں تو میری نیک نصیبی ہے۔ اسپر وہ بزرگ متوجہ ہوکر مراقب ہوئے۔ ادھر حضرت مولانا بھی ضبط نسبت کے ساتھ مراقب ہو گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ بزرگ ہاتھ جوڑ کر اُٹھے کہ مولانا مجھے خبر نہ تھی کہ آپ میں یہ جوہر بھی علی الوجہ الاتم موجود ہے۔

حکایت (۲۵۸) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ مولانا عبدالعدل صاحب یا کسی اور نے مولانا سے عرض کیا کہ حضرت جب آپ سے کوئی کیسی بات کا سوال کرتا ہے تو آپ برجستہ فرمادیتے ہیں کہ اسکے تین جواب ہیں یا پانچ جواب ہیں تو کیا آپ نے پہلے سے سوالوں کے جوابات سوچکر انکی فہرست لگا رکھی ہے۔ یا آپ سوچکر آتے ہیں۔ فرمایا کہ نہیں بلا اختیار میری زبان سے یونہی نکل جاتا ہے اور اتنے ہی جوابات دیکر طبیعت رُک جاتی ہے۔

حکایت (۲۵۹) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ حضرت نانوتویؒ

رحمۃ اللہ علیہ باوجود جفاکشی اور مجاہد ہونے کے ساتھ ساتھ لطیف الطبع اور نازک دماغ تھے تقریر فرما رہے تھے کہ اتفاقاً ایک نہایت ہی بدہیئت شخص سامنے آکر بیٹھ گیا تو حضرت مولانا کی طبیعت[1] رُک گئی۔ بالآخر کسی انداز سے اُٹھے اور مجمع ایکدم تہ و بالا ہوا۔ اسی گڑبڑ میں وہ شخص ہی سامنے سے ٹل گیا۔ پھر آکر تقریر شروع فرمائی۔ اور اب طبیعت بے تکان تھی۔

حکایت (۲۶۰) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اکثر تقریر فرماتے ہوئے بیچ میں چند ایک منٹ سکوت فرماتے اور ایک دم رُک جاتے تھے۔ اسپر عرض کیا گیا کہ حضرت مسلسل تقریر فرماتے ہوئے آپ کیوں رُک جاتے ہیں۔ فرمایا کہ ایک ہی مضمون کے بیسیوں پیرائے اور عنوان ایک دم ذہن میں آتے ہیں تو طبیعت رُک جاتی ہے۔ اور میں اسپر غور کرنے لگتا ہوں کہ کس کو لوں اور کس کو چھوڑ دوں۔

حکایت (۲۶۱) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ دہلی کے جس کالج میں حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا نام داخل تھا، اسکے علومِ عربیہ کے مُمتحن مفتی صدر الدین صاحب ہوتے اور مولانا کا صدرا کا امتحان اُن کے پاس گیا۔ انہوں نے کوئی جگہ پڑھوائی۔ مولانا کے ذہن میں اُس کا مطلب نہ تھا۔ کیونکہ وہ جگہ کبھی دیکھی نہ تھی۔ تو اسپر تقریر کی اور خود جان رہے تھے کہ کتاب کا یہ مقصد نہیں ہے۔ مفتی صاحب نے اسپر اعتراض کیے تو مولانا نے مفتی صاحب کو اُن ہی کی تقریروں میں اُلجھا[2] لیا لیکن اسپر غور کرتے رہے کہ مطلب کیا ہے۔

---

[1] یہ لطافت امرِ فطری ہے۔ بعض اغبیار کا اسپر یا اس کے آثار پر اعتراض ذکیر فطرت پر اعتراض ہے۔ بہت سے بزرگوں کے واقعاتِ لطافت کے تواتر کو پہنچے ہوئے ہیں ۵ (اشرف علی)

[2] کا حاشیہ اگلے صفحہ ۲۲۷ پر دیکھیں ←

بالآخر ایک دم ذہن میں عبارت کا صحیح مطلب آگیا تو فرمایا کہ مفتی صاحب آپ پوچھنا کیا چاہتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ "یہ بات"۔ فرمایا کہ لاحول ولا قوۃ اس بات کا جواب تو یہ ہے۔ میں کچھ اور سمجھ رہا تھا۔ مفتی صاحب نے فرمایا کہ ہاں یہی تو پوچھتا تھا۔

حکایت (۲۶۲) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے خود سُنا۔ فرماتے تھے کہ ایکدفعہ میں نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی مسئلہ کے متعلق سوال کیا۔ اس وقت حضرت مولانا چھتے کی مسجد کے چھپر والے حجرہ میں تھے۔ اور کوئی خاص کیفیت طاری تھی۔ مولانا نے اس مسئلہ پر تقریر شروع کی۔ لیکن اس تقریر میں لفظ بھی غیر مانوس تھے یہ مستعمل الفاظ نہ تھے۔ اور معانی بھی غیر مانوس، جنکو میں قطعاً نہ سمجھ سکا۔ میں نے عرض کیا کہ کچھ نازل تقریر فرمایئے میں قطعاً نہیں سمجھا تو پھر دوبارہ تقریر فرمائی جو اس سے کچھ نازل تھی، جس کے لفظ مانوس تھے مگر معانی قطعاً بلند اور غیر مانوس جنکو میں نہ سمجھا۔ تیسری دفعہ میں نے پھر کہا کہ میں نہیں سمجھا۔ پھر اس سے اُتر کر اور تقریر نازل فرمائی جو قریب الفہم آگئی تھی۔ مگر میں پھر بھی نہ سمجھا اور میں نے عرض کیا کہ میں نہیں سمجھا۔ تو فرمایا کہ مولانا پھر کسی وقت پوچھیئے گا۔ چنانچہ مولانا محمد یعقوب صاحب اُٹھ کر چلے گئے۔

حکایت (۲۶۳) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ حضرت مولانا

حاشیہ صـ۲۳۶ :- اور اس میں چونکہ کوئی مضرت اور مفسدہ نہ تھا نہ اسکا منشا کبر تھا بلکہ اپنی کامیابی امتحان کی اور اپنے مدرسہ و اساتذہ کی نیکنامی کی سراسر مصلحت اور منفعت بھی تھی۔ اس لیے تلطف میں کوئی محذور نہ تھا۔ اور ذکاوت پر جو کہ کمالاتِ محمودہ سے ہے دلالت جس درجہ کی ہے واضح ہے۔ علاوہ اس کے اگر اسکا اخلاق فاضلہ کے خلاف ہونا بھی ثابت ہو جائے تب بھی نو عمر طالب علموں پر ایسے مواخذات نہیں ہو سکتے جو شیوخ پر ہوتے ہیں۔ (اشرف علی)

محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آبحیات (حضرت مولانا نانوتوی کی تصنیف) وغیرہ میں نے حضرت سے سبقاً سبقاً پڑھی ہے۔ آبحیات کے کچھ اوراق حضرت نے خود نکال دیئے تھے کہ انہیں کوئی نہیں سمجھے گا: وہ مولانا محمود حسن صاحب کے پاس عمِ محترم نے خود دیکھے۔ لیکن اب بھی آبحیات (رسالہ) کا پانا آبحیات (چشمۂ حیات) پانے سے کم مشکل نہیں ہے۔

حکایت (۴۲۶) مولوی حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ منشی حمید الدین صاحب سنبھلی فرماتے تھے کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ سے ملنے کیلئے ریاست رامپور تشریف لے گئے۔ ساتھ مولانا احمد حسن صاحب اور منشی حمید الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہما تھے۔ ریل نہ تھی، مراد آباد طرح چلے کہ خود حضرت پاپیادہ ہو لیے۔ منشی صاحب کی بندوق اپنے کندھے پر رکھ لی اور بجز منشی حمید الدین صاحب کو سواری پر بٹھا دیا۔ جس نے پوچھا کون ہیں فرما دیتے کہ منشی حمید الدین صاحب رئیس سنبھل ہیں۔ گویا اپنے کو ایک ملازم کی حیثیت سے ظاہر کیا تاکہ خفیہ پہنچیں۔ جب رامپور پہنچے تو وہاں وارد و صادر کا نام اور پورا پتہ وغیرہ داخلہ شہر کے وقت لکھا جاتا تھا۔ حضرت نے اپنا نام خورشید حسن (تاریخی نام) بتایا اور لکھا دیا اور ایک نہایت ہی غیر معروف سرائے میں مقیم ہوئے۔ اس میں بھی ایک کمرہ چھت پر لیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ تحذیر الناس کے خلاف اہلِ بدعات میں ایک شور برپا تھا۔ مولانا کی تکفیریں تک ہو رہی تھیں۔ حضرت کی غرض اس اخفاء

ف یہ دونوں واقعے احقر نے بھی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب سے تھوڑے تفاوت کے ساتھ سُنے ہیں اور دوسرے واقعے کی نسبت یہ بھی سُنا ہے کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے ان اوراق کے جدا کرنے کا مشورہ دیا تھا اور وجہ اسکی یہ بیان فرمائی تھی کہ ان میں ایک اعتراض کا جواب ہے۔ اوّل تو اس اعتراض کو کوئی نہ سمجھے گا۔ اور اگر سمجھ لیا تو پھر اس کا جواب سمجھ میں نہ آویگا اور شبہ ہی میں مبتلا رہیگا۔ (اشرف علی)

سے یہی تھی کہ میرے علانیہ پہنچنے سے اس بارہ میں جھگڑے اور بحثیں نہ کھڑی ہو جائیں۔ لیکن مراد آباد کے حضرات نے جب یہ سُنا کہ مولانا رامپور تشریف لیجا رہے ہیں اور خفیہ جا رہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ غضب ہو گیا۔ مولوی عبدالحق صاحب خیر آبادی اور وہاں کے تمام اہلِ معقول یہ اڑائیں گے کہ چھُپ کر نکل گئے، اسلئے اہلِ مراد آباد نے ایک شخص کو رامپور روانہ کر دیا اور اُس نے پہنچتے ہی حضرت کی تشریف آوری اور جائے قیام کی عام شہرت دیدی۔ تمام رامپور میں یہ خبر پھیل گئی۔ مولوی ارشاد حسین صاحب مشہور معقولی جو حضرت شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد یعنی مولانا کے اُستاد بھائی تھے، گو بعض مسائل میں مختلف تھے ملنے آتے اور ایسے ہی مولوی عبدالعلی صاحب منطقی بھی ملنے آئے۔ اور مولوی ارشاد حسین صاحب نے نے قیامگاہ کے زینے پر چڑھتے ہوئے اپنے تلامذہ اور دوسرے علماء سے کہا کہ اگر رامپور کی عزت رکھنا چاہتے ہو تو اس شخص کو مت چھیڑنا۔ بہرحال خبر پھیل چکی تھی۔ لوگ جوق در جوق ملنے کے لیے آنے لگے۔ اور جب شہرت ہو ہی گئی تو حضرت مولانا احباب سے ملنے کیلئے شہر تشریف لے گئے۔ ایک موقعہ پر جبکہ حضرت کسی سے ملنے کو تشریف لیجا رہے تھے، پیچھے مولانا احمد حسن صاحب تھے کہ مولوی عبدالحق صاحب کے چند شاگردوں نے مولانا احمد حسن صاحب کو تحذیر الناس کے بارہ میں چھیڑنا شروع کیا۔ مولوی احمد حسن صاحب حضرت مولانا کے لحاظ و ادب کیوجہ سے دب کر اور پست آواز میں کچھ جواب دیتے تھے۔ اس مکالمہ کا احساس حضرت کو ہوا تو اُن طلبہ سے فرمایا کہ بھائی یہ ظاہر ہے اگر یہ (مولوی احمد حسن) عاجز ہوئے تو میں انکی مدد کروں گا اور اگر تم عاجز ہوئے تو تمہارے اُستاد تمہاری مدد کریں گے۔ پھر یہ کیوں

نہ ہو کہ تم اپنے اُستاد کو لے آؤ۔ اور میری اُن سے گفتگو ہو جائے۔ بہرحال راستہ ختم ہوا۔ اہلِ شہر نے وعظ کی درخواست کی حضرت نے منظور فرمالی۔ شب کو مجلسِ وعظ کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ شہر کے اُمراء، رؤسار، عُلمار، عمائدِ شہر، طلبار غرضکہ ہر طبقہ کے لوگ بھر گئے تھے اور لوگوں کا ایک میلا سا لگ گیا۔ حضرت مولانا نے تقریر فرمائی۔ بس اُسدن شاید بچے اور عورتیں گھروں میں رہ گئی ہوں گی، ورنہ کُل شہر مجلسِ وعظ میں آگیا تھا۔ اور اس آیت کا وعظ فرمایا اذا وقعت الواقعة لیس لوقعتها کاذبه اور اس آیت کے تحت میں فلسفہ کے اُن تمام مسائل کا جن پر منطقیوں کو ناز تھا رد فرمادیا۔ اور اسی آیت سے جزء لایتجزیٰ کا اثبات، قیامت کا ثبوت، حدوثِ عالم وغیرہ امورِ مہمہ ثابت فرمائے اور ایک غیر معمولی جلال اور جوش کی شان سے بیان فرمایا۔ یہ جوش کی شان اسوقت سے پیدا ہوئی تھی جبکہ اُن طلبہ نے مولوی احمد حسن صاحب سے چھیڑ چھاڑ شروع کی تھی۔ مولانا مملوک علی صاحب نے اقلیدس کا ایک ترجمہ کیا تھا۔ جس پر مولوی عبدالحق صاحب خیرآبادی نے رکیک الفاظ میں اعتراض کیئے تھے اُن سب کا جواب بھی اس تقریر میں ارشاد فرمایا اور نہایت جوش میں فرمایا کہ یہ کیا بات ہے کہ لوگ گھر میں بیٹھ کر اعتراض کرتے ہیں۔ اگر کچھ حوصلہ ہے تو میدان میں آجائیں۔ مگر ہرگز یہ توقع لیکر نہ آئیں کہ وہ قاسم سے عہدہ برآ ہو سکیں گے۔ پھر فرمایا کہ میں کچھ نہیں ہوں مگر میں نے جن کی جوتیاں سیدھی کی ہیں وہ سب کچھ تھے۔ غرضکہ مسائل مناطقہ و فلاسفہ کا نہایت زبردست رد اس وعظ میں فرمایا۔ شہر کے تمام مشاہیر علماء سوائے مولوی عبدالحق صاحب خیرآبادی کے اس وعظ میں موجود تھے۔ مگر بولنے کی جرأت کسی کو نہ ہوئی۔

اس کے بعد نواب کلب علی خاں نے اپنے خاص سکریٹری اور وزیر عثمان کو حضرت کی خدمت میں بھیجا کہ حضرت کا میں مشتاق ہوں مجھ سے مل لیں حضرت نے اول تو اعذار شروع کئے کہ میں غریب دیہات کا رہنے والا آداب اُمراء سے غیر واقف۔ لیکن وزیر نے اپنی نہایت شستہ اور سجل تقریر میں عرض کیا کہ حضرت نواب صاحب تو خود حضرت کا ادب کریں گے۔ حضرت تمام آداب سے مستثنیٰ رہینگے۔ تب آخر میں مولانا نے ارشاد فرمایا کہ پھر نواب صاحب ہی تو میری ملاقات کے مشتاق ہیں میں تو ان کی زیارت کا مشتاق نہیں ہوں۔ اگر انکو اشتیاق ہے تو خود مجھ سے ملنے آئیں، اُنکے پیروں میں تو مہندی نہیں لگی ہے۔ بہر حال نہ جانا تھا، نہ گئے۔ اور اُمراء کے مقابلہ میں حضرت کا یہی طرزِ عمل رہا ہے، نواب محمود علی خاں صاحب رئیس چھتاری ساری عمر اسی تمنا میں رہے کہ کسی طرح مل لوں۔ مگر حضرت نے اتنا موقع ہی نہ دیا۔ اگر حضرت کے علیگڈھ آنے کی خبر سُن کر وہ علیگڈھ آئے تو مولانا جھٹ خورجہ تشریف لے گئے۔ جو خورجہ گئے تو حضرت میرٹھ آئے۔ اسی طرح بغیر نواب صاحب کی درخواست مانے ہوئے رامپور سے واپس تشریف لے آئے۔

حکایت (۲۶۵) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے حافظ انوار الحق صاحب دیوبندی کی روایت سے نقل فرمایا کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ چھتہ کی مسجد میں حجرہ کے سامنے چھپر میں حجامت بنوا رہے تھے کہ شیخ عبد الکریم رئیس لال کُرتی میرٹھ حضرت مولانا سے ملنے کے لیے دیوبند آئے۔ مولانا نے ان کو دور سے آتے ہوئے دیکھا۔ جب وہ قریب آئے تو ایک تغافل کے ساتھ رُخ دوسری طرف

پھیر لیا۔ گویا کہ دیکھا ہی نہیں ہے۔ وہ آکر ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ اُنکے ہاتھ میں رُومال میں بندھے ہوئے بہت سے روپے تھے۔ جب اُنہیں کھڑے ہوئے بہت عرصہ گذر گیا تو حضرت مولانا نے اُن کیطرف رُخ کر کے فرمایا کہ آہا شیخ صاحب ہیں۔ مزاج اچھا ہے۔ انہوں نے سلام عرض کیا اور قدم چوم لیے اور وہ روپیہ بندھا ہوا قدموں میں ڈال دیا۔ حضرت نے اُسے قدموں سے الگ کر دیا۔ تب انہوں نے ہاتھ باندھ کر بمنت قبول فرما لینے کی درخواست کی بالآخر بہت سے انکار کے بعد انہوں نے تمام روپیہ حضرت کی جوتیوں میں ڈال دیا۔ حضرت جب اُٹھے تو نہایت استغنار کے ساتھ جُوتے جھاڑے اور سب روپیہ زمین پر گر گیا۔ حضرت نے جُوتے پہن لیئے اور حافظ انوار الحق صاحب سے ہنس کر فرمایا کہ حافظ جی ہم بھی دنیا کماتے ہیں اور اہلِ دنیا بھی دنیا کماتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ ہم دنیا کو ٹھکراتے ہیں اور وہ قدموں میں پڑتی ہے اور دنیا دار اُس کے قدموں میں گرتے ہیں اور وہ انہیں ٹھکراتی[1] ہے۔ اور یہ فرما کر روپیہ وہیں تقسیم فرما دیا۔

حکایت (۲۶۶) حضرت والد مرحوم نے فرمایا کہ دیوان محمد یٰسین صاحب مرحوم دیوبندی نے فرمایا کہ قاضی پور میں جب حضرت نانوتوی تشریف لیگئے ہیں اور عشرۂ محرم تھا اور روافض نے حضرت مولانا کو اپنی مجلس میں آنے کی دعوت دی۔ حضرت نے فرمایا کہ منظور ہے مگر اس شرط سے کہ جب آپ لوگ

---

[1] امرار کے ساتھ معاملہ کی ایک شان یہ ہے۔ ایک دوسری شان بھی ہے جو بعض اوقات بزرگوں سے ظاہر ہوتی ہے کہ دلجوئی کیلئے اُن سے لے لیتے ہیں اور اُن پر لطف فرماتے ہیں۔ جو مصلحت جس وقت غالب ہو اس وقت اسی پر عمل کرنا محمود ہوتا ہے کسی پر ملامت نہیں اور دوسرے واقعہ میں تو دونوں شانیں جمع فرما دیں۔ (اشرف علی)

مجلس میں کہہ سُن چکیں گے تو ہم بھی کچھ کہیں گے۔ وہ اس پر آمادہ نہیں ہوئے اور وہیں کچھ مذہبی گفتگو کرتے ہوئے ان سب روافض نے کہا کہ اگر آپ بیداری میں ہمکو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرا دیں اور حضور اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرما دیں کہ آپ سچ کہہ رہے ہیں تو ہم اہلسنت والجماعت میں داخل ہو جائینگے۔ فرمایا کہ تم اس پر پختہ رہو تو میں بیداری میں زیارت کرانے کیلئے تیار ہوں۔ مگر یہ روافض کچھ کچے ہو گئے۔

حکایت (۲۶۷) حضرت والد مرحوم نے فرمایا کہ ایکمرتبہ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے چھتہ کی مسجد میں فرمایا جبکہ لوگوں کا کچھ مجمع تھا، کہ بھائی آج ہم تو صبح کی نماز میں مَر جاتے بس کچھ ہی کسر رہگئی۔ عرض کیا گیا کیا حادثہ پیش آیا۔ فرمایا کہ آج صبح کی نماز میں سورۂ مزمل پڑھ رہا تھا کہ اچانک علوم کا اتنا عظیم الشان دریا میرے قلب کے اوپر گذرا کہ میں تحمل نہ کر سکا اور قریب تھا کہ میری روح پرواز کر جائے مگر وہ دریا جیسا کہ ایک دم آیا ویسا ہی نکلا چلا گیا اسلیے میں بچ گیا۔ نماز کے بعد جب میں نے غور کیا کہ یہ کیا معاملہ تھا تو منکشف ہوا کہ حضرت مولانا نانوتوی ان ساعتوں میں میری طرف میرٹھ میں متوجہ ہوئے تھے۔ یہ انکی توجہ کا اثر تھا۔ پھر فرمایا کہ اللہ اکبر جس شخص کی توجہ کا یہ اثر ہے کہ علوم کے دریا دوسرونکے قلوب پر موجیں مارنے لگیں اور تحمل دشوار ہو جائے تو خود اس شخص کے قلب کی وسعت و قوت کا کیا حال ہوگا جسمیں خود وہ علوم ہی سمائے ہوئے ہیں اور وہ کسطرح ان علوم کا تحمل کیے ہوئے ہوگا۔

حکایت (۲۶۸) حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت نانوتوی

ف یا تو اس تصرف پر قدرت معلوم ہو گی یا لو اقسم علی اللہ لابرہ پر اعتماد ہو گا و بحمد اللہ ههنا انتهت الحواشي المقلب بتقايات الصيب المزيلة الغواشي المتعلقة بروايات الطيب ۰ (اشرف علی)

رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مشاہیر اُمت میں تین قسم کے افراد گذرے ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ حقائق شرعیہ میں ان کا ذہن طول و عرض میں چلتا ہے۔ جیسے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کہ ہر مسئلے میں پھیلتے زیادہ ہیں اور ترتیب و تفصیل و تہذیب مواد میں زیادہ مستعد ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ جنکا ذہن علو کی طرف زیادہ چلتا ہے۔ جیسے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کہ حقائق میں اسقدر بلند پرواز ہیں کہ اصحابِ ذوق کو بھی ان کے مدرک تک پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور بعض ایسے ہیں کہ جن کا ذہن عمق کیطرف زیادہ دوڑتا ہے۔ جیسے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہ ہر مسئلہ کی تہ اور اصلیت کا سراغ لگا لیتے ہیں اور ایسی اصل قائم فرما دیتے ہیں کہ سینکڑوں تفریعات اس سے ممکن ہو جاتی ہیں۔ (منقول از روایات الطیب)

حکایت (۲۶۹) فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ جب کچھ تصنیف فرماتے تو ایک جزو لکھ کر نقل کیلئے دیتے تھے۔ اور آپ کے مضمون کے ناقل دو ہوتے تھے۔ ایک تبلاتا اور دوسرا لکھتا۔ وہ جزو نقل ہونے نہ پاتا تھا کہ حضرت دوسرا جزو تصنیف فرما دیتے تھے۔

حکایت (۲۷۰) فرمایا کہ امیر شاہ خاں صاحب کہتے تھے کہ بزرگوں کی شانیں مختلف ہوتی ہیں۔ بعضوں کے خدام تو اپنے شیخ کے عاشق ہوتے ہیں اور بعضوں کے نہیں ہوتے۔ چنانچہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے خدام آپکے عاشق تھے ؎

بگوشِ گل چہ سخن گفتہ کہ خنداں است ✤ بعندلیب چہ فرمودہ کہ نالاں است

حکایت (۲۷۱) فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا محمد قاسم صاحب کے پاس آپکے خادم مولوی فاضل حاضر تھے۔ مولانا نے ان کو مٹھائی تقسیم کرنے کیواسطے فرمایا کیونکہ

مولانا کا کوئی جلسہ مٹھائی سے خالی نہ ہوتا تھا۔ اگر کہیں سے آئی ہوئی موجود نہ ہوئی تو خود منگوا کر تقسیم فرماتے) انہوں نے تقسیم کر دی۔ آخر میں اتفاق سے اسمیں تھوڑی سی مٹھائی بچ گئی۔ تو آپ نے فرمایا الفاضل للقاسم (یعنی بچی ہوئی مٹھائی قاسم کی ہے یا بچی ہوئی تقسیم کنندہ کی) انہوں نے جواب دیا، الفاضل للفاضل والقاسم محروم (یعنی فاضل مٹھائی تو مسمیٰ فاضل کی ہے اور قاسم محروم ہیں یا یہ کہ بچی ہوئی صاحبِ فضیلت یعنی آپ کی ہے اور تقسیم کنندہ محروم ہے) اہلِ علم کے لطیفے بھی علمی ہوتے ہیں۔

حکایت (۲۷۲) فرمایا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ جہاز میں روز ایک پارہ حفظ کر کے شام کو تراویح میں سُنا دیا کرتے تھے اور آہستہ آہستہ یاد فرماتے تھے۔ کسی کو پتہ بھی نہ چلا۔ یہ حضرت مولانا کی کرامت ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے رمضان شریف میں آدھا قرآن شریف حفظ کرایا تھا۔ تبسم سے فرمایا کہ چونکہ وہ مولانا سے آدھے تھے اس لیے کرامت بھی آدھی ہو گئی۔

حکایت (۲۷۳) فرمایا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب فرماتے تھے کہ تین کتابیں البیلی ہیں۔ ایک کلام اللہ۔ ایک بخاری شریف۔ ایک مثنوی شریف۔ کہ ان کا کسی سے احاطہ نہیں ہو سکا۔ بخاری شریف کے تراجم کی دلالت کہیں خفی کہیں جلی، سچ یہ ہے کہ اس کا کسی سے احاطہ نہیں ہوا۔ ایسے ہی قرآن شریف کا اور مثنوی شریف کا بھی۔

حکایت (۲۷۴) فرمایا کہ ایک مرتبہ نبو پہلوان نے جو دیوبند کا رہنے والا تھا باہر کے کسی پہلوان کو پچھاڑ دیا۔ تو مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بڑی

خوشی ہوئی اور فرمایا کہ ہم بھی نبو کو اور اس کے کرتب کو دیکھیں گے۔ حافظ انوار الحق کی بیٹھک میں اُسے بلایا اور سب کرتب بھی دیکھے۔ مولانا بچوں سے ہنستے بولتے بھی تھے۔ اور جلال الدین صاحبزادہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے جو اُس وقت بالکل بچے تھے، بڑی ہنسی کیا کرتے تھے۔ کبھی ٹوپی اُتارتے، کبھی کمر بند کھول دیتے تھے۔

حکایت (۲۷۵) فرمایا سیوہارہ میں ایک جماعت میں جن میں مسئلۂ مولد میں نزاع ہو رہا تھا، مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہ اُس وقت وہاں تشریف رکھتے تھے مولود کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا کہ بھائی نہ تو اتنا برا ہے جتنا لوگ سمجھتے ہیں اور نہ اتنا اچھا ہے جتنا لوگ سمجھتے ہیں۔ یہ حکایت مولوی محمد یحییٰ سیوہاروی سے سُنی ہے۔

حکایت (۲۷۶) فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ ریاست رامپور تشریف لے گئے۔ نواب کلب علیخاں مرحوم نے مولانا کو اپنے پاس بُلانا چاہا تو مولانا نے یہ حیلہ کیا کہ ہم دیہاتی لوگ ہیں، آدابِ شاہی سے واقف نہیں۔ اسپر نواب صاحب کا جواب آیا کہ آپ کو آداب سب معاف ہیں۔ آپ ضرور کرم فرمائیں، ہم لوگوں کو سخت اشتیاق ہے۔ اسپر مولانا نے جواب دیا کہ تعجب کی بات ہے، اشتیاق تو آپ کو ہو اور ملنے میں آؤں۔ غرضکہ تشریف نہیں لے گئے۔

(منقول از اشرف التنبیہ)

حکایت (۲۷۷) احقر جامع نے ثقہ سے سُنا ہے کہ ایک مرتبہ مولانا نانوتویؒ کے یہاں ایک بدعتی درویش مگر صاحبِ حال مہمان ہوئے تو آپ نے اسکا بڑا اکرام کیا۔ اس کی خبر ایک شخص نے مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے کی۔ تو مولانا نے فرمایا

کہ بُرا کیا۔ اُس شخص نے یہ مقولہ مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے جاکر کہا تو مولانا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کفار مہمانوں کا اکرام کیا ہے۔ اس شخص نے اس جواب کو پھر مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے آکر نقل کیا تو مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ کافر کے اکرام میں مفسدہ نہیں ہے بدعتی کے اکرام میں مفسدہ ہے۔ اُس نے پھر اس جواب کو مولانا نانوتوی سے جاکر کہا۔ تو مولانا نانوتوی نے اس کو ڈانٹ دیا کہ یہ کیا واہیات ہے، اِدھر کی اُدھر، اُدھر کی اِدھر لگاتے پھرتے ہو جاؤ بیٹھو اپنا کام کرو۔

حکایت (۲۷۸) مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے بچپن میں ایک خواب دیکھا تھا کہ میں مر گیا ہوں اور لوگ مجھے دفن کر آئے ہیں۔ تب قبر میں حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور کچھ نگین سامنے رکھے۔ اور یہ کہا کہ یہ تمہارے اعمال ہیں اس میں ایک نگین بہت خوشنما اور کلاں ہے۔ اسکو فرمایا کہ یہ عمل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔ ایسے ہی مولانا نے ایک خواب ایامِ طالب علمی میں دیکھا تھا کہ میں خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوں اور مجھ میں سے نکل کر ہزاروں نہریں جاری ہو رہی ہیں۔ اس خواب کی مولانا مملوک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تعبیر دی تھی کہ تم سے علمِ دین کا فیض بکثرت جاری ہوگا۔ (از تحریرات بعض ثقات)

حکایت (۲۷۹) ایک مرتبہ مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد نے حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ سے شکایت کی کہ بھائی میرے تو یہی ایک بیٹا تھا اور مجھے کیا کچھ اُمیدیں تھیں، کچھ کماتا تو افلاس دور ہو جاتا۔ تم نے اُسے خدا جانے کیا کر دیا۔ نہ کچھ کماتا ہے نہ نوکری کرتا ہے۔ حضرت حاجی صاحبؒ اُس

وقت تو ہنسکر چُپ ہو رہے۔ پھر کہلا بھیجا کہ یہ شخص ایسا ہونے والا ہے کہ بڑے بڑے اسکی خادمی کرینگے۔ اور ایسی شہرت ہوگی کہ اسکا نام ہر طرف پکارا جائیگا۔ اور تم تنگی کی شکایت کرتے ہو خدا تعالیٰ بے نوکری ہی اتنا دے گا کہ ان سو سو پچاس پچاس روپیہ کے نوکروں سے اچھا رہیگا۔ (از تحریراتِ بعض ثقات)

حکایت (۲۸۰) ایک مرتبہ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایام روپوشی میں دیوبند تھے۔ زنانہ مکان کے کوٹھے پر مردوں میں سے کوئی تھا نہیں۔ زینہ میں آکر فرمایا پردہ کرلو میں جاتا ہوں۔ عورتوں سے رُک نہ سکے باہر چلے گئے۔ بعضے مرد بازار میں تھے ان کو اطلاع کی وہ اتنے میں مکان پہنچے تو دو ڑ سرکاری آدمیوں کی پہنچ گئی۔ (از تحریراتِ بعض ثقات)

حکایت (۲۸۱) مولانا محمد یعقوبؒ فرماتے ہیں کہ میں اپنے مکانِ مملوک میں جو چیلوں کے کوچہ میں تھا جا رہا تھا۔ مولوی صاحب (یعنی مولانا محمد قاسم صاحبؒ) بھی میرے پاس آرہے تھے۔ کوٹھے پر ایک چھپلنگا پڑا ہوا تھا۔ اسپر پڑے رہتے تھے۔ روٹی کبھی پکوا لیتے تھے اور کبھی کئی وقت تلک اُسے ہی کھا لیتے تھے۔ میرے پاس آدمی روٹی پکانے والا نوکر تھا اس کو یہ کہہ رکھا تھا کہ جب مولوی صاحب کھانا کھاویں، سالن دیدیا کرو۔ مگر بدقت کبھی اُسکے اصرار پر لے لیتے تھے۔ ورنہ وہی روکھا سوکھا ٹکڑا چباکر پڑ رہتے تھے۔ (از تحریراتِ بعض ثقات)

حکایت (۲۸۲) مولانا محمد قاسم صاحبؒ فرماتے تھے کہ اس علم نے خراب کیا۔ ورنہ اپنی وضع کو ایسا خاک میں ملاتا کہ کوئی بھی نہ جانتا (اسکے بعد مولانا محمد یعقوبؒ تحریر فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں اس شہرت پر بھی کسی نے کیا جانا۔ جو کمالات تھے وہ کسقدر

تھے، کیا ان میں سے ظاہر ہوئے آخر سب کو خاک ہی میں ملا دیا۔ اپنا کہنا کر دکھایا۔
(انتہی بقولِ مولانا محمد یعقوب رح)

حکایت (۲۸۳) مولوی محمد قاسم صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب میں گنگوہ حاضر ہوا۔ تو حضرت کی سہ دری میں ایک کورا بدھنا رکھا ہوا تھا۔ میں نے اسکو اُٹھا کر کنوئیں سے پانی کھینچا اور اس میں بھر کر پیا۔ تو پانی کڑوا پایا۔ ظہر کی نماز کے وقت حضرت سے ملا اور یہ قصہ بھی بیان کیا آپنے فرمایا کہ کنوئیں کا پانی تو کڑوا نہیں ہے میٹھا ہے۔ میں نے وہ کورا بدھنا پیش کیا۔ حضرت نے بھی چکھا تو بدستور تلخ تھا۔ آپنے فرمایا۔ اچھا اسکو رکھدو۔ نماز ظہر کے بعد حضرت نے سب نمازیوں سے فرمایا کہ کلمۂ طیبہ جسقدر جس سے ہو سکے پڑھو اور حضرت نے بھی پڑھنا شروع کیا۔ بعد میں حضرت نے دُعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور نہایت ہی خشوع و خضوع کے ساتھ دُعا مانگ کر ہاتھ منہ پر پھیر لیے۔ اسکے بعد بدھنا اٹھا کر پانی پیا تو شیریں تھا۔ اُسوقت مسجد میں بھی جتنے نمازی تھے سب نے چکھا تو کسی قسم کی تلخی نہ تھی۔ بعد میں حضرت نے فرمایا کہ اس بدھنے کی مٹی اس قبر کی ہے جس پر عذاب ہو رہا تھا۔ الحمدللہ کلمہ کی برکت سے عذاب رفع ہو گیا۔ (از تحریراتِ بعض ثقات)

حکایت (۲۸۴) ایک مرتبہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حاضرینِ مجلس سے فرمایا کہ مولانا محمد قاسم رح کو گلاب سے زیادہ محبت تھی۔ جانتے بھی ہو کیوں تھی؟ ایک صاحب نے عرض کیا کہ ایک حدیث ضعیف میں آیا ہے کہ گلاب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عرقِ مبارک سے بنا ہوا ہے۔ فرمایا کہ ہاں اگرچہ حدیث ضعیف ہے مگر ہے تو حدیث۔ (از تحریراتِ بعض ثقات)

حکایت (۲۸۵) مولوی محمد نظر خاں نے ایک پرچہ مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو بغرض بعیت لکھ کر دیا۔ مولانا نے اسکو پڑھ کر جیب میں رکھ لیا۔ اتفاق سے مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نانوتہ تشریف لائے۔ مولوی محمد نظر خاں خبر پاکر نانوتہ آئے اور وہی مضمون لکھ کر مولانا گنگوہی کو پیش کیا اور اس میں یہ بھی لکھا کہ اس مضمون کو میں نے مولانا نانوتویؒ کو بھی لکھا۔ مگر کچھ جواب نہ دیا۔ جسوقت یہ تحریر دی ہے تو مولانا اسوقت ظہر کا وضو کر رہے تھے۔ پاس ہی مولانا نانوتوی بھی وضو بنانے آ بیٹھے اتفاق سے مولوی محمد نظر خاں سامنے ہی کھڑے تھے۔ مولانا گنگوہیؒ نے مولانا نانوتوی کی طرف تبسم فرما کر مولوی محمد نظر خاں سے فرمایا کہ (ایسے گونگے پیر کو خط کیوں دیا تھا جنہوں نے جواب بھی نہ دیا) مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہنسے اور فرمایا کہ (لواب بولتے پیر کے پاس آگیا۔ اب جواب مل جائیگا۔) از تحریراتِ بعض ثقات (منقول از اشرف التنبیہ)

اضافہ از مولوی جلیل احمد صاحب علیگڈھی در اشرف التنبیہ

حکایت (۲۸۷) مولوی صدیق صاحبؒ انبہٹوی کے صاحبزادے مولوی فاروق صاحب زاد مجدہم حضرت سے بیان فرمارہے تھے کہ مولوی احمد حسن صاحب امروہوی (جو مولوی فاروق صاحب کے اُستاد تھے) مجھ سے فرماتے تھے کہ حضرت مولانا قاسم صاحبؒ جس طالب علم کے اندر تکبر دیکھتے تھے اس سے کبھی کبھی جوتے اُٹھوایا کرتے تھے اور جسکے اندر تواضع دیکھتے تھے اسکے جوتے خود اُٹھالیا کرتے تھے۔

حکایت (۲۸۸) مولوی فاروق صاحب موصوف الصدر فرماتے تھے۔ کہ مولوی احمد حسن صاحب امروہوی نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ جب مولانا محمد قاسم صاحبؒ

نے سنا کہ مولوی عبدالحق صاحب خیرآبادی میرے اساتذہ تک کی شان میں کچھ کلمات فرماتے ہیں تو خود رامپور مولوی عبدالحق صاحب سے گفتگو کرنے تشریف لے گئے تو مولوی عبدالحق صاحب نے گفتگو کا موقعہ نہیں دیا۔ مگر انکے بعض طالب علم مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کچھ گفتگو کرنا چاہی۔ تو مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے فرمایا کہ بھائی تم میری بات کو سمجھو گے نہیں اور مولوی عبدالحق صاحب (میری بات) سمجھ تو لیں گے۔ جب مولوی عبدالحق صاحب نے سنا تو ان طلبار کو ڈانٹا کہ تم کیا جانو مولانا محمد قاسم صاحبؒ کیا چیز ہیں۔ میں جانتا ہوں۔

حکایت (۲۸۹) پھر مولانا احمد حسن صاحبؒ نے فرمایا کہ مولانا قاسم صاحبؒ کی ایک جولاہے نے دعوت کی۔ اتفاق سے اس روز بارش ہوگئی اور وہ جولاہا وقت پر بلانے نہ آیا تو مولانا محمد قاسم صاحبؒ خود اُس جولاہے کے یہاں تشریف لیگئے۔ اُس نے عرض کیا کہ حضرت چونکہ آج بارش ہوگئی تھی اسلئے میں دعوت کا انتظام نہ کر سکا۔ مولانا نے فرمایا کہ انتظام کیا ہوتا، تمہارے یہاں کچھ پکا بھی ہے۔ اُسنے کہا جی ہاں وہ تو موجود ہے۔ فرمایا کہ بس وہ ہی کھا لینگے۔ چنانچہ جو کچھ معمولی کھانا ساگ وغیرہ اس کے یہاں تیار تھا وہ بخوشی مولانا تناول فرما کر تشریف لے آئے اور فرمایا کہ بس جی تمہاری دعوت ہوگئی۔

حکایت (۲۹۰) مولوی فاروق صاحب نے فرمایا کہ مولانا احمد حسن صاحب نے ارشاد فرمایا کہ جب میں اوّل اوّل مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا (مولانا احمد حسن صاحب نہایت خوش لباس خوش پوشاک تھے عالی خاندان تھے سید تھے) تو مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی خدمت ایک جولاہا آیا اور دعوت کیلئے

عرض کیا۔ مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے منظور فرمالیا۔ یہ امر مجھ کو بہت ناگوار ہوا۔ اتنا کہ جیسے کسی نے گولی ماردی، کہ بھلا جولاہے کی دعوت بھی منظور کرلی۔ مولانا قاسم صاحبؒ نے یہ بات محسوس کرلی۔ پھر جو کوئی دعوت کیلئے آتا تو پہلے یہ شرط کرتے کہ اسکی (یعنی مولانا احمد حسن صاحب کی) بھی دعوت کرو تو منظور ہے۔ یہاں تک کہ جب بالکل میرے قلب کے اندر سے ناگواری نکل گئی تو مولانا نے میری دعوت کی شرط کو ترک کردیا۔

حکایت (۲۹۱) نیز مولانا امروہی نے فرمایا چونکہ میں بہت خوش لباس تھا تو مولانا کے یہاں ایک بار ایک شخص گاڑھے کا تھان لایا جو نہایت عمدہ تھا۔ مولانا نے قبول فرمالیا اور درزی کو بلایا اور ارشاد فرمایا کہ اس میں سے ایک انگرکھا ہمارے لیے سی دو اور ایک (میری طرف اشارہ کرکے) ان کیلئے سی دو۔ اسکے بعد جب وہ تیار ہوکر آیا تو میں نے اسکو صندوق میں رکھ لیا۔ اب مولانا روز دریافت فرماتے کہ بھائی تم نے اسکو پہنا نہیں۔ آخر کار جب میں سمجھ گیا کہ مولانا نہیں مانیں گے تو مجبوراً میں نے اسکو پہنا۔

حکایت (۲۹۲) مولانا احمد حسن صاحب امروہوی فرماتے تھے کہ جب مباحثہ شاہجہانپور کا طے ہوا تو مولانا محمد قاسم صاحب بغیر کسی کے اطلاع کیے ہوئے تنہا بہ نفسِ نفیس شاہجہانپور تشریف لے گئے۔ جب مولانا محمود الحسن صاحب نے سُنا تو وہ بھی مولانا کے بعد تشریف لیگئے۔ اُسکے بعد میں گیا تو شاہجہانپور میں میری مولانا محمود الحسن صاحب سے ملاقات ہوئی۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا مولانا مل گئے۔ مولانا محمود الحسن صاحب نے فرمایا کہ نہیں مجھ کو تو ابھی نہیں ملے۔

تو میں نے کہا کہ اچھا چلو سرائے میں چلکر تلاش کریں۔ چنانچہ سرائے کے اندر جو ایک شخص آنیوالے کا نام لکھا کرتا ہے اُس سے جاکر میں نے دریافت کیا کہ یہاں کوئی شخص خورشید حسن[1] بھی آئے۔ اُس نے کہا کہ ہاں آئے ہیں۔ چنانچہ ہم نے جو تلاش کیا تو ایک کوٹھڑی کے اندر مولانا تشریف رکھتے تھے۔ جب صبح ہوئی تو مولانا میدانِ مناظرہ میں تشریف لے چلے۔ راستہ میں ایک دریا پڑتا تھا اور مولانا پیدل تھے۔ تو مولانا پاجامہ پہنے ہوئے دریا میں اُتر پڑے جس سے پاجامہ بھیگ گیا۔ خیر مولانا نے پار اُتر کر لنگی باندھی۔ اور پاجامہ اُتار کر نچوڑ کر پیچھے لاٹھی پر جیسے گاؤں کے رہنے والے ڈال لیا کرتے ہیں ڈال لیا اور تشریف لے چلے۔ خیر جب مولانا کی تقریر ہوئی تو لوگوں کو مولانا کی اطلاع ہوئی تو لوگ رتھ میں بٹھا کر بڑے اعزاز کے ساتھ مولانا کو واپس لائے۔ اور جو پادری کہ وہاں پر مسلمانوں کے مقابلہ کیلئے آیا ہوا تھا اس نے کہا کہ اگر ایمان تقریر پر لانا ہو تو میں مولانا محمد قاسم صاحب کی تقریر پر ایمان لے آتا۔ جب مولانا وہاں سے واپس تشریف لائے تو اسوقت چونکہ شہر کے لوگوں کو اطلاع ہو چکی تھی اسلیے بہت لوگ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت ہم لوگ دفتروں میں نوکر ہیں اس مجبوری سے ہم جناب کی تقریر کے سُننے سے محروم رہے۔ اسلیے ہم درخواست کرتے ہیں کہ ہم کو بھی اس سے مشرف فرما دیجے۔ تو مولانا محمد قاسم صاحب نے مجھ سے (یعنی مولانا احمد حسن امروہی سے) فرمایا کہ مولوی احمد حسن تم سُنا دو۔ اب میں بہت حیران تھا اسلیے کہ میں نے ٹھیک طور پر مولانا کی تقریر سُنی بھی نہ تھی۔ مگر مولانا کا حکم اسلیے میں نے بیان کرنے کا ارادہ کیا اور میں نے کہا کہ صاحبو! مولانا کی مثال دریا کی سی ہے اور میری مثال کوزہ کی سی۔ جو بات سُلجھی ہوئی کہوں اسکو مولانا کا مضمون سمجھا

---

[1] یہ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تاریخی اور غیر مشہور اسم مبارک تھا۔ ۱۲ منہ

جائے اور جو اُلجھی ہوئی ہو اُسکو میری طرف سمجھا جائے۔ اسکے بعد میں نے تقریر بیان کی۔ مگر پھر مجھ کو تقریر کے دوران میں کچھ خبر نہ رہی کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ مگر تقریر کے بعد لوگوں نے بیان کیا کہ من وعن وہی تقریر تھی جو مولانا محمد قاسم صاحب نے فرمائی تھی۔

حکایت (۲۹۳) مولوی فاروق صاحب نے فرمایا کہ مولانا احمد حسن صاحب امروہوی نے فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں دو نوابزادے ریاست حیدرآباد کے آئے ہوئے تھے۔ تو مولانا قاسم صاحبؒ کبھی کبھی اُن سے اپنے پیر دبوایا کرتے تھے۔ ایکبار فرمایا کہ مجھ کو تو اس کی ضرورت نہیں کہ اُن سے پیر دبواؤں مگر علم اسی طرح آتا ہے۔ (منقول از روایات الطیب)

قطبِ ربّانی مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ کی حکایات

حکایت (۲۹۴) خانصاحب نے فرمایا کہ مجھ سے حافظ عطاء اللہ صاحب مرحوم کرانوی بیان فرماتے تھے کہ ایکمرتبہ میں حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے یہاں حاضر تھا اور جناب مولوی **اشرف علی صاحب** بھی اس زمانہ میں گنگوہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ مولانا کا ایک مقام پر وعظ ہو رہا تھا۔ مگر مجھے اسکا علم نہ ہوا تھا۔ اس لیے میں اسمیں شریک نہ ہوا تھا۔ اور حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کی خدمت میں بیٹھا رہا اور آپ (یعنی خانصاحب) بھی حضرت کی خدمت میں موجود تھے۔ اسپر حضرت قدس سرہٗ نے حاضرین سے غصہ ہو کر فرمایا کہ یہاں کیوں بیٹھے ہو۔ ایک عالم ربانی وعظ کہہ رہا ہے اسکے وعظ میں جاؤ میرے پاس کیا رکھا ہے۔

حکایت (۲۹۵) خانصاحب قبلہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں حضرت گنگوہی

لہ اداے حق محبت عنایتے است ز دوست ؛ وگرنہ عاشق مسکین ہیچ خورسند است۔

قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر تھا اور جناب مولانا اشرف علی صاحب بھی گنگوہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ صبح کی نماز کے بعد مولوی اشرف علی صاحب حضرت گنگوہی قدس سرہٗ سے کچھ پوچھتے ہوئے حضرت کیساتھ حجرہ تک تشریف لیگئے۔ اور سہ دری پر پہنچکر دونوں حضرات کھڑے ہوگئے اور کچھ دیر تک کھڑے کھڑے گفتگو ہوتی رہی۔ مولوی اشرف علی صاحب اس روز رخصت ہونیوالے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مولانا سے اور حضرت گنگوہی قدس سرہٗ سے مولود وغیرہ کے باب میں مکاتبت ہوئی تھی اور مجھے حضرت مولانا سے اُن کے مسلکِ سابق کیوجہ سے عقیدت نہ تھی۔ جبکہ میں نے حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کا حضرت مولانا کیساتھ اس خصوصیت کا برتاؤ دیکھا تو میں نے حضرت قدس سرہٗ سے دریافت کیا کہ کیا مولوی اشرف علیصاحب اچھے ہوگئے تو آپنے فرمایا کہ ہاں اچھے ہوگئے۔ میں نے پھر پوچھا کہ کیا بالکل اچھے ہوگئے۔ آپنے تیز لہجہ میں فرمایا کہ بالکل اچھے ہوگئے۔

حکایت (۲۹۶) خانصاحب قبلہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ دیوبند سے واپسی میں سہارنپور سے رامپور تشریف لیجارہے تھے (اور غالباً یہ وہ واقعہ تھا جس کے بعد حضرت پھر دیوبند نہیں تشریف لیجا سکے) اگلی گاڑی میں حضرت مولانا اور حکیم ضیاء الدین صاحب تھے اور پچھلی گاڑی میں میں اور مولوی مسعود احمد صاحب۔ حضرت نے گاڑی کے پیچھے کا پردہ اُٹھا کر مجھ سے باتیں کرنی چاہیں۔ مگر چونکہ گاڑیوں میں بیٹھے ہوئے بات چیت مشکل تھی اسلیے میں اپنی گاڑی سے

ف: یہ مکاتبت وغیرہ تذکرۃ الرشید میں شائع ہوئی ہے، اور میں نے اب اسکا نام ضیاء الافہام من علوم بعض الاعلام رکھدیا ہے تاکہ اگر کوئی استقلالاً شائع کرے تو اس عنوان سے پتہ دینے میں سہولت ہو۔ ملخص اس مکاتبت کا یہ ہے کہ احقر خاص اعمال کی ذات پر نظر کرکے بقیدِ خلو عن المنکرات مباح کہتا تھا اور حضرت انکے مفاسد کی بناء پر (جو عادۃً انکا لازم ہوگئے ہیں) باوجود خلو عن المنکرات کے بوجہ افضاء الی المفاسد کے منع فرماتے تھے اور اصولِ فقہیہ سے انہی کی ترجیح ثابت ہے۔ پس میں نے اپنے دعویٰ سے رجوع کرلیا۔ رسالہ یادیاراں میں اس کی تقریر قدرے مفصل ہے ۱۲ (اشرف علی)

اُتر کر اور حضرت کی گاڑی کا ڈنڈا پکڑ کر ساتھ ساتھ ہولیا۔ حضرت نے فرمایا میاں امیر شاہ خاں ابتدا سے اور اسوقت تک جسقدر ضرر دین کو صوفیہ[1] سے پہنچا ہے اتنا کسی اور فرقہ سے نہیں پہنچا۔ ان سے روایت کے ذریعہ بھی دین کو ضرر ہوا اور عقاید کے لحاظ سے بھی اور اعمال کے لحاظ سے بھی اور خیالات کے لحاظ سے بھی۔ اسکے بعد اسکی قدرے تفصیل فرمائی اور فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت روحانی کی یہ حالت تھی کہ بڑے سے بڑے کافر کو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کہتے ہی مرتبہ احسان حاصل ہوجاتا تھا۔ جس کی ایک نظیر یہ ہے کہ صحابہؓ نے عرض[2] کیا کہ ہم پاخانہ پیشاب وغیرہ کیسے کریں اور حق تعالیٰ کے سامنے ننگے کیونکر ہوں۔ یہ انتہا ہے اور ان کو مجاہدات و ریاضات کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ اور یہ قوت بفیضِ نبوی صحابہ میں تھی مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کم۔ اور تابعین میں بھی تھی مگر صحابہ سے کم۔ لیکن تبع تابعین میں یہ قوت بہت ہی کم ہوگئی۔ اور اس کمی کی تلافی کے لیے بزرگوں نے مجاہدات اور ریاضات ایجاد کیے۔ ایک زمانہ تک تو محض وسائلِ غیر مقصودہ کے درجہ میں رہے۔ مگر جوں جوں خیر القرون کو بُعد ہوتا گیا انہیں مقصودیت کی شان پیدا ہوتی رہی اور وقتاً فوقتاً ان میں اضافہ بھی ہوتا رہا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دین میں بہت بدعات علمی و عملی و اعتقادی داخل ہوگئیں۔ محققین صوفیہ نے ان خرابیوں کی اصلاحیں بھی کیں مگر اس کا نتیجہ صرف اتنا ہوا کہ ان بدعات میں کچھ کمی ہوگئی، لیکن بالکل ازالہ نہ ہوا۔ حضرت نے مصلحین میں

---

[1] مراد وہ لوگ ہیں جو صرف صوفی ہیں اور علوم دینیہ سے تحقیقاً یا تقلیداً اور اتباعِ محققین سے عاری ہیں۔ ورنہ صوفیہ جامعین سے تو بیحد نفع دین کو پہنچا ہے۔ چنانچہ قریب ہی آئندہ سطور میں ان کی شانِ اصلاح اسی حکایت میں مذکور ہے۔

[2] روی البخاری فی کتاب التفسیر عن ابن عباس قال اناس کانوا یستحیون ان یتخلوا فیفضوا الی السماء وان یجامعوا نساءهم فیفضوا الی السماء فنزل ذلك ورای قوله تعالیٰ الا انهم یثنون صدورهم (الآیہ) فیهم۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ اور مجدد الفِ ثانیؒ اور سید احمد صاحب قدست اسرارہم کا نام خصوصیت سے لیا اور فرمایا کہ ان حضرات نے بہت اصلاحیں کی ہیں مگر خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوا۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ حق تعالیٰ نے ان حضرات پر طریقِ سنت منکشف فرمایا تھا اور الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وہی طریق منکشف فرمایا ہے۔ پھر فرمایا کہ طریقِ سنت میں یہ بڑی برکت ہے کہ شیطان کو اسمیں رہزنی کا موقعہ بہت کم ملتا ہے۔ چنانچہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ جن امور کا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہتمام فرمایا ہے جیسے نماز باجماعت وغیرہ، اگر کوئی سختی کے ساتھ اُن کی پابندی کرے اور فرائض و واجبات و سُننِ مؤکدہ کا پورا اہتمام کرے، تو نہ خود اُسکو وسوسہ ہوتا ہے کہ میں کامل اور بزرگ ہو گیا اور نہ دوسرے اُسے ولی اور بزرگ سمجھتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی ان اُمور کا اہتمام کرے جن کا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہتمام نہیں فرمایا مثلاً چاشت، اشراق، صلوٰۃ اوّابین وغیرہ کا پابند ہو تو وہ خود بھی سمجھتا ہے کہ اب میں بزرگ ہو گیا اور دوسرے بھی سمجھتے ہیں کہ اب یہ بزرگ ہو گیا۔ اسی تقریر کے دوران میں حضرت نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ شارع علیہ السلام نے احسان کو مطلوب قرار دیا تھا مگر صوفیہ نے بجائے[1] اُس کے استغراق کو مقصود بنالیا۔

حکایت (۲۹۷) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ مولوی یحییٰ، احمد رضا خاں مدت سے مبیرا رد کر رہا ہے، ذرا اسکی تصنیف مجھے بھی تو سُنا دو۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھ سے تو نہیں ہو سکے گا۔ حضرت نے فرمایا کیوں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت انہیں

---

[1] وہی صوفیہ غیر محققین مراد ہیں ۱۲

تو گالیاں ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ اجی دور کی گالیوں کا کیا ہے پڑی (یعنی بلاسے) گالیاں ہوں تم سناؤ۔ آخر اُسکے دلائل تو دیکھیں، شاید کوئی معقول بات ہی لکھی ہو تو ہم ہی رجوع کرلیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھ سے تو نہیں ہو سکتا۔

حکایت (۲۹۸) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہیؒ نے آخری حج ۱۲۹۹ھ میں کیا ہے اور حج کو تشریف لیجاتے ہوئے مولانا نے دہلی میں احمد پائی کی سرائے میں قیام فرمایا تھا اور اوپر بالاخانہ میں مقیم تھے۔ آپ کے پاس بہت سے لوگ مجتمع تھے، جن میں مولوی اسمٰعیل صاحب کاندھلوی بھی تھے۔ اُس بالاخانہ میں غربی جانب کوئی کوٹھڑی تھی جس میں بیٹھا ہوا کوئی کام کر رہا تھا۔ مولوی اسمٰعیل صاحب نے مولانا گنگوہی سے فرمایا کہ میں اب رخصت ہوتا ہوں مگر مجھے تنہائی میں کچھ عرض کرنا ہے۔ مولانا ان کو ساتھ لیکر اس کوٹھڑی میں تشریف لے آئے جسمیں میں موجود تھا، اور فرمایا کہ فرمائیے۔ مولوی اسمٰعیل صاحب نے فرمایا کہ مجھے تنہائی میں عرض کرنا ہے اور یہاں یہ شخص (امیر شاہ) موجود ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ آپ انکا خیال نہ کیجئے اور فرمائیے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ میں بیعت تو ہوں مولوی محمد یعقوب صاحب دہلوی سے اور تعلیم حاصل کی ہے مولوی مظفر حسین صاحب کاندھلوی سے۔ ان حضرات کی تعلیم نقشبندی تھی اور ان کی تعلیم پر عمل کرنیسے میرے لطائفِ ستہ آٹھ دن میں ایسے پھرنے لگے جیسے پھرکی پھرتی ہے۔ لیکن مجھے ابتدار سے اتباعِ سنت کا شوق تھا اور جو اوراد حدیث میں وارد ہوئے جیسے پاخانہ میں جاتے وقت یہ پڑھے اور نکلتے وقت یہ اور بازار میں جاتے وقت یہ الیٰ غیر ذلک ہیں ان کا بہت اہتمام کرتا

ف اللہ اکبر یہ ہے حق پرستی کہ اس کے طلب و اتباع کے غلبہ میں دشمن کی بیہودگی سے بھی متاثر و متغیر نہ ہوں ؏ ہو کقول علیؓ لا امحوك ۔ (اشرف علی)

اسلیئے مجھے اعمالِ مشائخ سے بہت کم دلچسپی تھی، کبھی دس دن میں کبھی پندرہ دن میں مراقبہ وغیرہ کرلیا کرتا تھا۔ یہ میری حالت ہے اور اب میری ضعیفی کا وقت ہے اور اب میں چاہتا ہوں کہ جناب مجھے کچھ تعلیم فرمادیں۔ مولانا نے فرمایا کہ جو اعمال آپ کرتے ہیں اُن میں آپ کو مرتبہ احسان حاصل ہے یا نہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ حاصل ہے۔ حضرت نے فرمایا پس آپکو کسی تعلیم کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ مرتبہ احسان حاصل ہوجانیکے بعد اشتغالِ صوفیہ میں مشغول ہونا ایسا ہے جیسے کوئی گلستاں و بوستاں وغیرہ پڑھ لینے کے بعد کریما شروع کرے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ یہ فعل محض تضیعِ اوقات ہے۔ اسلیئے آپ کیلئے اشتغالِ مشائخ میں اشتغال تضیعِ اوقات اور معصیت ہے۔

حکایت (۲۹۹) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی نے جو ۱۲۹۹ھ میں حج کیا ہے اسمیں آپ کے ہمراہ یہ اشخاص تھے۔ امیر شاہ (یعنی خانصاحب) حافظ عطاء اللہ مرحوم، حاجی محمد یعقوب دہلوی، گھڑی ساز محمد عاشق، مولوی مسعود صاحب کے پہلے سُسر (جنکا نام مجھے یاد نہیں) منشی تجمل حسین صاحب انبہٹوی (حضرت حاجی صاحب کے بھتیجے) ہم سب لوگ، ذیقعدہ کی کسی تاریخ میں بمبئی پہنچ گئے تھے۔ لیکن جس جہاز کے ارادہ سے چلے تھے وہ جہاز ہم سے ایک روز پہلے چلا گیا تھا دوسرا جہاز ریڈسی کھڑا تھا۔ مگر اس کے روانہ ہونے میں دیر تھی اسلیئے ہمکو بمبئی میں گیارہ روز اور ٹھہرنا پڑا اور ہم ۲۰/ تاریخ کو جہاز ریڈسی میں سوار ہوئے۔

ف یہ تحقیق اہلِ طریق کو حرزِ جان بنانے کے قابل ہے۔ خصوص ان کو جو ذرائع کو مقاصد سمجھ بیٹھے ہیں اور خود صوفیہ کی تصریح ہے طرق الوصول الی اللہ بعدد انفاس الخلائق تو اس شخص پر حیرت ہے جو ان اعمال کو اس عموم سے خارج سمجھتے ہیں۔ ایسا سمجھنے والے وہی ہیں جن کو طریقت کی حقیقت کی ہوا بھی نہیں لگی ۔ (اشرف علی)

ہمارے سوار ہونے کے بعد بھی وہ جہاز کھڑا ہی رہا۔ نہ بیس کو چلا نہ اکیس کو نہ بائیس کو۔ اب لوگ گھبرا گئے اور سمجھے کہ اب حج نہیں مل سکتا کیونکہ دن تھوڑے باقی ہیں اور اتنا لمبا رستہ قطع کرنا ہے اور اس کیساتھ گیارہ شب کا قرنطینہ بھی کرنا ہے۔ اور یہ خیال کر کے لوگوں نے جہاز سے اُترنا شروع کر دیا۔ جب مولانا کو معلوم ہوا کہ لوگ اُترنے لگے ہیں تو آپ نے ہم لوگوں سے فرمایا کہ لوگوں سے کہدو کہ عزمِ حج فسخ نہ کریں ہمیں ضرور حج ملیگا، کیونکہ میں اپنے کو عرفات میں اور مزدلفہ میں اور منیٰ میں دیکھ چکا ہوں۔ ہم نے اطلاع کر دی۔ اسپر کچھ لوگ تو رہ گئے اور کچھ پھر بھی اُتر گئے۔ حافظ ...... بھی اس جہاز میں تھے اور انہوں نے بھی جہاز سے اُترنیکا ارادہ کیا تھا۔ مولانا کو چونکہ اُن سے حسنِ ظن تھا اسلیئے مولانا نے حافظ عطاء اللہ سے اور مجھ سے فرمایا کہ حافظ ...... کو سمجھاؤ کہ وہ ارادہ فسخ نہ کریں ہمیں حج ضرور ملیگا۔ ہم نے انہیں سمجھایا۔ اسپر وہ خود مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے مولانا نے اپنی عادت کیخلاف خود ان کو سمجھایا اور انہوں نے اقرار کر لیا کہ اب میں نہ اُتروں گا مگر باوجود اس کے بھی وہ اُتر گئے۔ مولانا کو جب اُن کا اُترنا معلوم ہوا تو آپ کو بہت ملال ہوا اور آپ نے فرمایا کہ ناحق اُتر گئے، بس جی ان کی قسمت ہی میں حج نہیں۔ اسکے بعد حافظ.... ہر سال حج کا ارادہ کرتے تھے مگر کوئی نہ کوئی مانع پیش آجاتا تھا۔ اور تا انتقال ان کو حج میسّر نہیں ہوا۔ ایک دفعہ تو یہاں تک ہوا کہ تیاری بھی پوری ہو گئی، یکہ بھی گھر پر آ گیا اور وہ سوار ہونے ہی کو تھے کہ یکایک ان کو خیال ہوا کہ ذرا دیر لیٹ جائیں لیٹ کر سوار ہونگے۔ اور وہ لیٹ گئے۔ لیٹنے میں اُن کی کمر میں انتہا زور سے چنکا آیا کہ اب وہ سفر کے قابل نہ رہے۔ اب انہوں نے چنکا نکل جانے

تک سفر کو ملتوی کر دیا اور اسکے بعد ارادہ ہی فسخ کر دیا۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ حافظ.. ہر سال ارادہ کرتے ہیں مگر ان کو حج نصیب نہیں ہوتا۔ تو میں نے ایک جلسہ میں مولانا سے عرض کیا کہ حضرت حافظ ... ہر سال حج کا ارادہ کرتے ہیں مگر ان کو حج نصیب نہیں ہوتا۔ ایک مرتبہ حضور نے فرمایا تھا کہ انکی قسمت ہی میں حج نہیں ہے، آپ اُن کے لیئے دعا فرما دیجئے کہ ان کو حج ملجائے۔ جس جلسہ میں میں نے عرض کیا تھا اس میں مولوی حبیب الرحمٰن صاحب حافظ احمد صاحب، مولوی خلیل احمد صاحب مولانا محمود حسن صاحب، حافظ عطاء اللہ، نواب یوسف علیخاں وغیرہ موجود تھے۔ مگر مولانا نے دعا نہیں[1] فرمائی اور فرمایا کہ یہ تمہارا خیال ہے۔ مگر میں اس قابل نہیں ہوں۔ میں نے پھر عرض کیا مگر آپنے ہر مرتبہ یہی فرمایا کہ میں اس قابل نہیں ہوں۔ یہ قصہ تو ختم ہوا۔

اب جہاز کی سُنیئے۔ الحمد للہ کر کے ہمارا جہاز ۲۳ر کی عصر کو روانہ ہوا جب عدن سے آگے پہنچا تو اس میں جسقدر ولائتی تھے سب تبر لیکر جہاز والوں پر چڑھ گئے اور کہا کہ اگر تم نے جہاز کا رُخ کامران کیطرف پھیرا تو ہم تم کو مار ڈالینگے، سیدھا جدّہ لے چلو۔ جہاز والے ڈر گئے اور مجبوراً ان کو جہاز جدہ لیجانا پڑا۔ جب جہاز جدّہ پہنچا تو وہاں معلوم ہوا کہ مسافروں کو اُترنے کی اجازت نہ ہوگی اور جہاز کو قرنطینہ کے لیے کامران واپس کیا جاوے گا۔ اس خبر سے حاجیوں کو سخت پریشانی ہوئی۔ کہ الحمد للہ کر کے تو ہم نے قرنطینہ کی قید سے نجات پائی تھی اب پھر وہیں جانا ہوگا تھوڑی دیر میں ایک عرب صاحب تشریف لائے اور انہوں نے کہا گودی کے افسر رشوت خوار ہیں اور وہ لینے کیلئے یہ حجت کر رہے ہیں۔ تم جلدی کچھ چندہ کر دو میں انہیں

---

[1] یہ دعا مستحب تھی۔ اس کے ترک کے لیے عدم استجابت کا مکشوف ہو جانا کافی ہے۔ خصوصاً جب یہ بھی مکشوف ہو جاوے کہ جس کے لیے دعا کی درخواست ہے وہ اس عمل کا ارادہ ہی نہ کرے گا۔
(اشرف علی)

دِلا کر راضی کرلوں گا۔ جب یہ خبر مولانا تک پہنچی تو آپ نے فرمایا یہ شخص بالکل جھوٹا ہے کوئی اسے کچھ نہ دے۔ ہم کو کامران واپس نہیں ہونا پڑے گا اور ہم یہیں اُتریں گے، لیکن آج نہیں اُتر ینگے کل اُتر ینگے۔ چنانچہ دوسرے روز یہ حکم ہوگیا کہ حاجیوں کو اُتر جانا چاہیئے اُن کا کوئی قصور نہیں، قصور جہاز والوں کا ہے۔ اسلیے اسکی سزا میں جہاز کو دوناقرنطینہ کرنا ہوگا۔ اسپر حاجی اُتر گئے اور ہم ۸ تاریخ کو مکہ پہنچ گئے۔ حاجی صاحب ہمکو شہر کے باہر کھڑے ہوئے ملے۔ سُنا ہے کہ حاجی صاحب فرماتے تھے کہ اگر مولوی رشید احمد صاحب اس جہاز میں نہ ہوتے تو کسی کو حج نہ ملتا۔ مگر یہ یاد نہیں کہ کس سے سُنا ہے۔

حکایت (۳۰۰) خانصاحب نے فرمایا کہ حکیم عبدالواحد جلیسر کے رہنے والے ایک شخص تھے جو ہاتھرس میں مطب کرتے تھے۔ نہایت صالح اور متبع سنت تھے۔ کسی نقشبندی بزرگ سے بیعت تھے۔ مجھے ان سے اور ان کو مجھ سے بہت محبت تھی۔ میں نے ایک مرتبہ اُن کو کچھ دُبلا پایا تو اُن سے حالت دریافت کی۔ انہوں نے فرمایا کہ میں چند روز سے سخت تکلیف میں ہوں۔ میرے اوپر بجلی گرتی ہے کبھی رات کو کبھی دن کو اور میں مرجاتا ہوں اور سخت تکلیف سے مرتا ہوں اور اسکے بعد زندہ ہوتا ہوں تو تکلیف سے ہوتا ہوں۔ یہ بجلی اگر سوتے میں گرتی ہے تو بالکل خاکستر ہوجاتا ہوں۔ اُن کے پیر کا انتقال ہوچکا تھا اسلیئے انہوں نے مجھ سے مشورہ لیا۔ میں نے کہا کہ مولانا گنگوہی کو لکھو انہوں نے مجھ سے کہا کہ تم لکھ دو۔ میں نے کہا کہ آپ لکھ کر مجھے دیدیں۔ میں اپنے عریضہ کے ہمراہ اُسے روانہ کردوں گا۔ انہوں نے اپنی حالت لکھ کر مجھے دیدی۔ میں نے اُسے مولانا کی خدمت میں روانہ

کر دیا۔ مولانا نے جواب دیا کہ یہ باتیں تحریر میں آنے کی نہیں ہیں، ان کو میرے پاس بھیجدو۔ اسپر وہ گئے اور جاتے ہی بلا کچھ کہے سُنے اچھے ہو گئے۔[1]

حکایت (۳۰۱) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی کی طبیعت علیل تھی اور مَیں آپ کے پاس اکیلا تھا اور پاؤں دبا رہا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جس زمانہ میں براہینِ قاطعہ شائع ہوئی تھی اور اس پر لوگوں میں شورش ہو رہی تھی۔ حضرت نے فرمایا کہ مَیں نے خواب میں دیکھا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تخت پر جلوہ افروز ہیں اور مجھے سامنے کھڑا کیا ہے اور مجھ سے امتحاناً سَو مسئلے پوچھے اور سَو کے سَو کا مَیں نے جواب دیدیا ہے اور آپ نے سب کی تصویب فرمائی اور نہایت مسرور ہوئے۔ اسکے بعد فرمایا کہ اس روز سے میں نہایت خوش ہوں اور سمجھتا ہوں کہ اگر سارے عالم میرے خلاف ہونگے تو انشاء اللہ حق میری جانب ہوگا۔[2]

حکایت (۳۰۲) خانصاحب نے فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ زمانہ طالب علمی میں بوجہ حدیث پڑھنے کے عرصہ تک شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری رہی اور اس وجہ سے بار بار بیعت کا ارادہ حضرت شاہ صاحبؒ ہی سے ہوتا تھا۔ مگر ہر مرتبہ مولانا نانوتوی فرماتے کہ نہیں بیعت تو حضرت امداد ہی سے کرینگے۔[3]

حکایت (۳۰۳) خانصاحب نے فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ

---

[1] اگر یہ تصرف تھا تو اس کے اخفا کے لیے کسی حیلہ کا اہتمام نہ فرمانا یہ بھی ایک مذاق ہے جیسا کہ اس سے قبل کی حکایت میں اخفا ایک مذاق ہے۔ منشا اخفا کا بُعد ہے ریا سے اور منشاء عدم اخفاء کا بُعد ہے وسوسۂ ریا سے یعنی یہ احتمال ہی نہیں ہوا کہ اس میں ریا ہوگی ؎ ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است۔

[2] اس سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا کے نزدیک کثیر کے مقابلہ میں واحد حق پر ہو سکتا ہے۔ مولانا سے عقیدت رکھ کر کوئی اُن کے خلاف کا قائل ہو وہ اس سے محجوب ہے۔ (اشرف علی) (منقول از امیر الروایات)

[3] اگلے صفحہ نمبر ۲۶۴ پر یہ حاشیہ ملاحظہ فرمائیں ←

نے خود مجھ سے فرمایا کہ جب مَیں ابتداءً گنگوہ کی خانقاہ میں آکر مقیم ہوا ہوں تو خانقاہ میں بول و براز نہ کرتا تھا بلکہ باہر جنگل جاتا تھا کہ شیخ کی جگہ ہے۔ حتیٰ کہ لیٹنے اور جوتے پہن کر چلنے پھرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی [1]

حکایت (۴۳۰) حضرت والد ماجد مولانا حافظ محمد احمد صاحب و عم محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہما نے بیان فرمایا کہ ایک دفعہ گنگوہ کی خانقاہ میں مجمع تھا۔ حضرت گنگوہیؒ اور حضرت نانوتویؒ کے مرید و شاگرد سب جمع تھے۔ اور یہ دونوں حضرات بھی وہیں مجمع میں تشریف فرما تھے۔ کہ حضرت گنگوہی نے حضرت نانوتویؒ سے محبت آمیز لہجہ میں فرمایا کہ یہاں ذرا لیٹ جاوٴ۔ حضرت نانوتویؒ کچھ شرما سے گئے۔ مگر حضرت نے پھر فرمایا تو بہت ادب کیساتھ چت لیٹ گئے۔ حضرت بھی اُسی چارپائی پر لیٹ گئے اور مولانا کیطرف کو کروٹ لیکر اپنا ہاتھ اُن کے سینے پر رکھ دیا۔ جیسے کوئی عاشق صادق اپنے قلب کو تسکین دیا کرتا ہے۔ مولانا ہر چند فرماتے ہیں کہ میاں کیا کر رہے ہو یہ لوگ کیا کہیں گے۔ حضرت نے فرمایا کہ لوگ کہیں گے کہنے دو۔ [2]

یہ حاشیہ متعلق صفحہ ۲۶۳ کا ہے۔ [3] مدار اس کشش کا مناسبت ہے۔ اس کو تفاضل میں کچھ دخل نہیں۔ حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے الارواح جنود مجندۃ فما تعارف منہا ائتلف وما تناکر منہا اختلف اور اسی باب میں کہا گیا ہے ؎ ہمہ شہر پُر ز خوباں منم و خیال ماہے ؛ چہ کنم کہ چشم بدخو نکند بکس نگاہے اور ایسی ترجیحات کو تفاضل پر مبنی کرنا یا اس سے تفاضل پر استدلال کرنا رجم بالغیب ہے ﴿اشرف علی﴾

[1] افسوس ایسی جماعت کو معاندین بے ادب کہتے ہیں۔ بلکہ اگر اس پر افراط فی الادب ہونے کا شبہ کیا جاتا تو گنجائش تھی جس کا جواب ہم غلبۂ حال سے دیتے اور ایسا غلبہ اخیر میں اعتدال سے مغلوب ہو جاتا ہے۔

[2] اس سے زیادہ خودداری کی فنا کی نظیر کیا ہوگی۔ کیا اہل تصنع ایسا کر سکتے ہیں ان پر تو یہ موت سے زیادہ گراں ہے۔ اور مولانا گنگوہی کا یہ کمال تھا کہ رنگ فنا خجلت پر غالب تھا اور مولانا نانوتوی کا یہ کمال تھا کہ خجلت پر فنا کو مجاہدہ سے غالب کر دیا ع ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

حکایت (۳۰۵) خانصاحب نے فرمایا کہ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ مجھے محمود (حضرت کے صاحبزادے) مرحوم کا صدمہ ضرور ہے مگر مولانا کی وفات کے صدمہ کا کوئی صدمہ مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اور اس واقعہ کو حضرت عم محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ نے یوں بیان فرمایا کہ حضرت گنگوہیؒ نے ایک مجمع میں فرمایا کہ اگر وہ بات نہ ہوتی تو میں مولانا کے صدمہ کا تحمل نہ کر سکتا اور مر جاتا۔ اس پر مولوی محمد حسن صاحب مرادآبادی نے جرأت کر کے عرض کیا حضرت وہ بات کیا۔ فرمایا "میاں وہی"۔ انہوں نے پھر ذرا جرأت کر کے عرض کیا کہ حضرت وہی اور وہ بات کا آخر مطلب کیا ہے۔ فرمایا کہ میاں وہی چیز جس کی وجہ سے تم میرے پاس آتے ہو[1]۔

حکایت (۳۰۶) خانصاحب نے فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جوش میں تھے اور تصورِ شیخ کا مسئلہ درپیش تھا۔ فرمایا کہ کہدوں۔ عرض کیا گیا کہ فرمائیے۔ پھر فرمایا کہدوں۔ عرض کیا گیا کہ فرمائیے۔ پھر فرمایا کہدوں۔ عرض کیا گیا فرمائیے۔ تو فرمایا کہ تین سال کامل حضرت امداد کا چہرہ میرے قلب میں رہا ہے اور میں نے ان سے پوچھے بغیر کوئی کام نہیں کیا۔ پھر اور جوش آیا۔ فرمایا کہدوں۔ عرض کیا گیا کہ حضرت ضرور فرمائیے۔ فرمایا کہ (اتنے) سال حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے قلب میں رہے اور میں نے کوئی بات آپ سے پوچھے بغیر نہیں کی۔ یہ کہہ کر اور جوش ہوا۔ فرمایا کہ اور کہدوں۔ عرض کیا گیا کہ فرمائیے مگر خاموش ہو گئے۔ لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ بس رہنے دو۔ اگلے روز بہت سے اصراروں کے بعد فرمایا کہ بھائی پھر احسان کا مرتبہ رہا[2]۔

حکایت (۳۰۷) خانصاحب نے فرمایا کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے

---

[1] اور میں نے بجائے اس عبارت کے کہ وہی چیز جس کی وجہ سے تم میرے پاس آتے ہو، کسی راوی سے یہ الفاظ سنے ہیں کہ وہی چیز جس کی وجہ سے تم مجھ کو بڑا سمجھتے ہو۔ مراد نسبت باطنیہ سے ہے کہ اس سے ایسی مقاومت کی قوت ہوتی ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حزنِ طبعی منافی کمال باطنی کے نہیں مگر ناقص کی طبیعت غالب ہو جاتی ہے اور کامل کی عقل اور دین ۔

[2] اگلے صفحہ نمبر ۲۶۶ پر دیکھئے

حکایت (۳۰۷) خانصاحب نے فرمایا کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے مولوی محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی سے فرمایا کہ فلاں مسئلہ شامی میں دیکھو۔ مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت وہ مسئلہ شامی میں تو ہے نہیں۔ فرمایا یہ کیسے ہو سکتا ہے لاؤ شامی اُٹھا لاؤ۔ شامی لائی گئی۔ حضرت اسوقت آنکھوں سے معذور ہو چکے تھے۔ شامی کے دو ثلث اوراق دائیں جانب کر کے اور ایک ثلث بائیں جانب کر کے اندازے سے کتاب ایکدم کھولی اور فرمایا کہ بائیں طرف کے صفحہ پر نیچے کی جانب دیکھو۔ دیکھا تو وہ مسئلہ اسی حصہ میں موجود تھا۔ سب کو حیرت ہوئی۔ حضرت نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری زبان سے غلط نہیں نکلوائے گا۔

حکایت (۳۰۸) خانصاحب نے فرمایا کہ نواب لطف علی خاں رئیس چھتاری

صفحہ نمبر ۲۶۵ کا حاشیہ ۲ ۔ اس حکایت کے آغاز میں بار بار استفسار فرمانا کہ کہدوں امتحانِ اشتیاق و اہلیت مخاطب کے لیے ہوگا۔ کیونکہ ایسے اسرار کے تحمل کا ہر شخص اہل نہیں ہے ؎

بر سماع راست ہر تن چیز نیست ؛ طعمۂ ہر مرغکے انجیر نیست

اور دوسری بار میں اس سوال کا تکرار نہ کرنا شاید اسلیے ہو کہ اب ضرورت نہیں رہی۔ اور ایکبار سوال کرنا اسلیے کہ طلب کے بعد حصول اوقع فی النفس ہے اور صورت کا حاضر رہنا اور اس سے مشورہ لینا یہ اکثر تو تخیل کی قوت ہے اور کبھی بطور خرقِ عادت کے روح کا تمثل بشکل جسد ہو جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ دونوں صورتوں میں لزوم و دوام کیساتھ حاضر و ناظر ہونے کے اعتقاد کی یا استعانت و استغاثہ کے عمل کی گنجائش نہیں۔ اور اسکے بعد کے مرتبہ کی نسبت فرمایا کہ بس رہنے دو۔ اور اسکے بعد اصرار پر جواب میں مرتبۂ احسان کا ذکر فرمانا اگر یہ اسی مرتبہ مسکوت عنہا کی تفسیر ہے تب تو اسوقت کا نہ بتلانا شاید اس حکمت کیلئے ہو کہ اہلِ ظاہر کی نظر میں یہ پہلے دو مرتبوں سے زیادہ نہیں ہے تو اس کی کچھ وقعت نہ ہوتی۔ بعد اصرار کے فرمانے میں حالاً اسکی تعلیم ہے کہ یہ ان سب سے بڑھا ہوا ہے کیونکہ یہ مقصود اور مقام ہے اور وہ مرتبے غیر مقصود اور حال ہیں وشتان ما بینہما اور اگر یہ اسکی تفسیر نہیں تو اسکا اخفار فرمایا شاید افہام عامہ اسکے محتمل نہ ہوتے شاید تجلیات ربانیہ میں سے کوئی تجلی ہو اور اسکی کیفیت بتلانے سے علمی اشکالات واقع ہوں جیسے صوفیہ کے ایسے اسرار میں اہلِ ظاہر کو ایسے اشکالات واقع ہوا کرتے ہیں ؛ ۱ وہی مقام نکل آنا گو اتفاقاً بھی ہو سکتا ہے مگر قرائن سے یہ باب کشف سے معلوم ہوتا ہے ورنہ جزم کیساتھ نہ فرماتے کہ فلاں موقع پر دیکھو۔ اور غلط سے مراد بے اصل ہے خطائے اجتہادی کی نفی مراد نہیں ؛ (اشرف علی)

بیمار ہوئے اور مجھے مع ایک ہمراہی کے دُعا کرانے کیلئے پہلے دیوبند بھیجا کہ حاجی عابد حسینؒ سے دُعائے صحت کراؤ اور پھر گنگوہ پہنچ کر حضرتؒ سے دُعائے صحت کراؤ۔ میں دیوبند سے دُعا کرا کر گنگوہ پہنچا۔ حضرت مجمع میں تشریف رکھتے تھے۔ میں نے دُعا کے لیے عرض کیا۔ اسپر حضرت نے ایک حکایت سُنانی شروع فرمائی کہ کسی رئیس کو باجا سُننے کا شوق تھا۔ ہر قسم کے باجہ بجانے والے آتے تھے۔ ایکدن جبکہ کئی قسم کے مختلف باجے بجائے جا رہے تھے، ایک صاحب اپنی لاٹھی منہ میں لیکر ہُو ہُو[۱] کرنے لگے۔ رئیس نے تمام باجے رُکوا کر کہا کہ اب بجاؤ۔ تو انہوں نے کہا حضور میرا باجا تو رلگڈے ہی میں بجا کرتا ہے۔ یہ حکایت سُنا کر فرمایا کہ لوگ آتے ہیں کہیں کے[۱] کہیں رلگڈے میں یہاں بھی آ نکلتے ہیں میرے پاس کیا رکھا ہے۔ پھر دوسرے وقت خلوت میں مولوی حبیب الرحمٰن صاحب سے فرمایا کہ مجھے تو انکی صحت کیطرف سے مایوسی[۲] ہے۔ کیا کروں میرے دل میں تو اُن کی صحت آتی نہیں۔ میں (خانصاحب) واپس ہو گیا یہانتک کہ شعبان آگیا اور مدارس کی تعطیل ہو گئی۔ تو اب یوسف علیخاں صاحب نے مجھے پھر دوبارہ یہ کہہ کر روانہ کیا کہ دیوبند سے مولوی حافظ احمد صاحب کو ساتھ لو اور گنگوہ پہنچ کر مولوی مسعود احمد صاحب اور مولوی حبیب الرحمٰن صاحب کو ساتھ لو اور تم چاروں ملکر حضرت سے نہایت التجا کر کے یہ عرض کرو کہ حضرت ابتو لُطف علی خاں کیلئے ویسی ہی دُعا کر دیجئے جیسی مکہ مکرمہ میں یوسف علیخاں کیلئے کی تھی۔ چنانچہ میں دیوبند سے مولوی احمد صاحب کو لیکر گنگوہ پہنچا اور تخلیہ میں مولوی مسعود احمد صاحب سے سارا واقعہ عرض کر دیا اور خلوت کے منتظر رہے لیکن خلوت کا موقعہ نہ ملا۔ مُلّا

---

[۱] یہ دوسری جگہ جانے پر نکیر نہیں بلکہ دعویٰ اخلاص پر نکیر ہے ÷ [۲] دعا سے انکار نہیں بلکہ الحاد فی الدعا سے ایک مانع طبعی کا بیان ہے ÷ (اشرف علی)

شمس الدین اور مولوی ظہور الحسن صاحب رجسٹرار آئے ہوئے تھے اور تمام وقت صبح سے دس گیارہ بجے تک حجرہ میں رہے۔ اسی مجلس میں مَیں اور حافظ صاحب حجرہ میں داخل ہوئے اور سلام کیا۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ حضرت نے فرمایا خیر تو ہے، کیوں آئے۔ ہم نے عرض کیا حضرت، عرض کرینگے۔ ابھی تک خلوت کا موقع نہیں ملا تھا کہ حضرت قضائے حاجت کیلئے اُٹھے اور واپس ہو کر حجرہ بند فرمایا تو پھر مُلّا شمس الدین اور ایک اور صاحب کواڑ کھول کر حُجرہ میں داخل ہونے لگے۔ حضرت نے فرمایا کون۔ اِنکی جو شامت آئی بول پڑے کہ شمس الدین۔ جھڑک کر فرمایا کہ نکل جاؤ۔ بس انکا نکلنا تھا کہ خلوت ہو گئی۔ فوراً مولوی مسعود احمد صاحب اور مولوی حبیب الرحمٰن صاحب بُلا لیئے گئے اور ہم سب نے مِلکر ایک تمہید اٹھائی کہ حضرت، لطف علیخاں ایسے ہیں اور ایسے ہیں اور مدرسہ دیوبند کے اسقدر بہی خواہ ہیں۔ حضرت اُن کیلئے دُعائے صحت فرمائیں۔ فرمایا کہ بھائی کیا کروں میرے دلمیں تو انکی صحت آتی نہیں۔ پھر ہم لوگوں نے اصرار کیا حضرت نے پھر یہی فرمایا۔ آخر کار مولوی مسعود احمد صاحب نے عرض کیا کہ حضرت بس یوں فرمادیں کہ اچھے ہو جائینگے۔ فرمایا کہ بھائی ایک تو ایسا کہنا ہوتا ہے جیسا میں نے ابھی مدرسہ کی نسبت کہا تھا[1] اور ایک کہلوائے سے کہنا انہوں نے عرض کیا نہیں۔ حضرت بس یہ جملہ فرما ہی دیں۔ فرمایا کہ اچھا بھائی تم کہتے ہو میں کہتا ہوں کہ انشاء اللہ اچھے ہو جائینگے۔ تیسرے[2] ہی دن گنگوہ خط پہنچا کہ

---

[1] اشارہ ہے اس واقعہ کیطرف کہ مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مجلس میں مدرسہ دیوبند کی مخالفتوں اور اس کے مخالفوں کا تذکرہ اٹھایا اور اپنی پریشانیوں کا ذکر کیا اور ان ریشہ دوانیوں کا ذکر کیا جو دیوبند میں مدرسہ کے خلاف کی جارہی تھیں، حضرت سنتے رہے سنتے رہے آخر میں ایکدم تکیہ سے کمر اٹھا کر سیدھے ہو بیٹھے اور انگلی سے اشارہ کر کے فرمایا کچھ نہیں ہوگا۔

یہ ظہور تھا شان عمری ماکنا نبعد ان السکینۃ تنطق علی لسان عمر کا (رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ عن علی) (کذا فی المشکوٰۃ) [2] اس میں ظہور ہے لو اقسم علی اللہ لابرہ کا کہ تھوڑی دیر کے لیے اچھے ہو گئے پھر اصلی وارد کا ظہور ہوا کہ انتقال کر گئے ۰ (اشرف علی)

لطف علیخاں اچھے ہو گئے اور اگلے دن اطلاع آگئی کہ انتقال ہو گیا۔

حکایت (۳۰۹) خانصاحب نے فرمایا کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مکاشفات کی تین قسمیں ہیں۔ ایک تحت التکوین اس میں کافر و مسلم برابر ہیں۔ ایک لوح محفوظ سے وہ خالص مسلمین کیلئے ہے۔ مگر اس کیلئے ہے یمحو اللہ ما یشاء ویثبت وعندہ ام الکتٰب اور ایک خالص علم اللہ سے یہ مخصوص انبیاء علیہم السلام کیلئے ہے۔ پہلے دو میں کشفی غلطی کا احتمال ہے مگر ثالث میں امکان نہیں۔ کیونکہ پہلے دو میں زمان و مکان کی تعیین تخمین سے ہو سکتی ہے مگر علم الٰہی میں ماضی و حال اور استقبال برابر ہیں۔ اسلئے انبیاء علیہم السلام کے علوم غلطی سے پاک ہیں [۱]

حکایت (۳۱۰) فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اپنے سلسلہ کے ایک اُستاد سے نقل فرماتے تھے جس شخص کو دنیا کا بنانا ہو اور دین سے کھونا ہو اُسکو طبیبوں کے سپرد کر دے۔ اور جسکو دین کا بنانا ہو اور دنیا سے کھونا ہو اُس کو

---

[۱] یہ تحقیق اِن روایات سے متایّد ہے فی الدرالمنثور اخرج ابن جریر عن ابن عباسؓ قال اِن اللہ لوحًا محفوظا مسیرۃ خمسمائۃ عام من درۃ بیضاء لہ دفتان من یاقوت والدفتان لوحان للہ کل یوم ثلاث وستون لحظۃ یمحو ما یشاء ویثبت وعندہٗ ام الکتاب وفیہ اخرج عبد الرزاق وابن جریر عن سیار عن ابن عباس انہ سال کعبًا عن ام الکتب فقال علم اللہ ما ھو خالق وما خلقہ عاملون فقال لعلمہ کن کتابا فکان کتابا وفیہ اخرج ابن ابی شیبۃ وابن المنذر وابن ابی حاتم عن عکرمۃؓ ام الکتاب قال اصل الکتاب (تفسیر سورہ رعد) التائید ظاھر من تفسیر ام الکتاب بمعنی اصل الکتاب بعلمہ تعالی الذی لا یغیر ولا یبدل ومن وقوع المحو والاثبات فی اللوح واما قولہ فقال لعلمہ کن کتابًا فکان کتابا المراد بہ الجزء الخاص من اللوح الذی لا یغیر ولا یبدل وفی الآیۃ اقوال اُخریٰ ومقصودنا الدلالۃ علیٰ قول مولانا بالروایات

صوفیہ کے سپرد کردے۔ اور جسکو دونوں سے کھونا ہو اُسکو شاعروں کے سپرد کردے۔ اسپر میں نے (یعنی حضرت مرشدی حکیم الامۃ مولانا تھانوی مدظلہ العالی) عرض کیا کہ حضرت جسکو دونوں کا بنانا ہو۔ تو فرمایا کہ یہ ناممکن ہے۔ (قال العارف الرومی) ؎

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں ٭ ایں خیال است و محال است و جنوں (جامع)

حکایت (۳۱۱) فرمایا کہ مولانا صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک شخص کسی گرُو کے پاس گیا۔ گرُو نے پوچھا کیسے آئے ہو۔ کہا چیلہ بننے آیا ہوں۔ گرُو نے کہا کہ چیلہ بننا بہت مشکل ہے۔ اس نے کہا تو گرُو ہی بنا دو۔

حکایت (۳۱۲) فرمایا کہ جب میں حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور حضرت حاجی صاحبؒ کا ذکر بکثرت ہوتا تو فرماتے، کہ جب تم آجاتے ہو تو قلب زندہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جب میں پہنچتا تھا تو اکثر حاجی صاحبؒ کا تذکرہ آجاتا تھا اور حضرت جانتے تھے کہ اس (یعنی مرشدی مدظلہم) نے حضرت حاجی صاحبؒ کی زیارت کی ہے، یہ حضرت کے حالات سے مسرور ہوگا۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ اتنا بڑا شخص جو امامِ وقت ہو وہ ایک ایسے تھوڑے لکھے پڑھے بزرگ (یعنی قطبِ عالم حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ) کا ایسا معتقد ہو جائے۔

حکایت (۳۱۳) فرمایا کہ ایکمرتبہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے۔ مولانا گنگوہی کا تو قدم قدم پر انتظام اور مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ لاابالی، کہیں کی چیز کہیں پڑی ہے کچھ پرواہ ہی نہیں۔ اسوقت ایک گروہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا کہ ہم بھی آپکے ہمراہ حج کو چلیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ زادِ راہ بھی ہے۔ انہوں نے کہا ایسے ہی توکل پر چلیں

گے۔ مولانا نے فرمایا کہ جب ہم جہاز کا ٹکٹ لیں گے تو تم مینجر کے سامنے توکل کی پوٹلی رکھدینا۔ بڑے آئے توکل کرنے، جاؤ اپنا کام کرو۔ پھران لوگوں نے حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا تو آپ نے اجازت دیدی۔ ع

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

راستہ میں جو کچھ بھی ملتا وہ سب ان لوگوں کو دیدیتے۔ اور ساتھیوں نے کہا کہ حضرت آپ تو سب ہی دیدیتے ہیں کچھ تو اپنے پاس رکھئے تو فرمایا انما انا قاسم واللہ یعطی۔ اسی سفر میں مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ صبح سے شام تک پھرتے ہی ہو کچھ فکر بھی ہے۔ تو فرمایا کہ حضرت آپ کے ہوتے ہوئے مجھے کیا فکر ہے۔

حکایت (۳۱۴) فرمایا کہ ایک مرتبہ کسی ذاکر نے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ ذکر کے وقت نیند آتی ہے۔ فرمایا تکیہ رکھ کر سو جایا کرو ذکر پھر کر لیا کرو۔ نیند کا علاج سوائے سونے کے کچھ نہیں۔

حکایت (۳۱۵) فرمایا کہ ایکمرتبہ میں دیوبند پڑھتا تھا وہاں ایک سیاح ولایتی صاحب آئے وہ حضرت حاجی محمد عابد صاحبؒ سے جمعہ کی نماز پڑھانے کی اجازت لیکر منبر پر پہنچ گئے۔ خطبہ شروع کیا۔ چونکہ ربیع الاوّل کا زمانہ تھا خطبہ کے اندر مولود شریف شروع کر دیا اور خطبہ نہایت طویل کہ ختم ہونے پر ہی نہ آوے۔ لوگ پریشان ہو گئے۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ بھی اتفاقاً تشریف فرما تھے۔ چونکہ مولانا کو حق تعالیٰ نے ہمیشہ سے اظہارِ حق کی شان دی تھی، ان مولوی صاحب سے فرمایا کہ مولانا خطبہ ختم کیجئے۔ وہ بولے چپ رہو خطبہ میں بولنا حرام ہے۔ (وہ پہچانتا نہ تھا)

مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا کہ حرام وحلال کیا لئے پھرتے ہو تم اس قابل ہو کہ منبر سے تمہارا ہاتھ پکڑ کر اُتار دیا جاوے۔ پھر اُس نے یہی جواب دیا، چپ رہو۔ مگر اُس نے جلدی ہی خطبہ ختم کر دیا خطبہ کے بعد لوگوں نے کہا کہ ہم اس کے پیچھے نماز نہ پڑھینگے، نہ معلوم یہ کون بلا ہے۔ مولانا گنگوہی سے امامت کیلئے عرض کیا مگر مولانا نماز پڑھانے کھڑے نہ ہوئے (تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ سب کچھ اپنی امامت کیلئے کہا تھا) مولانا محمد یعقوب صاحب نے نماز پڑھائی۔ مولانا گنگوہی نے یہ دانشمندی کی کہ نماز کے بعد فوراً جوتہ اٹھا کر چلدیے۔ ان ولایتی صاحب نے نماز کے بعد کہا کہ بلاؤ اس وہابی کو جو خطبہ میں بولتا تھا اور بہت دیر تک بکتا رہا۔ حضرت مولانا محمد یعقوبؒ نماز پڑھتے رہے، آپ کو غصہ بھی بہت آیا لیکن تحمل کیا۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ ہماری جماعت کے حضرات فتنہ کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ مولانا گنگوہیؒ کو یہ خیال ہوا کہ اگر میں موجود ہوا تو فساد ہو جائیگا۔ کیونکہ لوگ میری حمایت کریں گے۔ اسلیے دفع الوقتی فرما گئے۔ اور اب یہ حالت ہے کہ فتنہ و فساد کو تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ خطبہ کی طوالت پر فرمایا کہ فقہ کی بات یہ ہے کہ خطبہ کو خفیف کرے اور نماز کو طویل۔ یعنی بہ نسبت خطبہ کے طویل کرے۔

حکایت (۳۱۶) فرمایا کہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو اس جگہ (خانقاہ امدادیہ اشرفیہ) سے بڑی محبت تھی۔ جب بینائی جاتی رہی ہے تو فرماتے تھے کہ اگر آنکھیں ہوتیں تو اس جگہ کو اب دیکھتا (کیونکہ حضرت حاجی صاحبؒ کی یہاں بود و باش رہی ہے اسوجہ سے حضرت کو بڑا تعلق تھا۔) ہ

در منزلیکہ جاناں روزے رسیدہ باشد ٭ باخاکِ آستانش داریم مرحبائی

حکایت (۳۱۷) فرمایا کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت مولانا گنگوہیؒ کو اطلاع کی کہ حضرت یہاں مدرسہ کی سی صورت ہوگئی ہے دعا فرمادیجئے گا۔ مولانا نے تحریر فرمایا کہ اچھا ہے بھائی۔ مگر خوشی تو جب ہوگی جب یہاں اللہ اللہ کرنیوالے جمع ہو جاویں گے۔ (جامع کہتا ہے کہ سبحان اللہ حضرت کی خواہش باحسن الوجوہ پوری ہوگئی) ؎

تو چنیں خواہی خدا خواہد چنیں ٭ مے دہد یزداں مرادِ متقیں

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود ٭ گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

حکایت (۳۱۸) فرمایا کہ ایکمرتبہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی پھوپی بیمار تھیں۔ آپ انکی تیمارداری میں تھے۔ جس طبیب کے یہاں آپ تشریف لے جاتے تھے وہ بہت نخرے کرتا تھا۔ مولانا کو غصہ آگیا اور طب کی کتابوں کا مطالعہ شروع کردیا اور اچھے طبیب ہوگئے۔ جب مولوی مسعود احمد صاحب طب پڑھکر تشریف لائے ہیں تب آپنے اس کام کو چھوڑ دیا۔ کہ بھائی اب مسعود آگئے ان سے رجوع کرو۔

حکایت (۳۱۹) فرمایا کہ ایک ڈپٹی صاحب مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوئے۔ مولانا معمولی گفتگو کر کے درس میں مشغول ہوگئے۔ ان کو اسپر رنج ہوا اور دوسروں سے شکایت کی کہ بڑے بُرے اخلاق ہیں (اسپر ہمارے حضرت نے تبسم سے فرمایا کہ الحمد للہ مولانا کی یہ سُنت مجھ کو بھی نصیب ہے، اور میں بھی اسطرح بدنام ہوں۔ سُنا ہے کہ سال کے ختم یا شروع پر گورنمنٹ کیطرف سے کچھ خطابات تقسیم ہوتے ہیں تو مولانا کے لیے بھی شمس العلماء کا خطاب تجویز ہوا تھا۔ اس میں ان ڈپٹی صاحب سے بھی پوچھا گیا۔ چونکہ یہ حاکم پرگنہ تھے تو انہوں نے مخالفت کی کہ

کہ مناسب نہیں ہے۔ اسپر ڈپٹی صاحب نے خوش ہو کر مولانا کے آدمیوں سے فرمایا کہ ہم سے مولانا اچھی طرح نہ ملے ہم نے بھی خطاب نہ ملنے دیا۔ مولانا نے سُنا تو فرمایا کہ بھائی مَیں تو اُنکا بڑا ممنون ہوں کہ مجھے اس بَلا سے نجات دی میں تو دعا کرتا ہوں۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ جب سُنا ہوگا تو بڑا اکتا ہوگا کہ یہ کام کیا تو تھا رنج کیلئے مگر ہوگئی خوشی۔ جیسے سلیمان دارانیؒ نے فرمایا ہے کہ اگر شیطان وسوسہ ڈالے تو خوش ہو کیونکہ شیطان دشمن ہے۔ جب تم وسوسہ سے خوش ہو گے اور وہ تمہاری خوشی چاہتا نہیں، وسوسہ ڈالنا چھوڑ دے گا۔

حکایت (۳۲۰) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر آجکل کے نوجوان مولوی اعتراض کرتے ہیں۔ اور حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حالانکہ امام وقت تھے مگر کبھی آپکی زبان سے اعتراض نہیں نکلا۔ اور اعتراض تو کیسا، مولانا تو بالکل عاشق فانی تھے۔ ایک دفعہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مولوی صادق الیقین صاحب سے فرماتے تھے کہ فلاں صاحب نے کیسی بُری بات کہی کہ حضرت تو بدعتوں میں مبتلا ہیں، ہماری نسبت تو قطع ہوگئی۔ دیکھو کیسی رنج کی بات ہے بھلا ان باتوں سے نسبت قطع ہوتی ہے۔ بھلا حضرت حاجی صاحب بدعتی ہیں۔

حکایت (۳۲۱) فرمایا کہ جب مولوی صادق الیقین حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں جانے لگے تو مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے وصیت فرمائی (دیکھئے! ان بزرگوں کو نورِ باطن تو ہوتا ہی ہے، مگر اللہ تعالیٰ نورِ ظاہر بھی اسقدر عطا فرماتے ہیں کہ جسکی انتہا نہیں) کہ میاں صادق الیقین جیسے جا رہے ہو ویسے ہی چلے آئیو اپنے اندر کوئی تغیر پیدا نہ کیجیو۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ اس سے حضرت مولانا کا یہ مطلب تھا

کہ وہاں جاکر حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے افعال میرے خلاف دیکھوگے اگر مجھ سے عقیدت رہی تو حاجی صاحب کو چھوڑدوگے اور اگر حاجی صاحب سے عقیدت رہی تو مجھے چھوڑدوگے۔ چنانچہ انہوں نے مسلک مولانا کا رکھا اور حضرت حاجی صاحب کے بھی جان نثار تھے۔ مجھ سے مولوی صادق الیقین کہتے تھے کہ حضرت حاجی صاحب کے یہاں اور مولانا کے یہاں تو زمین وآسمان کا فرق ہے کوئی تطبیق ہو ہی نہیں سکتی۔ میں نے عرض کیا کہ فاتحہ خلف الامام کو ایک حرام کہتے ہیں ایک فرض کہتے ہیں اس میں بھی تو کوئی تطبیق نہیں ہوسکتی۔ پھر ہم دونوں کو حق پر مانتے ہیں اور تقلید کرتے ہیں ایسے ہی یہاں سمجھو۔

حکایت (۳۲۲) فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ کے قطب الدین ایک صاحبزادے تھے ان کی شادی لکھنؤ ہوئی تھی اور ولیمہ نانوتہ میں ہوا تھا۔ مولانا نے بڑی خوشی میں ولیمہ کیا تھا اور اسمیں پلاؤ زردہ بہت اچھا پکوایا تھا۔ کھانے میں ذرا دیر ہوگئی تھی، جمعہ کا دن تھا گاؤں والے بھی ولیمہ میں آئے ہوئے تھے۔ تو مولانا نے فرمایا کہ پہلے ان گاؤں کے آدمیوں کو کھانا کھلادو کیونکہ ان کو دُور جانا ہے۔ گھر کے آدمی پھر کھالینگے۔ جب انکو کھانے بٹھایا تو چاروں طرف سے زردہ کی مانگ ہونے لگی۔ مولانا پریشان ہوئے، کیونکہ زردہ بہ نسبت پلاؤ کے تھوڑا پکتا ہے۔ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اسکی خبر ہوئی تو مولانا فوراً تشریف لائے اور مجمع میں ہوکر فرمانے لگے کہ یہ پلاؤ بھی کھانے ہی کیواسطے پکا ہے اور زردہ اندازہ سے پکا ہے۔ اور کھلانے والوں کو حکم دیا کہ اب پلاؤ دو زردہ نہ دو۔ بس سب دم بخود ہوگئے۔ پھر کسی نے نہ مانگا اور کام حسن وخوبی کیساتھ انجام کو پہنچ گیا۔ ہمارے حضرت نے فرمایا

کہ مولانا کے اندر شانِ انتظام بڑی تھی کسی کے کہنے کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ اسی وجہ سے اکثر لوگ متشدد کہتے تھے۔ ہنس کر فرمایا اور الحمدللہ اب یہ میراث مجھے ملی ہے۔

حکایت (۳۲۳) فرمایا کہ ہمارے حضرت خلوتِ عرفیہ پسند نہیں کرتے تھے۔ اس سے شہرت ہوتی ہے۔ مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ۔ مولینا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ نے بھی کبھی گوشہ نشینی اختیار نہیں کی۔ البتہ مولانا رائپوری رحمۃ اللہ علیہ پر بہ نسبت دوسرے حضرات کے قدرے اسکا غلبہ تھا۔ (اور یہ اثر اُن کے پہلے پیر کا تھا) باقی بقدر ضرورت خلوت یہ سب حضرات کا معمول تھا چنانچہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھوڑی سی دیر حجرہ بند کر کے اسمیں بیٹھتے تھے۔ ایکدفعہ مَیں نے مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ میرا جی یوں چاہتا ہے کہ سب سے علیحدہ ہو کر ایک گوشہ میں بیٹھ جاؤں۔ مولانا نے تحریر فرمایا کہ ہمارے بزرگوں نے ایسا کیا نہیں اس سے شہرت ہوتی ہے۔

حکایت (۳۲۴) فرمایا کہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کسی شخص نے دریدہ عبا بھیجی۔ آپ نہ ہنسے نہ تحقیر کی۔ بلکہ اسکو رفو کرا کر نمازِ جمعہ اسی سے پڑھی۔ ایسے ہی مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص نے ایک ٹوپی چھینٹ کی جس پر شالباف کی گوٹ اور گوٹہ لگا ہوا تھا، بھیجی۔ آپنے اس لانیوالے کے سامنے فوراً اوڑھ لی کہ جلدی سُن کر خوش ہوگا۔

حکایت (۳۲۵) فرمایا کہ ایکمرتبہ مکہ معظمہ میں حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ فلاں جگہ مولود شریف ہے تم چلتے ہو۔ مولانا نے صاف انکار کر دیا کہ نہیں حضرت میں تو نہیں جا سکتا۔ میں تو ہندوستان میں اسکو

منع کرتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا جزاک اللہ۔ میں اتنا تمہارے جانے سے خوش نہ ہوتا، جتنا نہ جانے سے ہوا۔

حکایت (۳۲۶) فرمایا کہ ایکمرتبہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حضرت حافظ محمد ضامن صاحب رحمۃ اللہ کی بہت تعریف فرمارہے تھے۔ بعد میں فرمایا مگر جو بات اس شخص (یعنی حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ) میں تھی وہ کسی میں نہ تھی۔ حالانکہ گفتگو سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ترجیح دے رہے ہیں۔ یہ مقولہ خود حضرت گنگوہی سے سُنا ہے۔

حکایت (۳۲۷) فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اسقدر ذکی الحس تھے کہ ایکمرتبہ جب آپ مسجد میں عشاء کی نماز کو تشریف لائے تو فرمایا آج کسی نے مسجد میں دیا سلائی جلائی ہے۔ تحقیق کرنیسے معلوم ہوا کہ ایک صاحب نے مغرب کے بعد جلائی تھی جس کا اثر مولانا کو عشاء کے وقت محسوس ہوا۔ اور آپ کے یہاں عشاء کی نماز قریب ثلث شب کیوقت ہوتی تھی۔

حکایت (۳۲۸) فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایکمرتبہ حدیث کا سبق پڑھا رہے تھے کہ بارش آگئی۔ سب طلباء کتابیں لیکر اندر کو بھاگے مگر مولانا سب طلباء کی جوتیاں جمع کر رہے تھے کہ اٹھا کر لے چلیں۔ لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو کٹ گئے۔

حکایت (۳۲۹) فرمایا کہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے مولانا عبدالرحیم صاحب نے یا اُن کی موجودگی میں کسی نے پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ تسخیر کا عمل جانتے ہیں۔ فرمایا ہاں جبھی تو میرے یہاں مولانا عبدالرحیم صاحب جیسے لوگ آتے ہیں۔

(منقول از اشرف التنبیہ)

اضافہ از مولوی محمد طیب صاحب

حکایت (۳۳۰) احقر جامع نے مکرمی مولانا مولوی احمد شاہ حسن پوری مدظلہٗ سے سُنا ہے وہ فرماتے تھے کہ مجھ سے مکرمی حکیم مولوی محمد یوسف صاحب گنگوہی نے بیان کیا کہ پیرانِ کلیر میں مَیں نے ایک درویش صاحب کا یہ طرز دیکھا کہ وہ کسی بزرگ کے مزار کے اندر نہیں جاتے تھے بلکہ مزار کے قریب دروازہ سے باہر کھڑے ہوکر کچھ رو یا کرتے تھے۔ یہ درویش صاحب حکیم محمد یوسف صاحب سے ملنے گنگوہ آئے۔ حکیم صاحب موصوف کا بیان ہے کہ ہم ان کو ظہر کے وقت مسجدِ خانقاہِ قطبِ عالم شیخ عبدالقدوس قدس سرہٗ میں لے گئے۔ وہ بزرگ درویش بعد نمازِ ظہر حسبِ عادت مزارِ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے دروازہ کے قریب کھڑے ہوکر کچھ دیر تک روکر واپس آئے۔ حکیم صاحب موصوف کا بیان ہے، ہم کو یہ خیال آیا کہ ان کو حضرت اقدس محبوبِ الٰہی مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر لے چلیں اور ظاہر نہ کریں کہ مولانا کے مزار پر لیجاتے ہیں۔ حکیم صاحب نے ان درویش سے یہ فرمایا کہ جنگل کیطرف تشریف لیچلیے۔ درویش صاحب نے فرمایا بہت بہتر۔ حکیم صاحب موصوف گنگوہ سے غرب کی جانب جو ایک مسجد حضرت اقدس مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے قریب بنی ہوئی ہے اسطرف کو لیچلے۔ فرشِ مسجد کے شمالی کنارہ پر جس وقت یہ درویش پہنچے نہایت زور سے اس درویش نے چیخ ماری اور کھڑے ہوکر شدّت سے روتے رہے۔ اسمیں عصر کا وقت آگیا اور حکیم صاحب نے عصر کی اذان پڑھی۔ اذان کے بعد بھی وہ درویش کھڑے ہوکر روتے رہے۔ جب حکیم

صاحب نماز کیواسطے کھڑے ہوئے تب وہ درویش تکبیر کے وقت نماز میں شریک ہوئے۔ نماز کے بعد جب درویش صاحب واپس ہوتے تو حکیم صاحب سے فرمایا کہ ایسا نہیں کیا کرتے ہیں جیسا آپنے میرے ساتھ کیا۔ بعض وقت ایسے موقع پر جان نکل جاتی ہے۔ انسان کو جب کسی بزرگ کے مزار کی خبر ہو جاتی ہے تو کچھ سنبھل کر جاتا ہے۔ یہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے کہ حضرت ممدوح نے شریعۃ کے پردہ میں اپنی نسبت عالیہ کا اخفا فرمایا تھا۔

حکایت (۳۳۱) مولوی محمد قاسم فرماتے ہیں کہ ایکمرتبہ جب میں گنگوہ حاضر ہوا۔ تو حضرت کی سہ دری میں ایک کورا بدھنا رکھا ہوا تھا میں نے اسکو اٹھا کر کنویں سے پانی کھینچا اور اسمیں بھر کر پیا تو پانی کڑوا پایا۔ ظہر کی نماز کے وقت حضرت سے ملا اور یہ قصہ بھی بیان کیا۔ آپنے فرمایا کہ کنویں کا پانی تو کڑوا نہیں ہے میٹھا ہے۔ میں نے وہ کورا بدھنا پیش کیا۔ حضرت نے بھی پانی چکھا تو بدستور تلخ تھا۔ آپ نے فرمایا اچھا اسکو رکھدو۔ نماز ظہر کے بعد حضرت نے سب نمازیوں سے فرمایا کہ کلمۂ طیب جسقدر جس سے ہو سکے پڑھو، اور حضرت نے بھی پڑھنا شروع کیا۔ بعد میں حضرت نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اور نہایت خشوع وخضوع کیساتھ دعا مانگ کر ہاتھ منہ پر پھیر لئے۔ اسکے بعد بدھنا اٹھا کر پانی پیا تو شیریں تھا۔ اسوقت مسجد میں بھی جتنے نمازی تھے سب نے چکھا تو کسی قسم کی تلخی نہ تھی۔ بعد میں حضرت نے فرمایا کہ اس بدھنے کی مٹی اُس قبر کی ہے جس پر عذاب ہو رہا تھا۔ الحمد للہ کلمہ کی برکت سے عذاب رفع ہو گیا (از تحریراتِ بعض ثقات)

حکایت (۳۳۲) ایکمرتبہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حدیث کے

درس میں اہلِ جنت کا ذکر آیا کہ مرد سبزہ آغاز بے ریش ہونگے۔ تو ایک طالب علم نے عرض کیا کہ حضرت مرد کے چہرہ کی زیبائش تو ڈاڑھی سے ہے۔ یہ بن جنتیوں کے لئے کیوں تجویز ہوا۔ بیساختہ آپنے مسکرا کر جواب دیا کہ اسکا مزہ ان سے پوچھو جو ڈاڑھی منڈاتے ہیں۔ (از تحریرات بعض ثقات)

حکایت (۳۳۳) مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ چونکہ بہت متبع سنت تھے، ایکمرتبہ لوگوں نے کہا کہ مسجد سے بایاں پاؤں نکالنا اور جوتا سیدھے پاؤں میں پہننا سنت ہے، دیکھیں حضرت ان دونوں سنتوں کو کیسے جمع فرماتے ہیں۔ لوگوں نے اس کا اندازہ کیا۔ جب مولانا مسجد سے نکلنے لگے تو آپنے پہلے بایاں پاؤں نکال کر کھڑاؤں پر رکھا۔ جب سیدھا پاؤں نکالا تو کھڑاؤں کی کھونٹی انگوٹھے میں ڈالی۔ اس کے بعد بایاں پاؤں میں کھڑاؤں پہنی۔ سبحان اللہ کیسا دونوں سنتوں کو جمع فرمایا ہے۔ (از تحریرات بعض ثقات)

حکایت (۳۳۴) مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہمیں تو حاجی صاحبؒ کے وردنامہ میں ایک شعر پسند آیا ہے ؎

مرا اک کھیل خلقت نے بنایا ؎ تماشہ کو بھی تو میرے نہ آیا

حکایت (۳۳۵) مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جو لوگ علمائے دین کی توہین اور ان پر طعن و تشنیع کرتے ہیں ان کا قبر میں قبلہ سے منہ پھر جاتا ہے۔ اور یوں بھی فرمایا کہ جس کا جی چاہے دیکھ لے۔ (از تحریرات بعض ثقات)

حکایت (۳۳۶) مولوی محمد قاسم صاحب کمشنر بندوبست ریاست گوالیار ایکبار پریشانی میں مبتلا ہوئے اور ریاست کیطرف سے تین لاکھ روپیہ کا مطالبہ ہوا ان کے بھائی یہ خبر پاکر حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ

کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت مولانا نے وطن دریافت فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا دیوبند۔ مولانا نے تعجب کیساتھ فرمایا کہ گنگوہ حضرت مولانا کی خدمت میں قریب تر کیوں نہ گئے، اتنا دراز سفر کیوں اختیار کیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت یہاں مجھے عقیدت کھینچ لائی ہے۔ مولانا نے ارشاد فرمایا کہ تم گنگوہ ہی جاؤ، تمہاری مشکلکشائی حضرت مولانا رشید احمد ہی کی دعا پر موقوف ہے۔ میں اور تمام زمین کے اولیاء بھی اگر دعا کریں گے تو نفع نہ ہوگا۔ چنانچہ واپس ہوئے اور بوسیلہ حکیم ضیاء الدین صاحبؒ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حکیم صاحب نے سفارش کی تو مولانا نے ارشاد فرمایا کہ میرا کوئی قصور نہیں، کیا بلکہ یہ صاحب مدرسہ دیوبند کے مخالف ہیں جو اللہ کا ہے۔ قصوروار اللہ کے ہیں، اللہ سے توبہ کریں، بندہ بھی دعا کریگا چنانچہ ادھر انہوں نے توبہ کی اُدھر مطالبہ سے برارت کا کمشنر صاحب سے حکم آگیا۔ (از تحریراتِ بعض ثقات)

حکایت (۳۴۷) ایک مرتبہ مولوی یحییٰ صاحب کو کسی کام میں زیادہ دیر لگ گئی تو حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے کئی بار پکارا کہ خدا جانے کہاں بیٹھ گئے۔ (کیونکہ اگر مولوی یحییٰ ذرا دیر کو بھی مولانا سے الگ ہوتے تو بار بار یاد فرماتے تھے) جب مولوی یحییٰ صاحب آئے تو مولانا نے فرمایا ؎

مت آئیو او وعدہ فراموش تو اب بھی ⁂ جسطرح کٹا روز گذر جائیگی شب بھی

(منقول از اشرف التنبیہ) (از تحریراتِ بعض ثقات)

اضافہ از احقر ظہور الحسن کسولوی غفرلہ ولوالدیہ

حکایت (۳۴۸) ایک بار حضرت امامِ ربانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

نے) فرمایا کہ شیخ عبدالقدوسؒ عشاء سے فجر تک ذکر جہر کیا کرتے تھے۔ آخر اسقدر غلبہ ہوگیا کہ صاحبزادے آتے تو شیخ ان کا نام دریافت فرماتے تھے وہ نام بتاتے اس سے آگے کچھ عرض کرنے نہ پاتے تھے کہ شیخؒ پھر مستغرق ہوجاتے تھے۔ اسی طرح کئی کئی بار سوال وجواب کے بعد کلام کی نوبت پہنچتی تھی۔

حکایت (۳۳۹) ایک روز فرمایا گنگوہ کے لوگوں نے حضرت شیخ عبدالقدوسؒ کی خدمت میں بمقام شاہ آباد ضلع انبالہ ایک عریضہ اس مضمون کا بھیجا کہ شاہی عامل گنگوہ میں بغرض بندوبست اراضی آیا ہوا ہے حضور تشریف لاکر اپنی اراضی جو ڈابر کے قریب ہے، اپنے نام درج کرالیں۔ حضرت شیخ نے اس کا جواب لکھا کہ "بندگانِ خدا را از خلقِ خدا چہ کار"۔

حکایت (۳۴۰) ایک روز فرمایا کہ شاہ ابوسعید گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بغرضِ بیعت شاہ نظام الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بلخ تشریف لے گئے۔ شاہ نظام رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع ہوئی کہ صاحبزادہ تشریف لاتے ہیں تو ایک منزل پر آکر استقبال کیا اور بہت اعزاز واکرام کیساتھ لیکر بلخ پہنچے۔ وہاں پہنچ کر صاحبزادہ صاحب کی خوب خوب خاطریں کیں۔ ہر روز نئے نئے اور لذیذ سے لذیذ کھانے پکواکر کھلاتے ان کو مسند پر بٹھاتے خود خادموں کی جگہ بیٹھتے۔ آخر جب شاہ ابوسعید نے اجازت چاہی کہ وطن واپس ہوں تو شاہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سی اشرفیاں بطور نذر پیش کیں۔ اسوقت شاہ ابوسعید نے عرض کیا کہ حضرت اس دنیوی دولت کی مجھے ضرورت نہیں ہے نہ اس کیلئے میں یہاں آیا مجھے تو وہ دولت چاہئے

عہ حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے قلب کو اول میں ذکر جہر سے جو زیادہ وحشت ہے تو اب مجھ کو مہلت نہیں دیتا ۱۲ منہ قدس سرہ

جو آپ ہمارے یہاں سے لیکر آئے ہیں"۔ بس اتنا سننا تھا کہ شاہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ آنکھ بدل گئے اور جھڑک کر فرمایا کہ جاؤ طویلہ میں جا کر بیٹھو اور کتوں کے دانہ راتب کی فکر رکھو۔ غرض یہ طویلہ آئے، شکاری کتے ان کی تحویل میں دے دیئے گئے کہ روز نہلائیں دھلائیں اور صاف ستھرا رکھیں۔ کبھی حمام جھکوایا جاتا اور کبھی شکار کے وقت شیخ گھوڑے پر سوار ہوتے اور یہ کتوں کی زنجیر تھامکر ہمراہ چلتے۔ آدمی سے کہہ دیا گیا کہ یہ شخص جو طویلہ میں رہتا ہے اس کو دو روٹیاں جَو کی دونوں وقت گھر سے لا دیا کرو۔ اب شاہ ابو سعید صاحبؒ جب کبھی حاضر خدمت ہوتے تو شیخ نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتے۔ چماروں کیطرح دور بیٹھنے کا حکم فرماتے اور التفات بھی نہ فرماتے تھے کہ کون آیا اور کہاں بیٹھا۔ تین چار ماہ بعد ایکروز حضرت شیخ نے بھنگن کو حکم دیا کہ آج طویلہ کی لید اکٹھی کر کے لے جائے تو اس دیوانے کے پاس سے گذریو جو طویلہ میں بیٹھا رہتا ہے۔ چنانچہ شیخ کے ارشاد کے بموجب بھنگن نے ایسا ہی کیا پاس سے گذری کہ کچھ نجاست شاہ ابو سعید پر پڑی۔ شاہ ابو سعید کا چہرہ غصہ سے لال ہوگیا۔ تیوری چڑھا کر بولے "نہ ہوا گنگوہ، ورنہ اچھی طرح مزہ چکھاتا"۔ غیر ملک ہے شیخ کے گھر کی بھنگن ہے اسلیے کچھ نہیں کر سکتا"۔ بھنگن نے قصہ حضرت شیخ سے عرض کر دیا۔ حضرت نے فرمایا "ہاں ابھی بو ہے صاحبزادگی کی"۔ پھر دو ماہ تک خبر نہ لی۔ اسکے بعد بھنگن کو حکم ہوا کہ آج پھر ویسا ہی کرے بلکہ قصداً کچھ غلاظت شاہ ابو سعید پر ڈالکر جوابؒ سنے کہ کیا ملتا ہے۔ چنانچہ بھنگن نے پھر ارشاد کی تعمیل کی۔ اسمرتبہ شاہ ابو سعید نے کوئی کلمہ زبان سے نہیں نکالا ہاں تیز اور ترچھی نگاہ سے اسکو دیکھا اور گردن جھکا کر خاموش ہو رہے۔ بھنگن نے آکر حضرت شیخ سے عرض کیا کہ آج تو میاں کچھ بولے نہیں تیز نظروں سے دیکھ کر چپ ہو رہے۔ حضرت

شیخ نے فرمایا "ابھی کچھ بُو باقی ہے"۔ پھر دو چار ماہ بعد بھنگن کو حکم دیا کہ "اس مرتبہ لید گوبر کا بھرا ہوا ٹوکرہ سر پر پھینک ہی دیجیو کہ پاؤں تک بھر جائیں"۔ چنانچہ بھنگن نے ایسا ہی کیا۔ مگر اب شاہ ابوسعید بن چکے تھے جو کچھ بننا تھا اسلئے گھبرا گئے اور گڑگڑا کر کہنے لگے "مجھ سے ٹھوکر کھا کر بیچاری گر گئی کہیں چوٹ تو نہیں لگی"۔ یہ فرما کر گری ہوئی لید جلدی جلدی اٹھا کر ٹوکرہ میں ڈالنی شروع کی کہ لائیں بھر دوں"۔ بھنگن نے قصہ حضرت شیخ سے آکر کہا کہ آج تو میاں جی غصہ کی جگہ اُلٹے مجھ پر ترس کھانے لگے اور لید بھر کر میرے ٹوکرے میں ڈالدی۔ شیخ نے فرمایا "بس اب کام ہو گیا"۔ اُسی دن شیخ نے خادم کی زبانی کہلا بھیجا کہ آج شکار کو چلیں گے، کُتّوں کو تیار کر کے ہمراہ ہونا۔ شام کو شیخ گھوڑے پر سوار خدام کا مجمع ساتھ جنگل کیطرف چلے۔ شاہ ابوسعید کتوں کی زنجیر تھامے پا برکاب ہمراہ ہو لئے۔ کتے تھے زبردست شکاری، کھاتے پیتے توانا، اور ابوسعید بیچارے سوکھے بدن کمزور، اسلئے کتے ان کے سنبھالے سنبھلتے نہ تھے۔ بہتیرا کھینچتے روکتے مگر وہ قابو سے باہر ہوئے جاتے تھے۔ آخر انہوں نے زنجیر اپنی کمر سے باندھ لی۔ شکار جو نظر پڑا تو کتے اُسپر لپکے۔ اب شاہ ابوسعید بیچارے گر گئے اور زمین پر گھسٹتے کتوں کے کھینچے کھینچے چلے جاتے تھے کہیں اینٹ لگی کہیں کنکر چبھی بدن سارا لہولہان ہو گیا مگر انہوں نے اُف نہ کی۔ جب دوسرے خادم نے کتوں کو روکا اور ان کو اٹھایا تو یہ تھر تھر کانپے کہ حضرت خفا ہونگے اور فرمائیں گے حکم کی تعمیل نہ کی، کتوں کو روکا کیوں نہیں؟ شیخ کو تو امتحان منظور تھا سو ہو لیا۔ اُسی شب شیخ نے اپنے مرشد قطب العالم شیخ عبدالقدوس کو خواب میں دیکھا کہ رنج کیساتھ فرماتے ہیں "نظام الدین میں نے تو تجھ سے اتنی کڑی محنت نہ لی تھی جتنی تو نے میری اولاد سے لی"۔ صبح ہوتے ہی شاہ

نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کو طویلہ سے بلاکر چھاتی سے لگالیا۔ اور فرمایا کہ خاندانِ چشتیہ کا فیضان میں ہندوستان سے لیکر آیا تھا، تم ہی ہو جو کہ میرے پاس سے اس فیضان کو ہندوستان لیے جاتے ہو مبارک ہو وطن جاؤ۔ عرض مجاز حقیقت بناکر ہندوستان واپس فرمایا۔

حکایت (۳۴۱) ایکروز فرمایا کہ یہ جبہ جو سجادہ صاحب کے یہاں رکھا ہوا ہے حضرت شیخ عبدالقدوسؒ نے پچاس سال تک زیب تن رکھا ہے۔ بعض لوگوں نے حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کیا کہ فقیری کوئی پرانے کپڑے پر نہیں ہے کہ آپ اسپر پیوند پر پیوند لگاتے جاتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا بخدا مجھے حلال کمائی کا کوئی کپڑا دستیاب نہیں ہوتا جسکو پہنوں اور اسے اُتار دوں۔ آخر آپ کے چند خدام حضرت جلال تھانیسری وغیرہ نے مزدوری کر کے چوبیس ٹکے اکٹھے کئے اور اس کا کپڑا مول لیا جس میں سے ایک پاجامہ اور ایک کرتہ بنایا ان کو شیخ نے پہن لیا، پھر جب یہ پرانے ہو گئے تو انپر پیوند پر پیوند لگانے شروع کر دیئے۔ پھر بعد میں کوئی کپڑا نہیں بنایا۔

حکایت (۳۴۲) ایک دن ارشاد فرمایا کہ شاہ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک رسالہ میں تحریر فرمایا ہے کہ الحمد للہ میرے زمانہ میں ایک بزرگ ہیں شاید متقدمین میں بھی ایسا مجاہدہ کرنیوالا کوئی نہ ہوا ہو۔ چالیس سال سے ہر روز صرف ایک بادام کھاتے ہیں اسی پر گذارا ہے۔ اسکے سوا دنیا کی کوئی چیز نہیں کھاتے"۔

حکایت (۳۴۳) ایکبار ارشاد فرمایا کہ شاہ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ نے تمام عمر فاقہ پر فاقے اٹھائے ہیں۔ صاحبزادے بھوک کے مارے بلکتے چیختے اور روتے تھے ان کی والدہ بہلانے کے واسطے چولھے پر خالی ہانڈی چڑھا دیتیں اور

جب بچے بھوک سے بیتاب ہو کر کھانے کا تقاضا کرتے تو ان کو چمکارتیں اور تسلّی دیکر فرماتی تھیں دیکھو چولھے پر کیا چڑھا ہوا ہے گھبرائے کیوں جاتے ہو۔ جب تمہارے والد آئیں گے ان کیساتھ کھانا کھائیو۔ بچے روتے ہوئے حضرت کی خدمت میں حسا ضر ہوتے اور مچلتے ہوئے کہتے کہ جلدی چلو ہمیں گھر پر چل کر کھانا کھلاؤ۔ حضرت اُن کے ہمراہ گھر میں تشریف لاتے اور بیٹھ کر خود بھی ان کیساتھ آبدیدہ ہوتے اور یوں فرمایا کرتے تھے کہ میرے گناہوں کے باعث ان معصوم بچوں پر بھی مصیبت آئی۔ یہی قصہ دن میں دو چار دفعہ ہوتا تھا۔

حکایت (۳۴۴) ایک مرتبہ فرمایا کہ شیخ عبد القدوس رحمۃ اللہ علیہ عشاء کی نماز کے بعد ذکر بالجہر کرنے بیٹھتے اور صبح تک کرتے تھے۔ سو جسکا ذکر اتنا لمبا ہو اسکا حال کتنا لمبا ہوگا۔

حکایت (۳۴۵) ایک بار آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اور میرے گھر کے لوگوں نے فاقے اٹھائے مگر بحمد اللہ میں نے کبھی قرض نہیں لیا۔

اُستاذ العلماء جناب مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی صدر مدرس دار العلوم دیوبند قدس اللہ سرہٗ کی حکایات

حکایت (۳۴۶) خانصاحب نے فرمایا کہ جس زمانہ میں ملکہ کی تاجپوشی کا جلسہ ہوا اس زمانہ میں مولوی محمد یعقوب صاحب دہلی میں تھے اور اکثر غائب رہتے تھے۔ میں نے دریافت کیا کہ حضرت آپ کہاں غائب رہتے ہیں۔ فرمایا مجھے حکم ہوا ہے[۱]

---

[۱] یہ شان اقطاب التکوین کی ہوتی ہے۔ بعض مقبولین کو قطبیت ارشادیہ کیساتھ قطبیت تکوینیہ کا مرتبہ بھی عطا ہوتا ہے اور مولانا کی قطبیت ارشادیہ میں کلام ہو ہی نہیں سکتا۔ (اشرف علی)

کہ دہلی میں جس جس جگہ تمہارا قدم جائیگا ہم اُس جگہ کو آباد کر دینگے ہیں اسلئے اکثر شہر اور حوالی شہر میں گشت کیا کرتا ہوں تاکہ ویران مقامات آباد ہو جاویں۔ خانصاحب نے فرمایا کہ اس جلسہ میں مولوی عبدالحق صاحب مؤلف تفسیر حقانی اور مولوی فخر الحسن گنگوہی بھی موجود تھے اور مولوی عبدالحق صاحب نے اس مقام کے آباد ہونے کی کیفیت مولوی ناظر حسن صاحب سے بیان کی اور کہا کہ جس جگہ اس زمانہ میں دربار ہوا تھا اور جہاں جہاں مولوی محمد یعقوب صاحب پھرے تھے وہ جگہ اکثر آباد ہو گئی ہے۔

حکایت (۳۴۷) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہٗ چھتہ کی مسجد میں انار کے نیچے بیٹھے ہوئے وضو کر رہے تھے اور میں پیچھے کھڑا تھا۔ آپ مجھ سے باتیں کر رہے تھے۔ حکیم عبدالسلام ملیح آبادی ابن جناب مفتی حسین احمد صاحب (مفتی صاحب حدیث میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے شاگرد اور اچھے شاگردوں میں تھے اور شاہ غلام علی صاحب سے مستفیض تھے) حاجی محمد عابد صاحب سے باتیں کر رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ ایک میرے دوست لکھنؤ کے باشندے نصف مجذوب مکہ معظمہ کو ہجرت کر گئے تھے۔ جب میرا مکہ جانیکا اتفاق ہوا تو واپسی کیوقت انہوں نے بہت شد و مد سے یہ فرمایا کہ تم یہیں رہو ہندوستان مت جاؤ اسواسطے کہ وہاں انقلاب ہو رہا ہے جو غدر سابق سے بڑھ کر ہوگا۔ یہ سُنکر جناب مولوی محمد یعقوب صاحب نے چونک کر اور پیچھے کو مُڑ کر اُن کیطرف دیکھا اور فرمایا کہ وہ کون ہیں اور اُن کو ہندوستان سے کیا تعلق ہے ہندوستان ہمارا ہے یا اُن کا۔ یہاں کچھ نہیں ہونے کا۔ رات کو اِکی دن کو اُنکی رات کو اِنکی دن کو اُنکی (یہ فقرہ کئی بار فرمایا) بوریا لپیٹ جائیگا۔ جھاڑو پھر جائے گی، کسی قسم کا غدر نہیں ہوگا۔ اسپر حاجی محمد عابد صاحب نے حکیم عبدالسلام

ف یہ اسی شانِ قطبیت کی فرع ہے۔ (اشرف علی)

سے کہا کہ سن لو یہ ہمارے مجذوب ہیں۔

حکایت (۳۸۴) خانصاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ صبح کے وقت جناب مولوی محمد یعقوب صاحب مدرسہ میں اپنی درسگاہ میں پریشان اور خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ اور چند دوسرے اشخاص بھی اسوقت پہنچ گئے۔ مولانا نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اُفوہ رات مجھ سے بڑی غلطی ہوگئی میں نے حق تعالیٰ سے کچھ عرض کیا حضور نے (کچھ جواب) ارشاد فرمایا۔ میں نے پھر کچھ عرض کیا (جو کہ ظاہراً گستاخی میں داخل تھا۔) اسکے جواب میں ارشاد ہوا کہ بس چپ رہو بکو مت۔ ایسی گستاخی۔ یہ سن کر میں خاموش ہوگیا اور بہت کچھ استغفار اور معذرت کی بالآخر میرا قصور معاف ہوگیا۔ اسکے بعد آسمان سے ایک پیڑھا یا کھٹولا (یہ مجھے یاد نہیں کہ آپنے کیا فرمایا تھا) اُترا جسکی پٹیاں سیرو پاوے سب الگ الگ تھے) میں نے عرض کیا کہ حضور میں سمجھ گیا۔ حضور نے فرمایا، ہاں انتہا کلامہ الشریف۔ خاں صاحب نے فرمایا یہ وہ زمانہ تھا جس زمانہ میں حضرت مولانا نانوتوی بمرض الموت علیل تھے۔ مولوی فخر الحسن نے اس واقعہ کو حضرت مولانا کی خدمت میں بیان کیا تو آپ گھبرا کر اُٹھ بیٹھے اور گھبرا کر فرمایا کہ افّو مولوی محمد یعقوب نے ایسا کہا، توبہ توبہ توبہ بھائی یہ انہی کا کام تھا کیونکہ وہ مجذوب ہیں۔[1] اگر ہم ایسی گستاخی کرتے تو ہماری تو گردن نپ جاتی۔

حکایت (۳۸۹) خانصاحب نے فرمایا کہ حاجی منیر خانصاحب خانپوری (یہ صاحب مولوی محمد یعقوب صاحب برادر خورد جناب مولوی محمد اسحاق صاحب ملقب بہ چھوٹے میاں صاحب سے بیعت تھے) اور فیض محمد خانصاحب نواب وتاولی اور

---

[1] بعض مراتب مجذوبیت میں ایسے اقوال داخل ادلال ہو کر عفو فرما دیے جاتے ہیں اور بعض مجاذیب ایسے بھی ہوتے ہیں جن پر جذب کا اثر کسی وقت ہوتا ہے۔ احقر نے خود مولانا سے سنا ہے کہ ایک بار خط لکھ کر میں نے دستخط کرنا چاہا تو اپنا نام بھول گیا۔ بجز جذب کے اور اس کا کیا سبب ہو سکتا ہے۔ (اشرف علی)

میاں جی محمدی صاحب (یہ میرے اُستاد اور سید صاحب سے بیعت تھے) اور اورنگ آباد کے رہنے والے تھے) اور نواب قطب الدین خاں صاحب اور میاں رحیم داد صاحب خورجوی اور مولوی محمد یعقوب صاحب نانوتوی یہ لوگ ہیں نے ایسے دیکھے جن کی ولایت کے لیے کسی ثبوت کی ضرورت نہ تھی بلکہ اُنکے چہروں ہی سے دیکھنے والوں کو معلوم ہوجاتا تھا کہ یہ حضرات اولیاء اللہ ہیں۔ اسپر میں ایک بات سُناتا ہوں۔ مراد آباد کی شاہی مسجد میں ایک صاحب امام تھے۔ مجھ سے اُنسے بہت ملاقات تھی۔ اور وہ مجھ سے بہت محبت کرتے تھے۔ قرآن بہت اچھا پڑھتے تھے۔ حج بھی بہت کیے تھے مگر ہمارے بزرگوں کیساتھ اُن کو عقیدت نہ تھی بلکہ کچھ سوءِ عقیدت تھی۔ ایک روز کسی پنجابی صاحب کے یہاں مولوی محمد یعقوب صاحب قدس سرہٗ کی دعوت تھی۔ دعوت میں میں بھی شریک تھا اور وہ امام صاحب بھی۔ اور ہم لوگ دروازہ کے قریب بیٹھے تھے۔ جب کھانے سے فراغت ہوچکی تو ہم دونوں باہر آکر کھڑے ہوگئے۔ تھوڑی دیر میں مولانا محمد یعقوب صاحب کسی سے باتیں کرتے ہوئے اور مسکراتے ہوئے نکلے۔ امام صاحب نے جو مولانا کی صورت دیکھی تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور کہا کہ مجھے ان حضرات سے ناحق بد اعتقادی تھی۔ انکی نورانی صورت[1] ان کی ولایت پر خود شاہد ہے۔ ایسی نورانی صورت خدا کے خاص بندوں کے سوا دوسروں کی نہیں ہوسکتی۔ اور اُنپر اسوقت ایک حالت طاری ہوئی جس سے وہ بیتاب ہوگئے اور ہائے ہائے کہتے ہوئے انہوں نے مولانا کے قدم پکڑ لیے اور بہت روئے۔

حکایت (۳۵۰) مولوی محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب مراد آباد میں

[1] قال الرومی ؎ نورِ حق ظاہر بود اندر ولی ٭ نیک بیں باشی اگر اہلِ دلی

قال الکاندھلوی فی ترجمہ ؎

مردِ حقانی کی پیشانی کا نور ٭ کب چھپا رہتا ہے پیشِ ذی شعور (اشرف علی)

تشریف لاتے تو ہیں اور حافظ عطاء اللہ چھتاری سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے نواب محمود علی خاں کی بہت آرزو تھی کہ ایک مرتبہ مولوی محمد یعقوب صاحب چھتاری تشریف لاویں۔ مولانا نے فرمایا کہ ہم نے سنا ہے کہ جو مولوی نواب صاحب کے یہاں جاتا ہے۔ نواب صاحب اسکو سو روپے دیتے ہیں۔ ہمیں وہ خود بلاتے ہیں اس لئے شاید دو سو دیدیں۔ سو دو سو روپے ہمارے کے دن کے ہم وہاں جاکر مولویت کے نام کو دھبہ نہ لگا دیں گے۔ (منقول از امیر الروایات)

حکایت (۳۵۱) فرمایا کہ ہمارے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایکمرتبہ ظرافت سے فرمایا کہ دیکھو بھائی ستمبر کا نام کریما میں بھی آیا ہے اور یہ شعر پڑھا ؎ ستمبر ضعیفان مسکین مکن۔ الخ

حکایت (۳۵۲) فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے تھے کہ قرآن و حدیث کا مدلول جو بے تکلف ماہر کے ذہن میں آجائے وہ صحیح ہے اور اسکے بعد اپنے اہواء کی نصرت ہے۔

حکایت (۳۵۳) فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مُہر املی کے بیج کے برابر تھی۔ لوگوں نے کہا کہ ذرا بڑی مُہر بنوا لیجئے۔ مولانا نے فرمایا کیا ہوگا یہ چھوٹی سی ہی ایسی ہے کہ اوّل اسکو تلاش کرتے ہیں جہاں یہ نہ ہو بڑی بڑی مُہریں اینٹ سی اینٹ سی بیکار سمجھی جاتی ہیں۔

حکایت (۳۵۴) فرمایا کہ ہمارے مولانا محمد یعقوب صاحبؒ مزاح میں فرماتے تھے کہ ولی ہونے میں تو میرے شک نہیں مگر بگاڑنے کا ولی ہوں سنوارنے کا نہیں۔

حکایت (۳۵۵) فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے مولوی مظہر الدین

نامی نے جو میرے ساتھ موجز میں شریک تھے اور ریاست رامپور کے رہنے والے تھے، ایک قصہ اپنے شہر کا بیان کیا کہ وہاں ایک شخص پر ایسا قبض شدید طاری ہوا کہ انہوں نے خودکشی کا ارادہ کرلیا اور کچھ تعجب نہیں ؎

بے دوست زندگانی ذوقِ چناں ندارد ٭ ذوقِ چناں ندارد بے دوست زندگانی

بیچارے فن سے ناواقف تھے اسلیئے وارد کی حقیقت کو نہ سمجھے مولوی ارشاد حسین صاحب کے پاس پہنچے اسوقت وہ مثنوی پڑھا رہے تھے۔ انہوں نے پوچھا تم کون ہو۔ انہوں نے کہا شیطان ہوں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ اگر شیطان ہو تو لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ یہ سنکر وہ سیدھے اٹھے ہوئے قیامگاہ کو چلے گئے اور یہ سمجھ گئے کہ انکو ایک شیخ کا بھی یہی فیصلہ ہے واقعی میں ایسا ہی ہوں۔ اپنے وجود ناپاک سے دنیا کو پاک کر دینا چاہیئے۔ مرید سے بلاکر کہا کہ میں اپنا گلا کاٹوں گا اگر کچھ باقی رہجائے تو تم تکمیل کر دینا۔ چنانچہ انہوں نے حجرہ میں جاکر اپنی گردن کاٹ لی۔ جب وہ مرچکے تو مرید بھلے مانس نے جو حصہ باقی رہگیا تھا اُسکو بھی علیحدہ کر دیا۔ پولیس نے مُرید کو گرفتار کرلیا۔ نواب صاحب والئ ریاست رامپور کے یہاں مقدمہ پیش ہوا۔ اُس نے سارا قصہ بیان کر دیا۔ مولوی ارشاد حسین صاحب کو خبر ہوئی اور انہوں نے اس واقعہ کی تصدیق کی۔ نوابصاحب نے اس مُرید کو چھوڑ دیا۔ ہمارے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قصہ سُنکر یوں فرمایا کہ ان کو یہ جواب دینا چاہیئے تھا کہ اگر شیطان ہو تب بھی کیا حرج ہے۔ شیطان بھی تو انہی کا ہے اس سے نسبت کہاں منقطع ہوئی اس سے قبض جاتا رہتا۔ کسی نے ہمارے حضرت سے عرض کیا کہ نسبت تو مقبولیت کی مطلوب ہے نہ کہ مردودیت کی۔ فرمایا یہ انکا علاج تھا۔ اُس سے اُنکا قبض جاتا رہتا۔ ایسے وقت

حقیقت کیطرف نظر نہیں جاتی ہے مخاطب کی خصوصیت کے اعتبار سے علاج کیا جاتا ہے۔ اور اس رمز کو مصلحین خوب سمجھتے ہیں۔

حکایت (۳۵۶) فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ پڑھنے کا جسقدر شوق ہو اس سے کچھ کم پڑھنا چاہیئے۔ شوق کو باقی چھوڑ دے اور مثال میں فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو جب چکیٔ پر تھوڑا آٹا لگا رہجاتا ہے تو پھر لوٹ آتی ہے اور جب بالکل نہیں رہتا تو نہیں لوٹتی۔

حکایت (۳۵۷) فرمایا کہ ہمارے مولانا محمد یعقوب صاحبؒ ماہانہ امتحان نہ لیتے تھے۔ جب مہینہ ختم ہوتا تو پرچہ امتحان کا منگا کر بلا امتحان ہی سب کے نمبر لکھدیتے تھے۔ ایک طالب علم نے عرض کیا کہ حضرت بلا امتحان ہی نمبر لکھدیتے ہیں۔ فرمایا مجھے سب کی لیاقت معلوم ہے۔ (مالک اپنے بچھڑے کے دانت خوب جانتا ہے) اور اگر کہو تو لاؤ سب کا امتحان لیلوں۔ مگر یاد رکھو کہ اس سے کم ہی نمبر آئینگے۔ مولانا کا رعب بہت تھا سب طالب علم چُپ ہی جو ہو گئے۔

حکایت (۳۵۸) فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب کے سبق پڑھانیکے اندر آنسو کثرت سے جاری ہو جاتے تھے۔ ایک دفعہ ہم نے چاہا کہ مولانا سے مثنوی شروع کریں تو مہتمم صاحب نے فرمایا کہ انہیں مدرسہ میں بیٹھنے دو گے یا نہیں اگر مثنوی پڑھانے لگے تو جنگلوں کو نکل جائینگے آگ بھڑک اٹھے گی۔

حکایت (۳۵۹) فرمایا کہ ایک مرتبہ اجمیر میں مولانا محمد یعقوب صاحبؒ صبح کی نماز کو تشریف لا رہے تھے۔ راستہ میں کان میں بھڑبھونجوں کے دھان کوٹنے کی آواز آئی۔ بس مولانا کو وہیں وجد ہو گیا

کسانیکہ یزداں پرستی کنند ٭ بر آوازِ دولاب مستی کنند

حکایت (۳۶۰) فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا محمد یعقوب صاحب چھتہ کی مسجد میں وضو فرما رہے تھے کہ ایک طرف سے کسی غمزدہ عورت کے رونے کی آواز آئی۔ بس وہیں وضو کرتے کرتے اس غمزدہ کی گریہ سے مولانا کی حالت بدل گئی۔

حکایت (۳۶۱) فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے صاحبزادے مولوی علاؤالدین صاحب میرے ساتھ پڑھے ہیں اور میرا ایسا تھا ہی دستار بندی ہوئی ہے۔ اگر زندہ ہوتے تو مولانا کے جانشین ہوتے۔ امتحان میں اُن کے نمبر مجھ سے کم تھے۔ لوگ یہ چاہتے تھے کہ چونکہ یہ مولانا کے صاحبزادے ہیں اس لئے دستار بندی میں مجھ سے ان کی (یعنی مولوی علاؤالدین کی) تقدیم ہو جائے اس پر حضرت مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ یہ نہیں ہو سکتا۔ جس کا استحقاق ہے وہی ہوگا۔

حکایت (۳۶۲) فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے مولوی علاؤالدین کا انتقال خاص بقر عید کے روز ہوا ہے۔ نماز سے پہلے اُن کی بہت غیر حالت تھی۔ جب نماز کا وقت آیا تو مولانا یہ کہہ کر کہ اللہ کے سپرد واللہ خاتمہ بالخیر کرے نماز میں پہنچ گئے نماز میں دیر نہ کی۔ حالانکہ مولانا کی وجاہت ایسی نہ تھی کہ اگر کتنی ہی دیر فرماتے تب بھی لوگوں کو گراں نہ ہوتا مگر ایسا نہیں کیا وقت پر پہنچے۔

حکایت (۳۶۳) فرمایا کہ جس زمانہ میں دیوبند میں وبا پھیلی ہے، تو اس زمانہ وبا میں مولانا محمد یعقوبؒ کے گھرانے کے چودہ آدمی مرے تھے مگر مولانا بہت ہی متحمل رہے ذرا تزلزل اپنے اندر نہیں آنے دیا۔ البتہ ایک دفعہ تو وضو کرتے ہوئے میں نے یہ شعر پڑھتے ہوئے سُنا تھا کہ آپ ایک خاص شان سے اسکو پڑھ رہے تھے۔

غیر تسلیم و رضا کو چارۂ ❊ در کفِ شیرِ نر خونخوارۂ

حکایت (۳۶۴) فرمایا کہ جس زمانہ میں دیوبند میں ہیضہ پھیلا ہے تو اس زمانہ میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے ایک پیشین گوئی کی تھی اور لوگوں سے فرمایا تھا کہ یہاں ایک وبا آنیوالی ہے۔ اگر ہر چیز میں سے صدقات کئے جاویں تو اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ یہ بلا ٹل جاوے۔ بعض اہلِ دیوبند نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ مدرسہ میں کچھ ضرورت ہوگئی ہے۔ اسکی خبر کسی نے مولانا کو کردی تو مولانا کو اس پر بہت غیظ آیا اور فرمایا کہ یعقوب اور یعقوب کی اولاد اور سارا دیوبند، یعقوب اور یعقوب کی اولاد اور سارا دیوبند۔ اس جملہ کو چند بار تکرار فرمایا۔ اسوقت حاجی محمد عابد صاحبؒ حجرہ کے اندر بیٹھے ہوئے اس کلمہ کو سُن رہے تھے۔ وہ گھبرا کر باہر نکلے اور کہنے لگے کہ حضرت کیا فرما رہے ہو۔ مولانا نے دریافت فرمایا کہ کیا کہا ہے۔ حاجی محمد عابد صاحب نے وہی جملہ سُنا دیا کہ یوں فرما رہے تھے۔ مولانا نے فرمایا کہ اب تو یوں ہی ہوگا۔ اسکے بعد اس کثرت سے وبا پھیلی کہ بیس بیس پچیس پچیس جنازوں کی نماز ایک دفعہ ہوتی تھی۔ پس دیوبند خالی ہی ہوگیا۔ جب یہ وبار ختم ہوگئی تو آسمان کیطرف دیکھ کر فرمایا کہ میں تو سمجھا تھا کہ میرا بھی وقت آگیا، کیا ابھی دیر ہے۔ بس اسکے بعد اپنے وطن نانوتہ پہنچے اور وہیں جاکر مبتلائے مرض ہو کر واصل بحق ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حکایت (۳۶۵) فرمایا کہ مولوی معین الدین صاحب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ وہ حضرت مولانا کی ایک کرامت (جو بعد وفات واقع ہوئی) بیان فرماتے تھے کہ ایکمرتبہ ہمارے نانوتہ میں جاڑہ بخار

کی بہت کثرت ہوئی۔ سو جو شخص مولانا کی قبر سے مٹی لیجا کر باندھ لیتا اُسے ہی آرام ہو جاتا۔ بس اس کثرت سے مٹی لیگئے کہ جب ہی قبر پر مٹی ڈلواؤں تب ہی ختم۔ کئی مرتبہ ڈال چکا۔ پریشان ہو کر ایک دفعہ میں نے مولانا کی قبر پر جا کر کہا (یہ صاحبزادہ بہت تیز مزاج تھے) کہ آپ کی تو کرامت ہوئی اور ہماری مصیبت ہو گئی یاد رکھو کہ اگر ابکے کوئی اچھا ہوا تو ہم مٹی نہ ڈالینگے۔ ایسے ہی پڑے رہیو لوگ جوتہ پہنے تمہارے اوپر ایسے ہی چلینگے۔ بس اسی دن سے پھر کسی کو آرام نہ ہوا جیسے شہرت آرام کی ہوئی تھی ویسے ہی یہ شہرت ہو گئی کہ اب آرام نہیں ہوتا۔ پھر لوگوں نے مٹی لیجانا بند کر دیا۔

حکایت (۲۶۶) فرمایا کہ میرٹھ مطبع مجتبائی میں ایک مقام پر مولانا محمد یعقوب اور مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہما ایک جگہ ہی ٹھہرے ہوئے تھے مگر مولانا نانوتوی تو نیچے کے درجہ میں تھے اور مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ اوپر کے درجہ میں تھے کہ ایک رنڈی اپنی چھوکری کو جو سیانی تھی اپنے ہمراہ لائی اور مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ سے (چونکہ مولانا محمد قاسمؒ بہت مشہور تھے اور مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ اسقدر مشہور نہ تھے کسی نے اُن ہی کا پتہ دیدیا) عرض کیا کہ یہ میری چھوکری ہے اور مدت سے بیمار چلی جارہی ہے۔ میری اوقات بسر اسی پر ہے۔ آپ اسے تعویذ یا دُعا کر دیجئے۔ (مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے یوں چاہا کہ نہ تو میری وضع میں فرق آئے نہ اسکی دلشکنی ہو) اس سے فرمایا کہ اوپر ایک بزرگ ہیں تم اُن کے پاس لیجاؤ۔ یہ اوپر پہنچی۔ مولانا محمد یعقوب نے پوچھا کیا بات ہے۔ اُسنے عرض کیا کہ میری یہ لڑکی ہے اسکو مرض ہے اور میری اسی پر کمائی ہے آپ دعا یا تعویذ کر دیجئے۔ مولانا محمد یعقوب نے نہ معلوم دعا کی یا تعویذ دیا اور اسے رخصت کر کے نیچے تشریف لائے اور پوچھا کہ اُسے کس

نے بھیجا ہے؟ مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ خاموش ہو گئے۔ تو فرمانے لگے کہ بڑے متقی نکلے۔ اپنے تقویٰ کی اسقدر حفاظت اور میرے پاس خلوت میں بازاری عورت کو بھیج دیا۔ اپنے نفس پر کس کو اعتماد ہے۔ خدا کے فضل سے اس کی چھوکری کو آرام ہو گیا تو وہ مٹھائی لائی اور سیدھی اوپر مولانا کے پاس پہنچی اور ہاتھ جوڑ کر کہا کہ حضرت آپکی دعا سے میری لڑکی کو صحت ہو گئی، یہ مٹھائی شکریہ میں لائی ہوں۔ مولانا نے فرمایا رکھدو چنانچہ وہ رکھ کر چلی گئی۔ مولانا نیچے تشریف لائے اور فرمایا کہ حرام کمائی کی ہے اسکا کھانا حرام ہے۔ مساکین کا حق ہے اغنیار کا حق نہیں۔ جسکا دل چاہے لیلے (ہمارے حضرت نے فرمایا دیکھئے شریعت و طریقت سب جمع کر دی)

حکایت (۳۶۷) فرمایا کہ ایکمرتبہ میں نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے عرض کیا کہ حدیث میں جو آیا ہے کہ قیامت کے دن جب جنت نہ بھرنے کی شکایت کریگی تو اللہ تعالیٰ ایک مخلوق پیدا کریگا اور اسے بلا عمل جنت میں داخل کریگا تو یہ لوگ تو بڑے مزے میں ہونگے۔ فرمایا انہیں کیا خاک مزہ ہوگا وہ راحت کا لطف کیا اٹھائینگے۔ جو راحت بعد کلفت کے حاصل ہو اس میں لذت ہوتی ہے۔ جنت میں آرام و چین ہمکو ہوگا جو مختلف شدائد و آلام، مصائب و نوائب جھیلے ہوئے ہیں ؎

اے ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست ❊ حال شیرانے کہ شمشیر بلا بر سر خورند (جامیؒ)

حکایت (۳۶۸) فرمایا کہ ایک مشہور شعر ہے ؎

اہلِ دنیا کافرانِ مطلق اند ❊ روز و شب در زق زق و در بق بق اند

ہمارے مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ اس شعر کی شرح یوں فرماتے تھے

کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ مولانا نے اہلِ دنیا کو کافر کہا ہے بلکہ کافرانِ مطلق کو اہلِ دنیا کہا ہے۔ یعنی پورے اہلِ دنیا وہی ہیں جو کافر ہیں۔ حاصل یہ کہ اہلِ دنیا بتدار اور کافرانِ مطلق خبر نہیں بلکہ اس کا عکس ہے۔ (منقول از اشرف التنبیہ)

از اضافہ مولانا محمد نبیہ صاحب ٹانڈمی

حکایت (۳۶۹) ایکمرتبہ مولانا محمد یعقوبؒ گنگوہ تشریف لائے۔ مغرب کی جماعت کھڑی تھی اور غالباً مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ امامت کیلئے مصلّٰی پر پہنچ گئے تھے۔ مولانا محمد یعقوبؒ کو دیکھ کر مولانا پیچھے تشریف لے آئے اور ان کو امام بنایا۔ مولانا محمد یعقوبؒ چونکہ سفر سے آرہے تھے پاؤں پر کچھ گرد تھی۔ مولانا گنگوہیؒ نے رومال لیکر آپ کے پاؤں جھاڑنا شروع کئے اور آپ تسبیح پڑھتے رہے ذرا جنبش نہ کھائی۔ (از تحریرات بعض ثقات) (منقول از اشرف التنبیہ)

اُستاذُ العلماء جناب مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی صدر مدرس وبانی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور قدس اللہ سرہٗ کی حکایات

حکایت (۳۷۰) والد صاحب مرحوم نے فرمایا کہ مولانا محمد مظہر صاحب نانوتویؒ نے جو حضرت گنگوہیؒ اور حضرت نانوتویؒ دونوں سے عمر میں بڑے تھے) خواب دیکھا کہ ایک تخت ہے جسکے صدر پر حضرت گنگوہیؒ اور حضرت نانوتویؒ تشریف رکھتے ہیں۔ مولانا نے یہ خواب ایک عریضہ میں لکھ کر جسمیں بیعت کی درخواست

بھی تھی حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ حضرت نے
جواب میں خواب کی تعبیر تحریر فرمائی کہ دونوں میں سے کسی سے بیعت کر لو۔ چنانچہ
مولانا محمد مظہر صاحبؒ حضرت نانوتویؒ کے پاس خط لیکر آئے کہ مجھے بیعت کر لو۔
انہوں نے گھبرا کر فرمایا کہ آپ ہی مجھے بیعت فرمالیں۔ فرمایا کہ لو یہ خط ہے اور حکم ہے۔
حضرت نے فرمایا کہ میں آپ کو صحیح مشورہ دیتا ہوں کہ گنگوہ تشریف لیجائیں۔ وہاں
گئے اول تو حضرت گنگوہیؒ نے بھی تامل فرمایا مگر پھر بیعت فرمایا۔ (منقول از روایات الطیب)

حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب دیوبندی مہتمم

مدرسہ دارالعلوم دیوبندؒ کی حکایات

حکایت (۲۷۱) حضرت والد مرحوم نے فرمایا کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ
فرماتے تھے کہ مولانا رفیع الدین صاحبؒ باطنی مدارج میں مولانا رشید احمد صاحبؒ سے
کم نہیں بلکہ برابر ہیں فرق صرف علم کا ہے کہ وہاں ہے یہاں نہیں۔

حکایت (۲۷۲) حضرت والد مرحوم نے فرمایا کہ حضرت مولانا رفیع الدین صاحب
رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں نے کبھی حضرت نانوتویؒ کے خلاف نہیں کیا۔ ایکدن
میں چھتہ کی مسجد میں حاضر ہوا۔ حضرت احاطہ مسجد میں ہولے بھُنے ہوئے تناول فرما
رہے تھے۔ فرمایا کہ آیئے مولانا۔ میں نے عرض کیا حضرت میرا تو روزہ ہے۔ تھوڑی
دیر تامل فرما کر پھر یہی فرمایا کہ آیئے مولانا۔ میں فوراً بلا تامل کھانے بیٹھ گیا۔ حالانکہ
عصر کی نماز ہو چکی تھی۔ افطار کا وقت قریب تھا۔ حضرت نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس سے

زاہد آپ کو ثواب عطا فرمائے گا جتنا کہ روزہ میں ہوتا چنانچہ مجھے اس افطار کے بعد کچھ ایسی کیفیات ولذات محسوس ہوئیں کہ میں نے کبھی صوم میں نہیں دیکھی تھیں۔ (منقول از رسالہ امداد المشتاق)

جناب مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادیؒ کی حکایات

مع رسالہ نیل المراد ورسالہ الصدق المتین

حکایت (۳۷۳) فرمایا کہ بزرگ بھی منتظم اور غیر منتظم اور دنیادار بھی منتظم اور غیر منتظم دونوں میں دو قسم کے ہوتے ہیں۔ بعضوں کے یہاں انتظام ہوتا ہے بعضوں کے یہاں نہیں ہوتا ہے۔ مولانا فضل الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں حسابات کی کوئی یادداشت ہی نہ تھی۔ ایک بقال کے یہاں سے سامان آتا تھا جو وہ بتلا دیتا تھا وہ آپ دیدیتے تھے آپ کچھ پوچھتے ہی نہ تھے چاہے وہ کتنا ہی بتادے آپ کے وصال کے بعد ایک مجلس تعزیت میں وہ بنیا آیا اور کہا کہ میرا چھ ہزار روپے کا حساب مولانا کی طرف ہے مہمانوں میں ایک راجہ صاحب بھی تھے انہوں نے تھیلی چھ ہزار کی مولانا کی قبر پر رکھدی اور بنئے سے کہا کہ اگر تیری رقم واجب ہے تو اُٹھالے۔ اُسنے تھیلی اُٹھالی۔ اور ہمارے مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے جو وصیت نامہ لکھا ہے تو اسمیں لکھا ہے کہ بندہ کے ذمہ قرض نہیں ہوا کرتا ہے۔ حالانکہ مولانا کے یہاں بھی اول اول فاقے ہوئے ہیں مگر منتظم بڑے تھے۔

حکایت (۳۷۴) فرمایا کہ مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ مفقود الخبر کی عورت کے بارے میں کیا حکم ہے۔ انہوں نے امام ابوحنیفہؒ کا مذہب بتلا دیا۔ سائل نے عرض کیا اس میں تو بڑا حرج ہے اور دین میں

حرج نہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ جہاد میں تو اس سے بھی زیادہ حرج ہے اس کا شریعت میں حکم کیوں ہے۔ بڑے آئے حرج حرج کرنیوالے جاؤ اپنا کام کرو۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ دیکھئے مجذوب تھے مگر بات کیسی عمدہ فرمائی۔ ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ تو یہاں تک فرمایا کرتے تھے کہ عارف کا ہذیان بھی عرفان ہوتا ہے۔

حکایت (۲۷۵) فرمایا ایک مولوی صاحب مولوی فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادیؒ کے مرید تھے اور حسین عرب کے شاگرد تھے، حافظہ بہت اچھا تھا، مگر ڈاڑھی منڈواتے تھے، بلکہ ڈاڑھی والوں کی مذمت بیان کیا کرتے تھے۔ یہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں حدیث کی سند لینے آئے۔ مولانا نے فرمایا تھا کہ آپکو حدیث کی سند دینا جائز نہیں ہے۔ بس فوراً چلے گئے اور مولانا فضل الرحمٰن صاحب سے جاکر سند لیلی۔ اور حضرت گنگوہی کو لکھا کہ دیکھو تم نے سند نہ دی تو کیا ہم کو ملی نہیں۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ مولانا فضل الرحمٰن کے یہاں غلبہ استغراق کے سبب ان چیزوں کیطرف التفات نہ تھا۔ کبھی خیال ہو گیا تو مستحبات پر پکڑ ہو گئی ورنہ فرائض و واجبات پر بھی نکیر نہ فرمائی۔ ایکمرتبہ ایک شخص نے بایاں پاؤں مسجد میں رکھ دیا۔ بس اُسے بُل اور یہ اور وہ کہنا شروع کر دیا۔ مولانا سے بڑے بڑے عہدہ دار ڈاڑھی منڈے مُرید تھے اور اسپر التفات نہ تھا۔ مولانا مجذوب تھے۔

حکایت (۲۷۶) فرمایا کہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ صاحب کشف تھے۔ مگر کشف دائمی نہیں ہوتا۔ ایک دفعہ ان کے پیچھے ایک شخص بالوں کی ٹوپی اوڑھے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا۔ بعد سلام اُسے دیکھ کر فرمایا کہ ارے ننگے سر نماز مکروہ ہوتی ہے۔ اُسنے عرض کیا کہ حضرت ننگے سر نہیں ہوں، بالونکی

ٹوپی اوڑھ رہا ہوں۔ بس چپ ہو گئے۔ (جامع کہتا ہے)

گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینم ٭ گہے بر پشتِ پائے خود نہ بینم

حکایت (۳۷۷) فرمایا کہ مولانا فضل الرحمٰنؒ پر جذب کا غلبہ بہت رہتا تھا۔ ایکمرتبہ آپ کے پوتے کی شادی تھی اور لوگ جمع ہو رہے تھے۔ پوچھا یہ آدمی کیسے جمع ہو رہے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کے پوتے کی شادی ہے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد پوچھا تو لوگوں نے وہی جواب دیا۔ فرمایا ہاں ابھی تو ہم نے پوچھا تھا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد پوچھا۔ لوگوں نے وہی عرض کر دیا۔ فرمایا ہاں ابھی تو ہم نے پوچھا تھا۔ اچھا اب سے ہمیں جواب نہ دینا، بار بار کوئی کہاں تک بتائے۔ حاجی وارث علی شاہ بھی اُنسے ملنے گئے تھے۔ وہ نماز نہ پڑھتے تھے۔ سُنا ہے کہ وہاں جاکر نماز پڑھی تھی۔

حکایت (۳۷۸) فرمایا کہ ایک دفعہ لفٹننٹ گورنر نے مولانا فضل الرحمٰن صاحب سے ملنے کی اجازت چاہی۔ آپنے لوگوں سے فرمایا کہ میں تو ایک فقیر آدمی ہوں اُنکے بیٹھنے کا کیا انتظام ہوگا، اچھا ایک کرسی منگا لینا۔ لفٹنٹ گورنر کیطرف سے تاریخ اور وقت بھی مقرر ہو گیا اور آپ لوگوں سے یہ کہہ کر بھول بھی گئے۔ یہانتک کہ لفٹنٹ گورنر مع چند حکام کے آموجود ہوئے۔ سب کھڑے تھے، ایک میم بھی کھڑی تھی۔ مولانا نے ایک اُلٹے گھڑے کیطرف اشارہ کر کے فرمایا، بی تو اسپر بیٹھ جا۔ لفٹنٹ گورنر نے کچھ تبرک مانگا۔ آپنے ایک خادم سے فرمایا کہ بھائی دیکھو میری ہنڈیا میں کچھ ہو تو انکو دیدو۔ اسمیں سے کچھ چورہ مٹھائی کا نکلا۔ بس سب کو تھوڑا تھوڑا تقسیم کر دیا۔ سب نے ادب اور خوشی سے قبول کیا اور تھوڑی دیر بیٹھ کر اجازت چاہی اور رخصت ہو گئے۔ چلتے وقت نصیحت کی درخواست کی۔ فرمایا کہ ظلم مت کرنا۔

حکایت (۳۷۹) فرمایا کہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ایک شخص مٹھائی کا دونہ لایا اور حضرت کے سامنے پیش کیا۔ حضرت نے اس سے پوچھا کہ تو کیا کام کرتا ہے۔ اُسنے عرض کیا کہ گانے بجانے کا کام کرتا ہوں۔ فرمایا مردود ہمیں حرام کھلاتا ہے۔ اور اس زور سے ٹھوکر ماردی کہ دونہ دور جاکر گرا۔

حکایت (۳۸۰) فرمایا کہ زمانہ جنگِ روم و روس میں مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص زیارت کو آئے اور ساتھ ہی ایک شخص کا خط بھی رومیوں کی فتحیابی کے لئے لائے کہ حضرت دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ رومیونکو روسیوں کے مقابلہ میں غلبہ دے۔ انکے خط دینے سے پہلے ہی حضرت نے فرمانا شروع کیا کہ واہ صاحب بڑے آئے ہیں دُعا کرو دُعا کردو۔ کیا روسی خدا کے بندے نہیں ہیں، رومی ہی ہیں۔ ایک آدمی شہید ہوتا ہے تمہارا کیوں دَم نکلتا ہے۔ (پھر اس شخص کو خط دینے کی جرأت نہ ہوئی کیونکہ جواب تو ہو ہی گیا)

حکایت (۳۸۱) فرمایا کہ مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ مجذوب صاحبِ حال تھے۔ ایک شخص ان کے پاس دُعا کیلئے حاضر ہوا۔ ابھی آپ دُعا کرنے نہ پائے تھے کہ فریقِ مخالف بھی دعا کے لئے حاضر ہوا۔ اور ظاہر ہوگیا کہ یہ فریق (ثانی) ہے۔ اب انکار کس سے کریں۔ یہ کیسے معلوم ہو کون حق پر ہے۔ پس فوراً ہاتھ اُٹھاکر دعا کی کہ (اے اللہ جس کا حق ہو اُسے دِلوادے) اب یہ کس کا منہ تھا کہ غیر حق کیواسطے دعا کو کہے۔ ان حضرات کے اندر عقل بھی کامل ہوتی ہے۔ یہ لوگ عرفاء، عقلاء حالانکہ مجذوب تھے مگر بات کیسی حکمت کی کہی۔

(منقول از اشرف التنبیہ)

از اضافہ احقر ظہور الحسن غفرلہٗ

نیل المراد فی السفر الیٰ گنج مُراد آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً۔ اما بعد ۱۴ ؍ رمضان ۱۳۵۲ھ کو دوشنبہ کے دن صبح کے وقت حضرت اقدس حکیم الامۃ مجدد الملۃ محی الطریقۃ مولانا الحافظ الحاج المفسر المولوی اشرف علی صاحب نے بمقام خانقاہ امدادیہ واقع تھانہ بھون فرمایا کہ مجھ کو دو مرتبہ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی قدس اللہ سرہٗ العزیز کی خدمت میں حاضر ہونیکا شرف حاصل ہوا ہے۔ یقین کے ساتھ تو ماہ و سنہ یاد نہیں ہیں لیکن گمان غالب سے کہتا ہوں کہ اوّل مرتبہ جب حاضر ہوا ہوں ۱۳۰۱ھ تھا اور مہینہ بھی غالباً ربیع الثانی یا جمادی الاول تھا۔ کیونکہ مجھے اتنا یاد ہے کہ یہ حاضری تعلق ملازمت کانپور کے کچھ بعد تھی اور تعلق کانپور کا زمانہ آخر صفر تھا جو قرب میلاد کا زمانہ تھا اور اکثر لوگ میلاد کے مسئلے مسائل دریافت کیا کرتے تھے۔ میں نیا نیا مدرس ہو کر کانپور گیا تھا۔ بعض وجوہ سے دو مہینے کے بعد ملازمت چھوڑ دی اور تھانہ بھون واپسی کا ارادہ کیا۔ گو بعد کو مدرسہ جامع العلوم کی بنیاد پڑ گئی اور مجھے رکنا پڑا۔ اسی زمانہ میں جبکہ کانپور کو چھوڑنے کا قصد کر لیا تھا۔ یہ خیال ہوا کہ حضرت مولانا کی زیارت کا شرف بھی حاصل کرتا جاؤں۔ کیونکہ معلوم نہیں پھر اسطرف آنیکا کبھی اتفاق ہو یا نہ ہو۔ چنانچہ ایک طالب علم ہدی حسن تھے جو قرآن شریف پڑھا کرتے تھے۔ انکو ہمراہ لیکر مراد آباد کے قصد سے روانہ ہوا۔ اناؤ تک ریل سے مسافت طے کی باقی راستہ ٹٹو

سے قطع کیا۔ راستہ کچھ اچھا نہ تھا ایسا ہی تھا۔ کوئی باقاعدہ سڑک نہ تھی اور اس پر طرّہ یہ کہ ہم دونوں راستہ سے واقف نہ تھے۔ نہ کوئی پتہ نشان نہ کسی سے پوچھا تھا یونہی چل کھڑے ہوئے تھے۔ اور ٹٹو والا افیونی تھا وہ پینک میں کہیں پیچھے رہ گیا۔ ہم اکیلے چلے جا رہے تھے لیکن ہم دونوں راستہ سے ناواقف تھے۔ ناواقفی کی وجہ سے کئی جگہ راستہ بھولے۔ جب کوئی گاؤں نظر آتا اسمیں جا کر راستہ پوچھتے پھر آگے چلتے۔ غرض کئی جگہ شبہ ہوا اس شبہ اور دھوکہ ہی میں دن ختم ہو گیا اور راستہ میں آفتاب غروب ہو گیا۔ رات ہو جانے کے بعد ہماری پریشانیوں میں اور اضافہ ہو گیا۔ لیکن برابر چلتے ہی چلے گئے۔ کیونکہ شوق زیارت کا شدت کا تھا۔ خدا خدا کر کے پہنچے عشاء کی نماز ہو چکی تھی مولانا مسجد سے حجرہ میں تشریف لیجا چکے تھے۔ خادم کے ذریعہ سے اطلاع کرائی گئی۔ حضرت نے بُلا لیا اور میں نے رفیق کو اسباب کے پاس چھوڑا اور خود اسی خادم کے ہمراہ حاضر ہو گیا۔ اتنا یاد ہے کہ وہاں ایک جانب تخت بچھا ہوا تھا جس کے پاس ایک بوریا بھی بچھا ہوا تھا۔ اور حضرت مولانا ایک دوسری جانب چارپائی پر تشریف فرما تھے۔ میں سامنے جا کر کھڑا ہو گیا اور سلام عرض کیا۔ جواب دینے کے بعد اپنے مخصوص لہجہ میں بہت تیزی سے ایک ساتھ تین سوال کئے۔ کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ کیوں آئے ہو؟ حضرت مولانا کا لہجہ طبعی طور پر سادہ تھا۔ مزاج میں سادگی بہت تھی۔ عرفی تکلف کے پابند نہ تھے صاف طبیعت تھے، گفتگو میں لہجہ ذرا تیز تھا خصوص اس کیساتھ جو معتقد ہو کر جائے، جیسے میں گیا تھا۔ اور وہاں تو اکثر لوگ معتقدانہ ہی حاضر ہوتے تھے۔ ایسا لہجہ تھا کہ اگر کوئی اجنبی شخص دیکھے، تو یہ گمان کرے کہ مولانا غصہ فرما رہے ہیں۔ حالانکہ یہ بات نہ تھی۔ جبکو دو چار بار حاضری

کا اتفاق ہوجاتا تھا وہ تو اچھی طرح سمجھ لیتا تھا کہ حضرت کا لہجہ ہی ایسا ہے۔ لطف و عنایت کی گفتگو میں بھی اکثر لہجہ کی یہی کیفیت ہوتی تھی۔ غرض مولانا نے تیز لہجہ میں یہ تینوں سوال ایکساتھ کیے، کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ کیوں آئے ہو؟ میں نے بھی علی الترتیب ادب کے ساتھ ان تینوں سوالوں کے جواب میں عرض کیا کہ میں ایک طالب علم ہوں کانپور سے آیا ہوں۔ زیارت کو حاضر ہوا ہوں۔ یہ سُنکر اور تیز ہوئے اور فرمایا بڑے آئے زیارت والے۔ ارے یہ کوئی زیارت کا وقت ہے ایسے وقت کسی کی زیارت کو آیا کرتے ہیں آدمی کو چاہیئے کہ ذرا سویرے آئے۔ دوسرا کچھ روٹی وغیرہ کا انتظام تو کر سکے۔ اب بتلاؤ تمہارے لئے کھانا کہاں سے لاؤں۔ تمہیں خدا کا خوف نہ آیا تمکو زمین نہ نگل گئی۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں نے جو اپنے دل کو دیکھا تو مطلق کسی قسم کی کوئی شکایت یا رنج نہ پایا بلکہ اس سے زیادہ بھی کہہ لیتے تب بھی ذرا ناگوار نہ ہوتا۔ کیونکہ خاص عقیدت کیساتھ حاضر ہوا تھا اور عقیدت کا خاصّہ یہی ہے۔ گو میرے پاس عذر تھا لیکن میں نے اسوقت عرض کرنا خلافِ ادب سمجھا۔ یہ ایک تنبیہ تھی سو میں اسکا کیا جواب دیتا، چُپ کھڑا تھا۔ تھوڑی دیر بعد فرمایا تمہارے پاس کچھ پیسے ہیں۔ میں نے عرض کیا جی ہاں ہیں۔ فرمایا اچھا جاؤ اور بازار سے کچھ لیکر کھالو اور صبح چلے جاؤ۔ میں نے عرض کیا بہت اچھا۔ اس ارشاد کے بعد خادم سے کہا کہ انہیں لیجا کر فلاں مکان میں ٹھہرا دو۔ چنانچہ ہم لوگ ساتھ ہو لئے اور اُسنے لیجا کر ایک جگہ دکھادی۔ ایسا خیال ہے کہ وہ ایک عام جگہ تھی محفوظ جگہ نہ تھی سہ دری سی تھی۔ خیر میں مع ٹٹو اور رفیق کے وہاں چلا گیا اور سامان اتارنے لگا۔ یہی ارادہ تھا کہ بازار سے لیکر کچھ کھا پی لینگے اور حسب الحکم صبح کو رخصت ہو جائینگے۔ لیکن تھوڑی

دیر میں ایک خادم آیا اور کہا کہ مولانا نے یاد فرمایا ہے۔ میں نے دل میں کہا کہ کچھ اور یاد آیا ہوگا۔ لیکن میں نے دل میں کہا کہ بھائی سُننے کو تو ہم آئے ہی ہیں۔ میں ساتھ ہو لیا اور سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ فرمایا "بیٹھ جاؤ" مگر لہجہ اب بھی ویسا ہی تھا۔ حالانکہ اس وقت لطف اور شفقت موجود تھی۔ جیسا کہ بعد کے برتاؤ سے معلوم ہوگا کچھ لہجہ ہی ایسا تھا۔ وجہ یہ ہے کہ طبیعت میں سادگی تھی، تصنع اور تکلف نہ تھا۔ میں یہ ارشاد سُنکر تخت کے پاس جو چٹائی بچھی ہوئی تھی اس پر بیٹھ گیا۔ فرمایا اجی یہاں آجاؤ تخت پر بیٹھو۔ میں حسب ارشاد اٹھ کر تخت پر بیٹھ گیا۔ پھر خادم سے فرمایا کہ ان کیلئے ہماری بیٹی کے یہاں سے کھانا لاؤ۔ چنانچہ خادم اسی وقت جا کر کھانا لایا۔ ایک پیالہ میں سالن تھا۔ غالباً ارہر کی دال تھی اور اسی پر روٹیاں رکھی ہوئی تھیں۔ جب خادم نے کھانا میرے سامنے لا کر رکھا تو مولانا نے دیکھ لیا حالانکہ چراغ کی روشنی بھی کم تھی اور میں بھی کسی قدر فاصلہ پر تھا، نگاہ حضرت کی اس عمر میں بھی بہت اچھی تھی۔ کھانا دیکھ کر خادم سے فرمایا، بدتمیز یوں کھانا لایا کرتے ہیں مہمانوں کیواسطے۔ ارے روٹی الگ طباق میں لاتا سالن علیحدہ برتن میں لاتا، یہ کونسا طریقہ ہے پیالہ پر روٹیاں رکھ کر لے آیا۔ خادم نے عرض کیا کہ میں نے طباق ڈھونڈھا، ملا نہیں۔ فرمایا جھوٹ بولتا ہے۔ ارے فلانے طاق میں رکھا نہیں ہے؟ یہ غالباً کشف سے فرمایا۔ مولانا کو کشف بہت ہوتا تھا خادم یہ سُنکر دوڑا ہوا گیا اور طباق لے آیا ورنہ سب روٹیاں ہاتھ پر رکھ کر کھانا پڑتیں جب میں نے کھانا شروع کر دیا تو فرمایا کیا کھانا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت ارہر کی دال ہے اور روٹی ہے۔ فرمایا سبحان اللہ یہ تو بڑی نعمت ہے۔ تم تو لکھے پڑھے آدمی ہو۔ تم نے مولوی محمد یعقوب صاحب سے پڑھا ہے۔ مولانا کو کشف ہوا۔ پھر فرمایا

بہت اچھے آدمی تھے۔ یہ گویا مولانا نے بہت بڑی تعریف کی۔ کیونکہ مولانا مبالغہ تعریف میں نہ کرتے تھے۔ اتنا فرمانا کہ بہت اچھے آدمی تھے بہت بڑی تعریف ہے۔ اس سے حضرت مولانا کا تعلق حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ثابت ہو گیا۔ غرض فرمایا کہ تم تو لکھے پڑھے آدمی ہو تم کو معلوم ہے کہ صحابہؓ کی کیا حالت تھی؟ ایک ایک چھوارہ کھا کر جہاد کرتے تھے اور دن دن بھر لڑتے تھے۔ جب حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا تذکرہ بڑھا تو جوش میں آکر کھڑے ہو گئے۔ عادت یہی تھی کہ بزرگانِ دین کے تذکرہ کے وقت جوش میں آجایا کرتے تھے۔ غرض جوش میں کھڑے ہو گئے اور پاس آکر میرے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ لیا اور دیر تک حضراتِ صحابہؓ کا تذکرہ کرتے رہے میں کھانا کھاتا رہا۔ ایسا خیال پڑتا ہے کہ ایک آدھ شعر بھی پڑھا۔ پھر اسکے بعد فرمایا کہ بیر کھاؤ گے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت کا تبرک ہے۔ فرمایا اجی تبرک وبرک کو چھوڑو یہ بتاؤ کہ بیر کھانیسے تمہارے پیٹ میں درد تو نہیں ہو جاتا۔ میں نے عرض کیا حضرت نہیں۔ پھر وہاں سے چلے اور ایک برتا ہوا بدھنا اُٹھا کر لے آئے جس میں پیوندی بڑے بڑے بیر تھے اور لاکر میرے سامنے اُلٹا کر دیا اور کہا کھاؤ۔ پھر بطور مزاح کے فرمایا کہ بھی دلمیں کہتے آپ ہی کھالئے مہمان کی بات بھی نہ پوچھی۔ جب میں کھانیسے فارغ ہو گیا تو فرمایا، اچھا جاؤ عشاء پڑھ کر سو رہنا اب صبح کو ملاقات ہو گی۔ پھر مولانا اسوقت تشریف لیگئے۔ خبر نہیں کہاں، حجرہ میں یا مکان کے اندر۔ ہاں! حضرت نے کانپور سے گنج مراد آباد تک قصہ کے متعلق بھی کچھ سوال کیا تھا اور میں نے جواب بھی دیا تھا اور پھر حضرت نے کچھ اصلاح بھی فرمائی تھی لیکن تفصیل یاد نہیں۔ نہ سوال نہ جواب، نہ حضرت کی اصلاح، کچھ یاد نہیں۔ پھر میں نے نماز پڑھی اور جائے قیام پر چلا گیا اور سو

رہا۔ صبح کی نماز مولانا کے پیچھے پڑھی۔ مولانا نے اسفار میں نماز پڑھی تھی اور خود امامت فرمائی۔ چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھیں پھر ہم لوگوں کیطرف منہ کر کے بیٹھ گئے۔ یہانتک کہ آفتاب اچھا اونچا ہو گیا۔ میرے سامنے مولانا نے نوافل نہیں پڑھے۔ پھر اُٹھ کر ایک صاحب کیطرف متوجہ ہوئے جو سامنے کھڑے تھے۔ وضع سے کوئی رئیس معلوم ہوتے تھے مگر ثقہ صورت ڈاڑھی بھی نیچی، چوغہ بھی اور پائنچے بھی ٹخنے سے اوپر۔ سردیوں میں اکثر لباس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ رئیس ہے یا معمولی حیثیت کا شخص۔ بہر حال مولیٰنا نے انکی جانب متوجہ ہو کر فرمایا "تم کب جاؤ گے"۔ انہوں نے کہا جمعہ کی نماز پڑھکر جاؤنگا۔ فرمایا یہاں جمعہ پڑھکر کیا ہوگا؟ انہوں نے کہا، تو میں جمعہ اور کہاں پڑھونگا۔ وہ بھی کوئی بے تکلف اور پرانے آنے جانیوالے معلوم ہوتے تھے۔ مولانا نے فرمایا ہمیں کیا خبر کہاں پڑھو گے۔ ہم کوئی ٹھیکہ دار ہیں تمہارے جمعہ کے۔ لوگوں کو شرم نہیں آتی منہ پر ڈاڑھی لگا کر پرائے ٹکڑوں پر پڑتے ہیں۔ وہ بھی بہت ہی بے تکلف تھے۔ انہوں نے کہا میں تو نہیں جاتا۔ یہ سُنکر حضرت انکا شانہ پکڑے ہوئے اور زور لگائے ہوئے لیچلے اور فرمایا نکلو یہاں سے۔ (اس مقام پر پہنچ کر حضرت حکیم الامت مدظلہ العالی نے فرمایا کہ مجھے تو حضرت کی ساری باتیں اچھی معلوم ہوتی تھیں۔ ممکن ہے کوئی بدفہم یا معاند اس قسم کے واقعات سے حضرت مولانا کے اخلاق پر شبہ کرے ہمیں تو بزرگوں کی ساری ہی باتیں محبوب معلوم ہوتی ہیں جسکو ذوق نہ ہو وہ جو چاہے سمجھے) غرض وہ شخص چلے گئے۔ وہاں سے تو چلے گئے خبر نہیں قصبہ سے بھی چلے گئے یا نہیں۔ میں نے دل میں کہا کہ اب شاید میرا نمبر ہو۔ چنانچہ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں جاتا ہوں۔ فرمایا بہت اچھا۔ میں چلا تو مولانا بھی ساتھ چلے میں

سمجھا اتفاقاً اپنی کسی ضرورت سے اسی جانب تشریف لیجا رہے ہیں۔ یہ گمان نہ تھا نہ اپنے آپ کو اہل سمجھتا تھا کہ مشایعت کے لئے ساتھ ہیں۔ مگر بعد کو معلوم ہوا کہ یہی غرض تھی۔ کیونکہ راستہ میں مہمانوں کے ٹھہرنے کا جو مکان آتا حضرت دریافت فرماتے کیا یہاں ٹھہرے ہو۔ حتیٰ کہ وہ سہ دری آگئی جس میں میرا قیام تھا۔ میں وہاں رُک گیا تو مولانا بھی وہاں ٹھہر گئے۔ اور فرمایا ٹٹو منگاؤ اور اسباب لاؤ۔ میں نے رخصتی مصافحہ کیا اور عرض کیا کہ حضرت میرے لئے دُعا کیجئے۔ فرمایا ہم نے تمہارے لئے دُعا کی ہے۔ پھر میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھ کو کچھ پڑھنے کو بتلا دیجئے۔ فرمایا قل ہو اللہ شریف اور سبحان اللہ وبحمدہ دو دو سو بار پڑھ لیا کرو۔ اوروں سے بھی سُنا کہ حضرت مولانا طالبین کو اکثر یہی پڑھنے کو بتایا کرتے تھے۔ کیونکہ حدیث شریف میں ان چیزوں کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ اسکے بعد میں مع اپنے رفیق کے وہاں سے چلا آیا۔ چونکہ میں مسافر تھا جمعہ میرے ذمہ تھا ہی نہیں اسلئے فوت کا افسوس بھی نہیں ہوا۔ وہاں سے آجانے کے بعد ہی مدرسہ جامع العلوم کی بنیاد پڑگئی اور مجھ کو باصرار روک لیا گیا۔ ورنہ پہلے تو یہ خیال تھا کہ کانپور چھوڑ رہا ہوں حضرت سے مل آنا چاہیئے۔ ممکن ہے پھر نہ حاضری ہو۔ غرض میرا کانپور میں قیام ہوگیا۔ پہلی مرتبہ کی زیارت کے تو یہ واقعات تھے۔ دوسری مرتبہ مہینہ رمضان کا تھا اور سنہ تو تقریباً بھی یاد نہیں۔ بس اتنا یاد ہے کہ پہلے سفر سے چند سال کے بعد دوبارہ حاضر ہوا۔ اس درمیان میں مولانا کبھی کبھی آینواں کے ذریعہ سے سلام کہلا بھیجتے تھے۔ مولانا تو ایسے آزاد تھے کہ کوئی چیز بھی یاد نہیں رہتی تھی، نہ معلوم یہ کیسے یاد رہ گیا۔ ایک شخص بیان کرتے تھے کہ مولانا کا مزاج تیز تو تھا ہی۔ انہوں نے حضرت مولانا سے میرا نام لے کر

نہایت بدتمیزی سے کہا کہ آپ سے تو اس کے اخلاق اچھے ہیں۔ غایت تواضع سے فرمایا ہاں بیشک اچھے اخلاق ہیں۔ پھر دوبارہ کئی سال کے بعد پھر حاضر ہوا۔ اس بار چند ہمراہی بھی تھے اور ہدیہ کے طور پر میں کچھ پیڑے بھی لے گیا تھا۔ کانپور میں اس زمانہ میں بہت اچھے پیڑے بنتے تھے۔ جنہیں بنگالی پیڑے کہتے تھے۔ سانچے میں بنتے تھے بہت خوبصورت اور خوشبودار تھے مجھے بہت پسند تھے حضرت کی پسند کی تو خبر نہ تھی۔ میں نے سوچا کہ جو چیز خود مجھے پسند ہے اسی کو ترجیح دینا چاہیئے۔ چنانچہ میں نے پیڑے ہی ہدیہ کیواسطے لئے۔ نیز چونکہ رمضان کا مہینہ اور مدرسہ کی تعطیل تھی اسلیے حضرت کیخدمت میں کچھ دن رہنے کی گنجائش تھی۔ اس خیال سے کہ شاید دو چار دن رہنا ہو جائے ایک بوتل شربت انار کی بھی اپنے افطار کیواسطے ہمراہ لیلی تھی۔ کیونکہ گرمی کا زمانہ تھا۔ جب مرادآباد قریب رہگیا تو مجھے خیال ہوا کہ ہم لوگوں کے اعمال اچھے نہیں، اکثر بزرگوں کو قلب کی تاریکی کا احساس ہو جاتا ہے۔ اسلئے شاید ڈانٹ ڈپٹ فرماتے ہوں۔ لہذا اپنے قلب کو پاک وصاف کر کے حاضر خدمت ہونا چاہیئے۔ چنانچہ وضو کیا۔ استغفار کی کثرت کی۔ ادب کے لحاظ سے سواری چھوڑ کر پاپیادہ چلے۔ اس حالت سے چلے جارہے تھے۔ دوپہر کا وقت تھا۔ ایک بوڑھے شخص رستہ میں ملے۔ معلوم ہوا کہ زیارت کو جارہے ہیں۔ وہاں پہنچ کر اول وہ پیش ہوئے۔ مولانا نے ان سے پوچھا کہ روزہ ہے۔ انہوں نے جوابدیا کہ جی ہاں روزہ ہے۔ اسپر بہت خفا ہوئے۔ فرمایا کہ کس نے کہا تھا کہ سفر میں روزہ رکھو۔ ان بیچاروں کو حکم ہوا کہ بس ابھی چلے جاؤ۔ (اس مقام پر صاحب ملفوظ یعنی حضرت اقدس حکیم الامۃ مدظلہ العالی سے حاضرین میں سے ایک صاحب نے عرض کیا کہ روزہ کی حالت

میں ایسی جلتی دوپہر میں واپس فرما دینا تو روزہ کی تکلیف کو اور بھی بڑھا دینا تھا۔ اس کا جواب ارشاد فرمایا کہ یہ واپس فرما دینا تو تادیب اور اصلاح کیلئے تھا گو اسوقت تو تکلیف ہوئی ہوگی لیکن عمر بھر کیلئے سبق ہوگیا ہوگا) ہمارا بھی روزہ تھا ہم نے کہا بھائی خدا خیر کرے ہم سے بھی یہی سوال ہوگا۔ چنانچہ واقعی پیشی ہوتے ہی یہ سوال فرمایا کہ روزہ ہے۔ ہم نے سچی بات عرض کر دی کہ حضرت ہے۔ مگر بجائے خفگی کے حضرت نے فرمایا کہ اچھا کیا۔ جوان آدمی ہو روزہ رکھنا ہی مناسب تھا۔ یوں بظاہر مولانا ذرا مغلوب سے تھے ورنہ بڑے عالم بڑے متقی تھے۔ حدودِ شرعیہ سے خوب واقف تھے اور پورے متبعِ سنت تھے۔ دیکھئے چونکہ وہ صاحب بوڑھے تھے ان کو سفر میں روزے کا تحمل دشوار تھا اسپر اظہارِ خفگی فرمایا اور ہم لوگوں کے روزے پر اظہار مسرت فرمایا اور یہی محمل ہے حدیث لیس من البر الصیام فی السفر کا۔ غرض ہم بہت خوش ہوئے کہ چلو ایک خطرہ سے تو نجات ملی۔ اُسوقت مولانا ایک چارپائی پر تشریف رکھتے تھے یہ نہیں پتہ کہ بیٹھے تھے یا لیٹے تھے۔ غالباً لیٹے تھے نیچے چٹائی بچھی تھی۔ اُسپر ہم لوگ بیٹھ گئے۔ مولانا نے غالباً پہچانا نہیں۔ ہم نے اپنے اپنے ہدایا پیش کئے۔ مولانا کو تمباکو اور صابن سے بہت رغبت تھی۔ حقہ نوش فرماتے تھے اور کپڑے گھر ہی میں دُھلواتے تھے۔ میرے ہمراہی تمباکو اور صابن ہدیہ میں لیگئے تھے اور مجھے خبر ہی نہ تھی کہ مولانا کو ان چیزوں سے رغبت ہے۔ اوروں نے تو تمباکو اور صابن پیش کیا اور میں جو ہدیہ میں لے گیا تھا پیش کر دیا۔ یعنی پیڑے۔ اوروں کی چیزیں لیں۔ لیکن کچھ فرمایا نہیں۔ میں نے جو پیڑے پیش کئے تو خوش ہو کر فرمایا کہ ہم تو اس کا شربت پیا کرتے ہیں۔ اور خادم سے فرمایا کہ اُنہیں اُٹھا کر رکھو ہم اُن کا شربت پیا کریں گے۔ میں خوش ہوا کیونکہ

مجھے خیال تھا کہ میرا ہدیہ کیا پسند آئیگا اوروں کا پسند فرمائینگے۔ کیونکہ وہ لوگ حضرت کی رغبت کی چیزیں لائے تھے۔ لیکن خلافِ توقع معاملہ برعکس ہوا۔ اوروں کو بھی تعجب ہوا۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ پھر از خود فرمایا کیا تمہارے پاس کوئی دوا بھی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت دوا تو میرے ساتھ کوئی نہیں ہے (کیونکہ میں شربتِ انار کو دوا کے طور پر نہیں لیگیا تھا) اسپر ساتھیوں نے مجھ سے آہستہ کہا کہ شربتِ انار تو ہے۔ میں نے مکرر عرض کیا کہ حضرت شربتِ انار البتہ ہے۔ فرمایا وہ تو تم نے افطار کیلئے اپنے ساتھ لیا ہے۔ میں نے کہا لایا تو تھا افطار ہی کی نیت سے مگر اب جی چاہتا ہے کہ حضرت قبول فرمالیں۔ فرمایا بہت اچھا، چنانچہ میں نے پیش کیا اور حضرت نے وہ قبول فرمالیا۔ ہدیوں سے فارغ ہونے کے بعد مختلف باتیں فرماتے رہے۔ بعض بعض یاد بھی ہیں مثلاً فرمایا کہ کہنے کی بات تو نہیں لیکن تم سے کہتا ہوں کہ جب میں سجدہ کرتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے پیار کرلیا۔ دوسری بات یہ فرمائی کہ بھائی جنت کا مزہ برحق، حوضِ کوثر کا مزہ برحق، مگر نماز میں جو مزہ ہے کسی چیز میں نہیں۔ ایک یہ فرمایا کہ بھائی ہم تو قبر میں بس نماز پڑھا کرینگے۔ دعا ہے کہ ہمیں تو اللہ میاں قبر میں یہ اجازت دیدیں کہ بس نماز پڑھے جاؤ۔ چوتھی بات میں کچھ شک ہے اسی جلسہ میں فرمایا یا بعد کے کسی جلسہ میں۔ بلکہ اسمیں بھی شک ہے کہ بلاواسطہ سُنا یا بواسطہ، بہرحال اگر بواسطہ بھی سُنا ہوگا تو کسی ثقہ راوی ہی سے سُنا ہوگا۔ کیونکہ اس کی صحت کا مجھے اتنا وثوق ہے کہ بلاواسطہ سُننے تک کا احتمال ہے۔ بہرحال چوتھی بات یہ فرمائی کہ جب ہم جنت میں جائینگے (اور یہ ایسے طور پر فرمایا جیسے یقین ہو کہ جنت میں ضرور جائینگے۔ حق تعالیٰ سے ایسی قوی امید تھی کہ کچھ شک ہی نہ تھا) اور حوریں آئیں گی تو ہم

صاف صاف کہدینگے کہ بی اگر قرآن سُننا ہو تو سُناؤ ورنہ جاؤ اپنا راستہ لو۔ اس قسم کی شان مولانا کی تھی۔ اتنے میں ایک شخص اندر چلا آیا اسکو بہت ڈانٹا کہ بڑے بے تمیز ہو منہ اُٹھائے چلے آرہے ہو یہ نہیں دیکھتے کہ موقع ہے یا نہیں۔ یہ نہیں دیکھتے کہ کوئی خاص بات کر رہا ہے۔ گویا مولانا نے اپنے نزدیک ہم لوگوں کو خلوت کا وقت دیا تھا۔ اپنے اسرار ظاہر کرنے کیلئے خلوت پسند فرمائی۔ جب یہ باتیں ہو چکیں تو ارشاد ہوا کہ مسجد میں بھی جگہ ٹھہرنے کی ہے اور مکان بھی موجود ہے، کہاں ٹھہرو گے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت جہاں آپ کا قرب ہو۔ فرمایا تو مسجد میں ٹھہر جاؤ۔ ہم لوگ مسجد میں ٹھہر گئے۔ دوپہر کا وقت تھا کچھ لیٹے بیٹھے اتنے میں ظہر کا وقت آگیا۔ نماز پڑھی شام کو بعد افطار بہت پُر تکلف کھانا آیا۔ کئی طرح کا چار پانچ قسم کا تھا۔ جیسے کہ امراء کی عادت ہے یا متوسط لوگوں میں بھی اپنے خاص خاص معزز مہمانوں کے لیے کئی کئی کھانے پکوانے کی عادت ہے۔ بہت ہی عنایت تھی۔ ورنہ مولانا کی وضع بالکل آزادانہ تھی۔ وہاں تکلفات کی بھلا گنجائش کیا۔ اسی طرح سحری میں بھی کئی قسم کا کھانا آیا۔ غرض ایک آدھ دن جب گذرا میں نے واپسی کی اجازت چاہی۔ اور اس درمیان میں مختلف جلسوں میں مختلف باتیں کرتے رہے جو کہ اب یاد بھی نہیں۔ بہرحال جب میں نے اجازت چاہی۔ فرمایا اجی کیا جلدی ہے۔ مدرسہ کی تعطیل ہے رمضان شریف کا زمانہ ہے اور ٹھہرو۔ ہم تو یہ چاہتے ہی تھے، حضرت کے ارشاد کو غنیمت سمجھا اور واپسی کے ارادہ کو ملتوی کر دیا۔ جب میں نے دیکھا کہ رہنا تو ہو ہی گیا ہے، لاؤ حضرت سے حصن حصین ہی پڑھ لیں۔ چنانچہ میں نے عرض کیا، حضرت نے بڑی خوشی سے فرمایا بہت اچھا۔ میں نے شروع کی۔ حضرت کہیں کہیں تحقیق بھی فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک جگہ شوقاً الیٰ

لفافہ آیا تو فرمایا۔ اچھا بتاو شوق کا کیا ترجمہ ہے۔ میں نے عرض کیا حضرت ہی ارشاد فرماویں۔ فرمایا "تڑپ" اور درمیان میں مختلف وقتوں میں نعرے بھی لگاتے تھے ذوق و شوق ہیں۔ کھانا برابر تکلف کا آتا رہا۔ لطیف اور کئی کئی قسم کا۔ جب حصن حصین ختم ہوگئی اور ہم لوگ رخصت ہوئے تو میں نے عرض کیا کہ حضرت تبرکاً حدیث شریف کی بھی اجازت دیدیجئے۔ فرمایا ہاں جی اجازت ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ اجی آیا کرو اور کبھی کبھی کچھ سُنا جایا کرو۔ لیکن پھر اتفاق حاضری کا نہیں ہوا۔ وہ تو یہ حاضری ہوئی اور ایک بار میں نے عریضہ بھی لکھا۔ جب حضرت حاجی صاحب کیخدمت میں قیام کی غرض سے مکہ جانے کا ارادہ کیا تو میں نے عریضہ لکھا کہ حضرت حاجی صاحب کیخدمت میں جا رہا ہوں، دُعا کیجئے کہ جس مقصود کیلئے جاتا ہوں اللہ تعالیٰ اسمیں کامیابی عطا فرماوے۔

حضرت نے میرے عریضہ ہی پر ایک گوشہ میں جواب اپنے قلم سے تحریر فرمایا:-

"از فضل رحمٰن۔ سلامٌ علیکم۔ دُعائے خیر نمودم"

بہت دن تک تو وہ خط میرے پاس تبرکاً رہا۔ پھر میں نے ایک شخص کو دیدیا۔ لیکن جواب کے الفاظ بجنسہٖ ابتک ذہن میں محفوظ ہیں۔ اپنے ہی قلم مبارک سے جواب تحریر فرمایا تھا۔ مولانا کا خط بہت اچھا تھا۔ نام میں الف لام تحریر نہیں فرمایا تھا۔ میں نے سُنا ہے کہ یہ تاریخی نام ہے (فضل رحمٰن کے عدد ۱۲۰۸ ہوتے ہیں۔ جامع ۱۲) رحمٰن کو بھی بلا الف کے تحریر فرمایا تھا اور السلام علیکم کو بھی بلا الف کے حرفِ تنوین کیساتھ تحریر فرمایا تھا۔ مولانا کے بعض ملفوظ میں نے اوروں سے بھی سُنے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ایکبار مولانا سے کسی نے پوچھا کہ حضرت یہ کیا بات ہے کہ اور معاملات میں تو صرف دو گواہ کافی ہیں لیکن زنا میں شرعاً چار گواہوں کی ضرورت ہے۔ مولانا

نے برجستہ کہا کہ وہ فعل دو شخصوں کے متعلق بھی ہے، ہر ایک کیلئے دو دو گواہ ہو گئے۔ ایک تو یہ سُنا۔ ایک یہ سُنا کہ کسی نے پوچھا کہ مفقود کی عورت کے متعلق کیا شرعی حکم ہے؟ حضرت نے اس مسئلہ میں جو حنفیہ کا مذہب ہے وہ تبلا دیا۔ اُسنے کہا کہ اسمیں تو حرج بہت ہے۔ فرمایا کہ ہاں جی ہاں بہت حرج ہے اور جہاد میں اس سے بھی زیادہ حرج ہے اسے بھی اسلام سے نکال دو۔ بلکہ جسقدر احکام اسلام کے ہیں سب ہی میں بڑا حرج ہے لہذا اسلام ہی کو خیرباد کہہ دو۔ بڑا اچھا جواب دیا۔
یوں سُنا ہے کہ اوّل مولانا، شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پڑھنے کیلئے تشریف لیگئے تھے۔ مگر تھوڑے ہی دن پڑھکر واپس تشریف لے آئے۔ جب رخصت ہونے لگے تو شاہ صاحب نے دریافت فرمایا کہ بھائی اسقدر جلدی کیوں جاتے ہو۔ مولانا نے جوابدیا کہ والدہ کی اجازت اتنی ہی تھی۔ اسکے بعد دوبارہ حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پڑھنے کیلئے دہلی تشریف لائے۔ اور انسے بہت دن تک پڑھتے رہے (اس مقام پر حاضرین میں سے ایک نے یاد دلایا کہ پٹاخوں کا قصہ بھی تو آپکے سامنے ہوا تھا۔ فرمایا جی ہاں دوسری حاضری میں ہوا تھا میں نے قصداً اسکو چھوڑ دیا تھا کہ معاند اور بدفہم اسکو بھی کہیں برائی پر محمول نہ کریں یا مولانا کے اس فعل سے آتشبازی کا جواز نہ ثابت کرنے لگیں)
دوسری حاضری میں ایک روز مغرب کے بعد مکان میں سے پھٹ پھٹ کی آواز آئی۔ مولانا کے پوتے یہ جو اسوقت سجادہ نشین ہیں پٹاخے چھڑا رہے تھے۔ مولانا نے فرمایا ارے یہ کیا ہو رہا ہے۔ خادم نے عرض کیا کہ پوتے صاحب پٹاخے چھڑا رہے ہیں۔ فرمایا ارے پٹاخا کیا ہوتا ہے۔ اللہ اکبر اتنی عمر ہو گئی اور یہ خبر بھی نہیں کہ

پٹاخہ کیا ہوتا ہے۔ سبحان اللہ کیسے بے تعلق تھے یہ حضرات دنیا سے۔ خدام نے عرض کیا کہ حضرتؒ پٹاس اور منسل اور بارود کو کاغذ میں لپیٹ لیتے ہیں اور اوپر سے جوڑ دیتے ہیں اور اندر تاگا رکھ کر ایک سرا باہر نکالدیتے ہیں پھر اس کو آگ لگا دیتے ہیں۔ پھر تو اس سے بہت زور کی آواز پیدا ہوتی ہے۔ فرمایا اچھا ہم نے کبھی نہیں دیکھا ہم بھی دیکھیں گے منگاؤ۔ میاں رحمۃ اللہ صاحب بلوائے گئے۔ انہوں نے کہا کہ وہ تو ختم ہو چکے۔ یہ سنکر حضرت نے بہت افسوس کیساتھ فرمایا کہ پھر ہم کس طرح دیکھیں گے۔ عرض کیا گیا کہ حضرتؒ بازار میں بہت ملتے ہیں۔ فرمایا اچھا تو ہمارے لئے لاؤ۔ اور تکیہ کے نیچے سے خود پیسے نکال کر خادم کے حوالے کئے۔ جب وہ لے آیا تو میاں رحمۃ اللہ بلائے گئے اور اُنسے کہا گیا کہ چھڑاؤ۔ چنانچہ انہوں نے ایک پٹاخہ چلایا تو پھٹ سے آواز آئی۔ مولانا ڈر گئے اور زور سے فرمایا ہائے ری اور یہ فرما کر پیچھے کو ہٹ گئے۔ دو تین پٹاخوں کے بعد فرمایا، بس بھائی بس جاؤ اب ہمیں ڈر لگتا ہے۔

جامع عرض کرتا ہے کہ حضرت حکیم الامۃ مدظلہ العالی نے اس جلسہ میں تو حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے متعلق اسی قدر فرمایا تھا۔ لیکن ایک بات مجھ کو وہ بھی یاد آگئی جو ۱۳ رمضان کو اتوار کے دن نماز ظہر کے بعد حضرت مولانا ہی کے متعلق فرمائی تھی کہ حضرت مولانا نے ایکبار حدیث شریف کا سبق پڑھا کر یہ شعر پڑھا تھا ؎

ما ہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم ؛ الا حدیث یار کہ تکرار مے کنیم

اس شعر کے لطف کو لفظ حدیث نے دوبالا کر دیا۔ اور سُنا ہے کہ ایک مرتبہ

مولوی محمد شفیع صاحب بجنوری نے حج کو جانیکا ارادہ ظاہر کیا۔ حضرت مولانا نے فرمایا شرائط حج کی بھی خبر ہے یا ویسے ہی حج کا ارادہ کر لیا۔ حضرت مولانا کا مطلب یہ تھا کہ زادو راحلہ و نفقہ اہل و عیال بھی ہے یا نہیں۔ مولوی محمد شفیع صاحب نے عرض کیا حضرت جی ہاں شرائط کی خبر ہے۔ فرمایا کیا خبر ہے۔ انہوں نے جواب میں حضرت خواجہ حافظؒ کا یہ شعر پڑھ دیا ؎

دررہِ منزلِ لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں ؛ شرطِ اوّل قدم آنست کہ مجنوں باشی

حضرت مولانا نے یہ شعر سُنکر ایک پرجوش نعرہ لگایا۔ لیکن فوراً ہی سنبھل گئے فرمایا کہ سب واہیات ہے جو شریعت نے فیصلہ کیا وہی برحق و درست ہے۔ آخر شیخ تھے متاثر بھی ہوئے اور فوراً ہی اصلاح بھی فرمادی (ولنعم ماقیل) ؎

بر کفے جامِ شریعت بر کفے سندانِ عشق ؛ ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

(از ملفوظات حضرت حکیم الامت دام فیوضہم)

رسالہ از صدق المتین فی جواب رسالہ ہو الحق المتین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً۔ امابعد، جس رسالہ اشرف التنبیہ کو احقر نے ارواحِ ثلاثہ کا جزو بنایا ہے اُس پر محمد بشیر صاحب صدیقی میرٹھی نے اپنے رسالہ "ہو الحق المبین" میں غلط فہمی یا عناد کیوجہ سے کچھ اعتراضات کئے ہیں۔ جن کا خلاصہ صرف یہ ہے کہ حضرت حکیم الامۃ مدظلہ العالی نے (معاذ اللہ) حضرت مولانا گنج مرادآبادیؒ کے خلاف اشرف التنبیہ میں کچھ باتیں لکھی ہیں۔ ان اعتراضات کے جوابات ہمارے

محترم جناب مولانا حکیم نعمت اللہ صاحب دامت برکاتہم متوطن خانقاہ مانک پور ضلع پرتاپ گڈھ نے نہایت متانت و دیانت سے تحریر فرمائے ہیں جو اخبار العدل میں احقر کی نظر سے گذرے۔ احقر نے تعمیماً للفائدہ مناسب سمجھا کہ رسالہ ہذا میں حضرت مولانا فضل الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کی حکایات کے بعد ان جوابات کو بھی شائع کر دیا جاوے۔ اور احقر معترض صاحب سے بجز اسکے اور کچھ نہیں کہنا چاہتا کہ ؎

گفتگو آئینِ درویشی نبود ؎ ورنہ با تو ماجراہا داشتیم

(بندہ ظہور الحسن عفی عنہ)

جواب از حضرت حکیم صاحب موصوف

ہر کس از دستِ غیر نالہ کند ؎ سعدی از دستِ خویشتن فریاد

اصل بات یہ ہے کہ انسان اپنے پیر و مرشد سے بڑھ کر زمانہ حال میں کسی اور کو زیادہ بزرگ نہیں جانتا۔ مؤلفِ رسالہ ہو الحق المبین محمد بشیر صدیقی میرٹھی صاحب نے حضرت مولانا تھانوی کے ایک رسالہ اشرف التنبیہ سے مجذوب وغیرہ الفاظ اور واقعات کو لیکر حضرت گنج مرادآبادی کی شان میں توہین آمیز سمجھ کر یہ رسالہ شائع کیا۔ طرزِ تحریر سے یہ بھی ظاہر ہے کہ مؤلف صاحب کو مولانا تھانوی سے ایسی سوءِ عقیدت ہے کہ ان کے ساتھ دوسرے بزرگوں کو بھی نشانہ، ملامت بنایا اور بیجا شور اور بے چینی لوگوں میں پیدا کر دی۔ کاش کہ اشرف التنبیہ کی پوری عبارت نقل فرماتے تو اہلِ فہم کو رائے قائم کرنے میں آسانی ہوتی۔ میں آپ کو بتلانا چاہتا ہوں کہ میں کس بزرگ سے سلسلہ رکھتا ہوں۔ سُنیے یہ ناچیز اور میری والدہ اور عمِ بزرگوار

اور دیگر خاص اعزہ حضرت گنج مراد آبادی کے خادم ہیں۔ میرا قیام بزمانہ طالب علمی لکھنؤ میں زیادہ رہا۔ حضرت کی خدمت میں گنج مراد آباد اکثر حاضر ہوا کیا۔ نیز قیام بھی کیا۔ والد صاحب مرحوم دہلی میں انسپکٹر تھے۔ میں مشکوٰۃ شریف اور نصف ترمذی شریف پڑھ چکا تھا کہ والد صاحب علیل ہوئے۔ میں نے حاضری کی اجازت چاہی۔ جواب آیا کہ ضرورت نہیں۔ اور یہ لکھا کہ میری روح تم سے جب ہی خوش ہوگی کہ تم فقہ و حدیث ختم کر لو گے۔ دوسرا خط انتقال کا آیا، وطن گیا تو والدہ صاحبہ نے زور دیا کہ تم ملازمت کرو۔ بغیر اسکے کام نہ چلے گا۔ سپرنٹنڈنٹ صاحب جناب والد مرحوم سے بہت خوش تھے۔ ہیڈ کانسٹبل کرنے کو تیار تھے۔ میں عجب کشمکش میں پڑا کہ والدہ صاحبہ کی تعمیل کروں یا جناب والد صاحب مرحوم کی وصیت پر عمل کروں۔ فیصلے کیلئے گنج مراد آباد حاضر ہوا۔ جناب مولانا احمد حسن صاحب کانپوری بھی حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی کی خدمت میں تشریف لایا کرتے تھے۔ ایک روز حضرت مولانا نے مولانا کانپوری سے فرمایا کہ تم منطق اور فلسفہ کے پیچھے پڑے ہو۔ قاضی مبارک کی قبر کو دیکھو اور ایک فقیر کی قبر کو دیکھو تو حقیقت معلوم ہو۔ مولانا کانپوریؒ اس سے ایسے متاثر ہوئے کہ تدریسِ حدیث شریف شروع کر دی۔ مجھ کو اسکی خبر ہو چکی تھی لہٰذا میں نے گنج مراد آباد حاضر ہو کر اپنے مرشد حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب سے پہلے یہ عرض کیا کہ سنا ہے حضور نے حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے پڑھا ہے۔ فرمایا ہاں۔ میں نے عرض کیا کہ حدیث شریف سن کر اجازت دیجئے تو برکت حاصل ہو۔ مشکوٰۃ شریف کی چند حدیثیں سنکر فرمایا کہ اجازت دیتا ہوں اور عمل کی تاکید فرمائی۔ بزمانہ طالب علمی اسوقت تک کھانیکا انتظام بطورِ خود تھا۔ دس روپیہ ماہوار والد صاحب مرحوم دیتے تھے اور اب

والدہ صاحبہ نے انکار کر دیا کہ ملازمت نہ کرو گے تو خرچ نہ دوں گی۔ میں نے سوچا کہ کانپور کے مدرسہ میں خرچ ملتا ہے کسی کے دروازہ پر کھانا لینے کو جانا نہیں پڑتا طبعی امر ہے کہ جو کام انسان کیلئے نہیں ہوتا وہ مشکل معلوم ہوتا ہے۔ مجھ کو شرم معلوم ہوتی تھی کہ کیسے کسی کے دروازہ پر برتن لے کر کھانا لینے کو جاؤں گا۔ جو مدارس میں دستور ہے۔ خیال ہوا کہ جناب مولانا احمد حسن صاحب کانپوری حضرت گنج مراد آبادی کے معتقد ہیں حضرت گنج مراد آبادیؒ سے ایک خط مولانا کانپوری کے نام لکھوا لونگا، تو توجہ سے حدیث ختم کرا دینگے۔ لہذا حضرت سے عرض کیا کہ یہ میری سرگذشت ہے، حضور ایک خط مولانا کانپوری کے نام لکھدیں وہ حدیث ختم کرا دیں۔ فرمایا کہ تم گنگوہ جاؤ۔ دوبارہ عرض پر فرمایا کہ ایک میں ہوں اور دوسرے رشید احمد تیسرے ایسا کوئی اور مل جائے تو ظلمتِ فلسفہ دور ہو جائے۔ تم گنگوہ ہی جاؤ۔ قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید پر خیال کر کے گنگوہ حاضر ہوا۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے میرے کھانیکا انتظام کرنا چاہا۔ میں نے عرض کیا کہ میرے لئے نہ کیجئے اور میں نے تین ماہ کا خرچ خوراک پکانیوالے کو اس لئے دیدیا کہ خرچ کم ہے یہ بھی صرف نہ ہو جائے۔ اب تو تین ماہ کھانیسے اطمینان ہو گیا۔ مولانا گنگوہیؒ نے دریافت کیا کہ کیا خرچ ماہوار تمہارا آتا رہیگا۔ اس کا صاف صاف جواب میرے پاس کیا تھا۔ مجمل عرض کیا۔ حضرت موصوف نے مولانا مسعود احمد صاحب مدظلہ العالی سے فرمایا کہ ان کا کھانا بیٹیا کے یہاں مقرر کر دو جہاں سے روزانہ آدمی کھانا لا کر کھلا جاتا تھا۔ کچھ دنوں بعد حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ تم حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کو جانتے ہو (یہ سنتے ہی مجھے حس ہوا کہ کھانیکا یہ انتظام حضرت گنج مرادآبادی کا طفیل ہے۔ حالانکہ جب بیٹیا کے یہاں کھانا مقرر ہوا تو طلبہ وغیرہ پوچھتے تھے کہ کیا تم

مولانا محمود حسن صاحب وغیرہ کا خط لائے ہو جو خاص جگہ کھانا مقرر ہوا ہے) میں نے عرض کیا کہ کیا حضور سے ملاقات ہے۔ فرمایا ملاقات ہی سی ہے۔ حضرت استاذی مولانا عبدالحیؒ صاحب لکھنوی نے حضرت مولانا اُستاذی گنگوہیؒ سے محض مطالب حدیث کے متعلق استفسار فرمایا تھا۔ اسوقت تک یہ خطوط موجود تھے۔ القاب میں بزرگانہ الفاظ تھے۔ ایسی صورت میں اپنے مرشد جامع شریعت و طریقت اور حضرت لکھنوی کیخلاف میں کس زبان سے حضرت گنگوہیؒ کو (معاذ اللہ) بُرا کہوں اور کس سیاہ قلب سے بُرا جانوں۔ مؤلف صاحب کو ہمارے حضرت گنج مراد آبادیؒ کی صحبتِ کیمیا اثر کا اتفاق نہیں ہوا۔ وہ تو کسی کو بُرا نہیں فرماتے تھے۔ ایک روز میں نے غور کیا کہ حضرت گنگوہیؒ نہ معلوم کس درجہ کے بزرگ ہیں جو حضرت مرشدی ایسی تعریف فرماتے ہیں۔ خواب دیکھا کہ حضرت فخرِ عالم و آدم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لئے جاتے ہیں اور حضرت گنگوہی ان کے پیچھے قدم بقدم جا رہے ہیں (سبحان اللہ) کیا شان تھی۔ کیا شان تھی جناب مؤلف صاحب (خدا محفوظ رکھے) کاذب پر لعنت آتی ہے اور جھوٹ صرف اسی کا نام نہیں کہ خلافِ واقعہ بیان کرے بلکہ بلاتحقیق سُنی سنائی باتوں کو بیان کرے وہ بھی جھوٹ ہے۔ کفیٰ بالمرءِ کذباً ان یحدث بکل ما سمع۔ آمدم برسرِ مطلب۔ (اب مؤلف صاحب کے اعتراضوں کا صحیح جواب ملاحظہ ہو) (ا۔ صہ) اعتراض اوّل) رسالہ اشرف التنبیہ میں اعلیحضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو غیر منتظم ثابت کرنیکی کوشش کی الخ۔ جواب۔ مولانا تھانوی سلمہٗ ربہٗ کے کلام میں شائبہ تک بھی نہیں جس کے یہ معنی ہوں کہ غیر منتظم ثابت ہونیکی کوشش کی گئی ہے۔ صحیح صحیح واقعہ ہے جو میرا مشاہدہ ہے۔ اہلِ فہم ناظرین کے لئے اصل عبارت اشرف التنبیہ کی نقل کرتا ہوں۔

حکایت (مولانا تھانوی نے) فرمایا کہ بزرگ بھی منتظم اور غیر منتظم اور دنیادار بھی منتظم اور غیر منتظم دنیا میں دونوں قسم کے ہوتے ہیں۔ بعضوں کے یہاں انتظام ہوتا ہے اور بعضوں کے یہاں نہیں ہوتا ہے۔ مولانا فضل الرحمٰنؒ کے یہاں حساب کی کوئی یادداشت ہی نہ تھی۔ ایک بقال کے یہاں سے سامان آتا تھا۔ جو وہ بتلا دیتا تھا وہ آپ دیدیتے تھے آپ کچھ پوچھتے ہی نہ تھے۔ اور ہمارے مولانا گنگوہی نے جو وصیت نامہ لکھا ہے تو اسمیں یوں لکھا ہے کہ بندہ کے ذمے میں قرض نہیں ہوا کرتا ہے حالانکہ مولانا کے یہاں بھی اوّل اوّل فاقے ہوتے ہیں مگر منتظم بڑے تھے۔ (اشرف التنبیہ)

جناب میرٹھی صاحب! ہر بے انتظامی تو نقص نہیں ہے۔ جس عدم انتظام کا یہاں ذکر ہے یہ تو زیادہ بزرگی کی دلیل ہے کہ اموال و متاع سے قلب کو کوئی تعلق نہیں تھا اسکی بھی پرواہ نہ تھی کہ بقال کے پاس حق واجب سے زیادہ نہ چلا جائے۔ پس جب شروع ہی کلام میں تصریح ہے کہ بزرگوں کی دو قسمیں ہیں منتظم اور غیر منتظم، اور اقسام پر مقسم کا صادق آنا ضروری ہے تو بزرگی کی تو اسمیں تصریح کر دی۔ پھر تنقیص کا احتمال کہاں رہا۔

۲۷ (**صفحہ ۵ اعتراض دوم**) مولانا اشرف علی صاحب نے مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ کی نسبت لکھا ہے کہ وہ مجذوب تھے مگر بات کیسی عمدہ فرمائی۔ (مولانا تھانوی نے) اس مقام پر نیز صـ۱۹ و صـ۲۵ میں قطب الاقطاب گنج مرادآبادی کی شان میں مجذوب کے لفظ سے تنقیص کی۔ یہ اشارہ کرتے ہوئے کہ مجذوب بے تکی ہانکا کرتے ہیں۔ **جواب**۔ ابتک نہ ہوئے مغز سخن سے آگاہ؛ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ ان حکایتوں میں مجذوب کا لفظ ضرور ہے اس سے تنقیص سمجھنا اور مجذوب کا بے تکی

ہانکنا یہ آپ (مؤلف) کی سمجھ کا بے تکاپن اور حسد و عناد ہے۔ مولانا تھانوی نے حضرت گنج مرادآبادی کے نام نامی پر جا بجا رحمۃ اللہ علیہ اور کسی حکایت میں مولانا فضل الرحمٰنؒ کو مجذوب صاحبِ حال لکھا۔ اور کہیں یہ لکھا کہ ان حضراتؒ کے اندر عقل کامل بھی ہوتی ہے۔ یہ لوگ ہیں عرفاء و عقلاء۔ ان اوصاف کیساتھ یہ بھی لکھا، حالانکہ مجذوب تھے مگر یہ بات کیسی حکمت کی کہی الخ۔ مؤلف صاحب کی فہم سقیم الفاظ کے معنی سمجھنے میں اگر یہی ہے تو عجب نہیں کہ کلام مجید سے "ناوانا نوح" کا ترجمہ یہ فرمائیں کہ معاذ اللہ حضرت نوح علیہ السلام نادان تھے۔ آپ مولانا تھانوی سے اعتراض دوم کے تحت میں سوال کرتے ہیں کیا مجذوب مطلق کے اندر یہ صفات (متذکرہ مؤلف) آپ دکھا سکتے ہیں۔ جب مولانا نے مجذوب لکھا ہی نہیں تو جواب کیا دیا جائے۔ اہلِ علم و فہم تو مجذوب کو بزرگ ہستی جانتے ہیں۔ ان کی شان والا میں بے تکی ہانکنے کا خیال تک سخت بے ادبی جانتے ہیں۔ آج آپ (مؤلف صاحب) کا عقیدہ معلوم ہوا کہ آپ معاذ اللہ مجذوب کو پاگل جانتے ہیں۔ سنیے مجذوب ہونا نقص نہیں، ایک شان ہے بزرگی کی۔ بلکہ بعض وجوہ سے اپنے متقابل ہمعصر مسلمان سے افضلیت ہے وہ یہ کہ ان حضرات کو مشاہدۂ محبوب میں ہر وقت استغراق رہتا ہے اور ایسی حالت میں جو علوم انسے ظاہر ہونگے وہ محض الہامات اور موہوب ہونگے قوت فکریہ کا نتیجہ نہ ہوگا۔ تو یہ کمال ہے نہ نقص۔ مزید یہ کہ مولانا تھانوی کے کلام میں خود اسکی تصریح ہے کہ ان حضرات میں عقل کامل بھی ہوتی ہے جس میں صاف صاف دلالت ہے کہ مجذوبیت اور عاقلیت میں تنافی نہیں بلکہ مجذوبیت خود سنۃ اللہ میں کمالِ عقل کو مستلزم ہے۔ اللھم احفظنا من التعامی

حضرت گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ کے جواب میں اور تعلیم حدیث

وغیرہ میں مفتی محقق ومحدث مدقق تھے اور استغراقی حالت میں محویت الی المحبوب۔ فتووں کا جواب (اگرچہ سوال اُردو میں ہو) فارسی ہوتا تھا۔ ایک شخص نے لکھا کہ سوم (تیجا) دہم چہارم وغیرہ کرنا کیسا ہے۔ جواب آیا کہ "ایں امور در شرع شریف وارد نہ شدہ"۔

فضل رحمٰن

اکثر قرآن مجید تصحیح فرما کر تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ چوتھا پارہ آپ دیکھ رہے تھے جب قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی پر ایک شخص کی نظر پڑی تو عرض کیا اسکے کیا معنی ہیں۔ فرمایا حضورؐ سے حکم خداوندی ہوا کہ تم کہدو کہ اگر تم اللہ کو چاہتے ہو تو میری چال چلو"۔ انتہیٰ۔ یہ میرے چشم دید واقعات ہیں۔ مولانا تھانوی کی ملاقات میں استغراقی حالت غالب ہوگی اسلئے مجذوب لکھدیا۔ پھر محض مجذوب نہیں لکھا جو صفات علمی و فضائل و کمالات تھے ان کو بھی ذکر فرما دیا۔ اسی مقام پر فرمایا کہ مجذوب تھے مگر بات کیسی حکمت کی کہی۔ مؤلف صاحب صفت حکمت حضرات انبیاء علیہم السلام کی شان سے ہے حضرت داؤد علیہ السلام کی شان میں ارشادِ خداوندی ہے واتاہ اللہ الملک والحکمۃ قرآن مجید میں ہے ومن یوتی الحکمۃ الخ جسے چاہتا ہے حکمت دیتا ہے اور جو کوئی حکمت دیا گیا پس تحقیق وہ خیر کثیر دیا گیا۔ مولانا تھانوی کے لسان وجنان میں حضرت گنج مرادآبادیؒ کی جو عظمت ہے اس کا عشر عشیر بھی آپ کو نصیب نہیں ؎

دعویٰ کیا تھا گل نے کل تیرے رنگ و بو کا ؛ دھولیں صبا نے ماریں شبنم نے منہ پہ تھوکا

رسالہ ہوالحق المبین کے صہ ۹ کے نوٹ میں لکھا ہے کہ ہم نے اپنے اعتقاد کی بنا پر حضرت شاہ امداد اللہ صاحب کا نام نامی استناداً پیش کیا ہے۔ آپ (مولانا تھانوی) کے نزدیک تو شاید انکا نام لینا بیکار ہوا سلیے کہ آپ اور آپکے گرو گنگوہی صاحب تو حضرت

حاجی صاحب کو جاہل لکھ رہے ہیں (تذکرۃ الرشید حصہ اول الخ) مؤلف صاحب کو اپنی زبان کو فوارۂ لعنت اور دہان کو سنڈاس بنانا مبارک رہے۔ تہذیبِ مذہبی و تربیتِ مرشدی مانع نہ ہوتی تو جواب ترکی بترکی سے عاجز نہ تھا۔ علیہ ما یستحقہ۔ مؤلف کی فہمِ سقیم کا حال اوپر معلوم ہو چکا ہے۔ تذکرۃ الرشید کا سمجھنا جاہل کا کام نہیں ہے۔ محض جہلا کو خوش اور خوش کرنے کیلئے مؤلف صاحب اپنے کو حضرت حاجی صاحبؒ کا معتقد بناتے ہیں ورنہ محض نفاق ہے۔ حضرت گنگوہیؒ کی شان میں حضرت حاجی صاحبؒ ضیاء القلوب میں تحتِ عنوانِ کلماتِ دو پند و وصیت ارشاد فرماتے ہیں۔ "و نیز ہر کس ازیں فقیر محبت و عقیدت و ارادت دارد مولوی رشید صاحب سلمہٗ و مولوی محمد قاسم صاحب سلمہٗ کہ جامع جمیع کمالات علومِ ظاہری و باطنی اند بجائے من فقیر راقمِ اوراق بلکہ بدارجِ فوق از من شمارند اگرچہ بظاہر معاملہ برعکس شد کہ اوشاں بجائے من و من بمقامِ اوشاں شدم و صحبتِ اوشاں را غنیمت دانند کہ ایں چنیں کساں دریں زماں نایاب اند و از خدمت ایشاں بابرکت فیضیاب بودہ باشند و طریق سلوک کہ دریں رسالہ نوشتہ شد در نظرِ شاں تحصیل نمایند انشاء اللہ تعالیٰ بے بہرہ نخواہند ماند اللہ تعالیٰ در عمرِ ایشاں برکت دہاد و از تمامی نعماء عرفانی و کمالاتِ قربِ خود مشرف گرداند و مراتبِ عالیات رساناد و از نورِ ہدایتِ شاں عالم را منور گرداناد و تا قیامت فیض اوشاں جاری داراد۔ بحرمۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ والامجاد۔

اب ناظرین خود فیصلہ کرلیں کہ حضرت گنگوہیؒ کی عظمت حضرت حاجی صاحب کے نزدیک کس قدر ہے۔ کوئی جاہل سے جاہل اور احمق سے احمق بھی حضرت کا معتقد ہو کر حضرت گنگوہیؒ کو برا نہیں کہہ سکتا۔

اعتراض سوم۔ ص ۹ پر مؤلف نے لکھا ہے کہ جہاں حاجی صاحبؒ قیام فرماتے

تھے معتبر سنا گیا ہے کہ تھانوی صاحب نے اسجگہ پاخانے بنوائے ہیں۔ عیاذاً باللہ۔

جواب:۔ مؤلف کا اصل مقصد تو اعتراض ہے گو کیسی ہی کذب صریح مشاہدہ کے خلاف ہو اس سے بحث نہیں۔ حضرات ناظرین جا کر مشاہدہ فرمالیں کہ حضرت حاجی صاحب کا حجرہ اصلی صورت پر ابتک موجود ہے بلکہ اس کی چوکھٹ و کواڑ تک مولانا تھانوی کو بدلنا گوارا نہیں ہوا۔ حالانکہ بدلنے کی حاجت تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ حجروں میں تنگی تھی۔ اس زمانہ کے پائخانہ کو حجرہ بنوا دیا اور پائخانہ دوسری جگہ بنوا دیا۔ اب فرمایئے کہ حجرہ کا پائخانہ بنوایا ہے (لاحول ولاقوۃ الا باللہ) یا پائخانہ کا حجرہ۔ جیسا کہ مؤلف صاحب بے تکی ہانکتے ہیں کہ حجرہ کا پائخانہ بنایا ہے۔ لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔

اعتراض چہارم ص۱۱ اس روایت میں مولوی صاحب گنگوہی کا تقوئی سندِ حدیث دینے میں احتیاط کرنا اور حضرت مرادآبادیؒ پر اعتراض جڑا گیا ہے کہ وہ سندِ حدیث دینے میں غیر محتاط تھے اور فرائض وواجبات پر بھی نکیر نہ فرماتے تھے۔ نیز ان کے بعض مریدین کو ڈاڑھی منڈا کہہ کر غیر متشرع بنایا اور اس کا الزام حضرت مولانا قدس سرہٗ پر لگایا اس جہالت کا کیا ٹھکانا ہے۔ **جواب**:۔ اصل عبارت ملاحظہ ہو (مولانا تھانوی نے) فرمایا کہ ایک مولوی صاحب مولانا گنج مرادآبادی کے مرید تھے اور حسین عرب کے شاگرد۔ حافظہ بہت اچھا تھا مگر ڈاڑھی منڈاتے تھے بلکہ ڈاڑھی والوں کی مذمت کیا کرتے تھے۔ یہ مولانا گنگوہیؒ کے یہاں حدیث کی سند لینے آئے۔ مولانا نے فرمایا کہ آپ کو سندِ حدیث دینا جائز نہیں ہے۔ بس فوراً چلے گئے اور مولانا گنج مرادآبادی سے جا کر سند لے لی اور حضرت گنگوہیؒ کو لکھا کہ دیکھو تم نے سند نہ دی تھی تو کیا ہم کو ملی نہیں۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ مولانا گنج مرادآبادیؒ کے یہاں غلبۂ استغراق کے سبب ان چیزوں کی نظر

التفات نہ تھا۔ کبھی خیال ہوگیا تو مستحبات پر پکڑ ہوگئی ورنہ فرائض وواجبات پر بھی نکیر نہ فرمائی۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے بایاں پاؤں مسجد میں رکھ دیا۔ بس اُسے بیل اور یہ اور وہ کہنا شروع کر دیا۔ مولانا سے بڑے بڑے عہدہ دار ڈاڑھی منڈے مُرید تھے اور اسپر التفات نہ تھا۔ مولانا مجذوب تھے۔ (اشرف التنبیہ)

ناظرین غور کریں اس عبارت میں اعتراض اور الزام کا کوئی لفظ نہیں ہے۔ حضرت گنگوہی کا مقولہ نقل فرمایا ہے جن کی کمال بزرگی کی تصدیق حضرت حاجی صاحب فرما چکے ہیں۔ قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید۔ میں نے بھی بزرگوں کا طرزِ عمل مختلف دیکھا ہے ہر گلے را رنگ وبوئے دیگر است۔ بعض حضرات یہ خیال فرما کر کہ اگر مُرید نہیں کرتے تو کسی جاہل بیدین کا مرید ہو کر فاسد العقیدۃ تک ہو جائیگا۔ اللہ تعالیٰ کا نام تبلادیں اسکی برکت سے اصلاح ہو جائے۔ کیا عجب ہے۔ اور بعض حضرات یہ خیال فرما کر کہ جب اسکی گواہی شرعاً مقبول نہیں ہم کیوں رعایت کریں۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہر بزرگ فرماتے ہیں اس سے مولانا کو کب انکار ہے غلبۂ استغراق میں معذور ہیں۔ حضرت گنج مرادآبادی پر اعتراض کب فرمایا ہے یا الزام کب دیا ہے۔ حیرت ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے مؤلف صاحب معترف ہیں اور حضرت گنگوہی اور حضرت تھانوی کے سخت مخالف۔ حالانکہ یہ سب حضرات مسلکاً ومشرباً ومذہباً کنفس واحدۃ ہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ کا حوالہ کذب صریح ہے۔

ایک اور الزام۔ مؤلف صاحب اپنے رسالہ کے ص۱۳ پر لکھتے ہیں۔ مولوی صاحب گنگوہی کی سند حدیث میں حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب اور ان کے والد ماجد حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے اسمار گرامی موجود ہیں اوران کا شجرۂ طریقت

حضرت حاجی صاحب سے چلتا ہے اور یہ تینوں حضرات محفل میلاد شریف میں شریک ہوتے خود کرتے اور ذکر ولادت باسعادت کے وقت صلوٰۃ وسلام کھڑے ہو کر پڑھتے تھے جیسا کہ متعدد تحریرات سے ثابت ہے الخ۔

جواب:۔ حضرت حاجی صاحب کی تحریر میں ضرور لکھا دیکھا ہے کہ مجھ کو قیام میں لذت آتی ہے۔ اگر آپ سچے ہیں تو کسی معتبر کتاب یا تحریر میں دکھلایئے کہ یہ تینوں حضرات میلاد شریف خود کرتے تھے اور ذکرِ ولادت باسعادت کے وقت کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھتے تھے محض میلاد شریف کا ثبوت نہ ہو دونوں باتیں ہوں۔ ورنہ مؤلف صاحب جہلاء کے خوش کرنے کے لیے ناحق جھوٹ بول کر مورد لعنت بنتے ہیں۔ ہمارے حضرت گنج مرادآبادیؒ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے لاشد شاگرد تھے۔ مگر ہمارے حضرت کے یہاں نہ کبھی مولود شریف مروجہ ہوا نہ پیرانِ طریقت کا عرس ہوا۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت کے یہاں مولود شریف نہیں ہوتا۔ فرمایا روز ہوتا ہے۔ اور کلمۂ طیبہ پڑھا اور فرمایا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مولود نہ ہوتے تو ہم یہ کلمہ کیوں پڑھتے۔ ایک مولود خواں نے میرے سامنے عرض کیا کہ مولود شریف کرنا کیسا ہے۔ فرمایا کہ اولیائے کرام کے ذکر میں رحمت نازل ہوتی ہے۔ آنحضرتؐ کے ذکر کو سبحان اللہ کیا کہنا ہے۔ بخاری شریف وغیرہ سے صحیح صحیح روایتیں پڑھے۔ پھر قیام میلاد کو پوچھا۔ فرمایا کہ تم تو جھک مارتے ہو (جھک مارنیکا لفظ بالکل صحیح ہے باقی الفاظ بھی معنی صحیح ہیں) ایک غیر مقلد نے قیام میلاد کو پوچھا فرمایا آنحضرتؐ کی محبت میں جو وجد کرے مجھ کو اچھا معلوم ہوتا ہے۔ مؤلف صاحب، حکیم امت کی یہی شان ہے کہ جیسا سائل مریض ہو ویسا جواب عطا ہو۔ معلوم ہوا کہ جو حضور پُرنورؐ سے نہ ثابت ہو نہ صحابہ کرام

کا فعل ہو نہ ائمہ مجتہدین کا قول کتب معتبرہ فقہ میں منقول ہو اس پر وجوب وسنت و مستحب کا شرعی حکم کیا دیا جائے. بزرگوں کا فعل ہے تشبہ بالصالحین کے طور پر قیام کر لے یا مستحسن بعض اہلِ علم وطریقت سمجھے۔ جو صاحب حال ہو کر محبۃً قیام کرتے ہیں ان کو لذت حاصل ہوتی ہے جیسے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ہمارے حضرت گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ بھی چونکہ جامع شریعت وطریقت تھے شرعی حکم کچھ نہیں دیا وجدانی طور پر فرمایا کہ مجھ کو اچھا معلوم ہوتا ہے۔ مؤلف صاحب نے حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی کا قول استناداً پیش کیا ہے اور محدث مانتے ہیں لہذا میلاد شریف اور قیام میں ان کا فتویٰ بھی نقل کئے دیتا ہوں۔ حضرت استاذی مولانا عبدالحی صاحبؒ فرماتے ہیں :-

"سلمنا کہ وجود ذکر مولد در زمانے از ازمنۂ ثلثہ نبود پس میگویم کہ در شرع ایں قاعدہ ثابت شدہ۔ کل فردٍ من افراد نشو العلم فھو مندوبٌ و ذکر مولد نیز زیر آنست لابد حکم مندوب او دادہ خواہد شد و نیز ہمیں مسلک فقہائے متبحرین است و اہل فتاویٰ مستنبطین، مثل ابو شامہ وحافظ ابن حجر وسیوطی وشامی وامثال آں رفتہ اند وحکم بہ مندوب ذکر مولد دادہ اند. حاصل مرام اینکہ ذکر مولد فی نفسہٖ امریست مندوب نعلاوہ بسبب وجود او در خیر الازمنہ بسبب اندراجش زیر سند شرعی و کسے ندبش را منکر نہ نشدہ مگر یک طائفہ قلیلہ کہ رب النوع آں طائفہ تاج الدین فاکہانی مالکی است و او را طاقتے نیست کہ بمقابلہ علمائے مستنبطین کہ فتویٰ ندب ذکر مولد دادند کند پس قولش دریں باب معتبر نیست. آرے اگر بحقیقت ذکر مولد کہ سابقاً گذشت. تحقیقات غیر مشروعہ وتشریعات غیر ماموره منضم شوند حکم ندب آں باقی نخواہد ماند لیکن ایں امریست دیگر در نفس جواز

مولد شکے نیست فقط واللہ اعلم۔ حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی (مختصراً از مجموع الفتوی) قیام کے متعلق بھی حضرت کا فتویٰ ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں "اگر کسی دراں وقت بحال وجد صادق بے ریا و تصنع ستادہ شود معذور است از آداب صحبت است کہ حاضرین اتباع او سازند و بغیر حالِ وجد باختیار خود استادہ شدن نہ فرض است و نہ واجب و نہ سنت مؤکدہ و نہ مستحب بمعنی عرفی شرعی زیرا چہ از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منقول نہ شدہ و نہ در قرون ثلثہ کہ مشہود لہا بالخیر اند بود و امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ در احیاء العلوم می فرماید: روی انس رضی اللہ عنہ انہ کان الصحابۃ لا یقومون لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بعض الاحوال لیکن علمائے حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً قیام می فرمایند و امام برزنجی" در رسالہ مولد مینویسد فقد استحسن القیام عند ذکر مولودہ الشریف ائمۃ ذو درایۃ فطوبی لمن کان تعظیمہ صلی اللہ علیہ وسلم غایۃ مرامہ ومرماہ انتہیٰ (مجموعۃ الفتاویٰ) (نوٹ) اگر فہم سلیم ہوتی تو فتاویٰ رشیدیہ کو غلط نہ سمجھتے۔

اعتراض پنجم۔ رسالہ اشرف التنبیہ میں مولانا تھانوی نے ایک حکایت نقل کی ہے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ حضرت اقدس مولانا گنج مراد آبادی کا کشف دائمی نہ تھا اور ضمناً حضرت کی نظرِ ظاہر پر بھی اعتراض ہے کہ بالوں والی ٹوپی اوڑھے ہوئے شخص کو دیکھ کر فرمایا (کہ ارے ننگے سر نماز پڑھتا ہے) الخ

جواب۔ مؤلف صاحب نے قرآن مجید سے حضرت یعقوب علیہ السلام کا قصہ کسی عالم سے سنا ہوتا یا کم از کم گلستان پڑھی ہوتی اور حکیم سعدیؒ کا وہ قول دیکھا ہوتا جس میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا مقولہ نظم کیا ہے، تو اسقدر ظلمتِ جہل میں نہ پڑتے حضرت

سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینم ٭ گہے بر پشتِ پائے خود نہ بینم

کیوں مؤلف صاحب کیا حضرت سعدیؒ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی تنقیص کی ہے. خود دوام کشف کی نفی فرما دی. بندۂ خدا عقل کے دشمن نہ بنو. مخلوق خدا کو گمراہ نہ کرو. حضرت گنج مراد آبادی کی اسمیں کیا تنقیص ہے اسمیں تو کمال محویت و توجہ الی المجبوب کا اثبات ہے. اللہ تعالیٰ تعامی سے بچائے. مؤلف صاحب نے جتنے اقوال سنداً تحریر فرمائے ہیں ان میں دوام کا ثبوت کب ہے.

اعتراض ششم. صہ ۱۸ اشرف التنبیہ حکایت (نمبر ۵۱) یہ واقعہ سراسر غلط اور محض دروغ اور افترا ہے. حضرت اقدس کے ایک پوتے کی برات بلگرام سے سندیلہ گئی اور بلگرام گنج مراد آباد شریف سے ۱۸ میل ہے. پوتے صاحب مرحوم بلگرام اپنے ننہال میں رہتے تھے. مولانا قبلہؒ اپنے ہی مقام پر رہے اور دوسرے دو پوتوں کی شادیاں حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ہوئیں لہٰذا اس روایت کا بارِ ثبوت آپکے (یعنی حضرت تھانوی عم فیوضہ کے ذمہ ہے) (ہذا ہو الحق المبین کی عبارت ختم ہوئی).

الجواب. اشرف التنبیہ کی عبارت ملاحظہ ہو (حضرت تھانوی نے) فرمایا کہ مولانا فضل الرحمٰنؒ پر جذب کا غلبہ بہت رہتا تھا. ایکمرتبہ آپ کے پوتے کی شادی تھی اور لوگ جمع ہو رہے تھے. پوچھا کہ یہ آدمی کیسے جمع ہو رہے ہیں. لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کے پوتے کی شادی ہے. پھر تھوڑی دیر کے بعد پوچھا تو لوگوں نے وہی جواب دیا الخ. اہلِ فہم ملاحظہ فرمائیں کیا دنیا میں ایسا نہیں ہوتا کہ جو عزیز باہر مقیم ہوتا ہے اس کی شادی کی خبر سن کر وطنی اعزہ شرکت کیلئے جاتے ہیں اگر اسی طریق پر لوگ جمع ہو کر جاتے ہوں تو

کیا مستبعد ہے۔ حضرت تھانوی اپنا مشاہدہ تو نہیں نقل فرماتے اور اگر کسی نے آپ سے غلط واقعہ بیان بھی کیا اور آپ نے اسکو سچا مسلمان (حسن ظن کے طریق پر) سمجھ کر اس کے قول کو صحیح سمجھ کر نقل فرما دیا تو افترا کیسے ہوا اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تنقیص کیا ہوئی۔ المرء یقیس علیٰ نفسہٖ کا مضمون ہے۔ معترض صاحب چونکہ خود افترا کے عادی ہیں کہ وہاں پاخانہ کا تو حجرہ بنایا اور آپ بر عکس بہتان باندھتے ہیں کہ معاذ اللہ حضرت حاجی صاحب کا حجرہ پاخانہ بنایا گیا۔

اعتراض ہفتم۔ صـ ۱۹ الخ۔ اشرف التنبیہ حکایت نمبر ۵۲۔ اس حکایت میں صرف اتنا سچ ہے کہ لفٹنٹ گورنر بہادر ایک مرتبہ حضرت اقدس کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔ باقی اس واقعہ کے متعلق جتنی باتیں حاکی نے بیان کی ہیں اکثر دروغ اور افترا ہیں۔ الخ

الجواب۔ اصل عبارت اشرف التنبیہ ملاحظہ ہو (مولانا تھانوی نے) فرمایا کہ ایک مرتبہ لفٹنٹ گورنر نے مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے کی اجازت چاہی۔ آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ میں تو ایک فقیر آدمی ہوں۔ انکے بیٹھنے کا کیا انتظام ہوگا۔ اچھا ایک کرسی منگا لینا۔ اور آپ لوگوں سے یہ کہہ کر بھول بھی گئے۔ یہاں تک کہ لفٹنٹ گورنر مع چند حکام کے آموجود ہوئے۔ سب کھڑے تھے۔ ایک میم بھی کھڑی تھی مولانا نے ایک اُلٹے گھڑے کیطرف اشارہ کر کے فرمایا کہ بی تو اسپر بیٹھ جا (انتہیٰ بقدر ضرورت) معترض کا یہ بیہودہ اعتراض بھی مثل سابق اعتراض کے ہے، جس کا جواب ظاہر ہے۔ معترض صاحب جو واقعہ لکھ رہے ہیں چشم دید تو ہوگا نہیں بہرحال سمعی ہے جسپر بعینہٖ یہی الزام عائد ہوتا ہے۔ معترض نے اس اعتراض میں آگے چل کر حضرت

تھانوی کو ایسے ناپاک الفاظ سے یاد کیا ہے کہ دیکھ کر قلب کانپ اٹھتا ہے۔

تکاد السمٰوٰت یتفطرن من فوقهن پچ ہے ؎

گر خدا خواہد کہ پردہ کس دَرد ؛ میلش اندر طعنۂ پاکاں بُرد

میں جواب ترکی بترکی سے عاجز نہ تھا لیکن غلیظ قلب) میں ڈھیلا

پھینک کر اپنے کو کیوں نجس کروں ؎

دشنام بہ مذہبے کہ طاعت باشد ؛ مذہب معلوم واہل مذہب معلوم

معترض اس اعتراض میں لکھتا ہے کہ ان کی (حضرت گنج مرادآبادی" کی)

تنقیص شان کے لیے کہ حضرت گھڑی بھی، تو کیسی انگڑھ (ایک میم صاحب کھڑی تھیں

مولانا نے ایک لُٹے گھڑے کیطرف اشارہ کر کے بتایا کہ بی تو اس پر بیٹھ جا) لاحول

ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، حضرت اقدس کا زہد و ورع اس درجہ تک بڑھا

ہوا تھا کہ آپنے اپنی عمر بھر میں کسی غیر محرم عورت کو نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا (انتہیٰ)

اس معترض کی خود اوندھی عقل اور جہالت وضلالت ہے کہ اردو کی عبارت

تک تو خود نہیں سمجھتا اور کج فہمی سے سفید جھوٹ بولتا ہے اور بہتان باندھتا ہے۔

اور بہتان باندھتا ہے۔ یہ مولانا تھانوی نے کب لکھا ہے کہ حضرت مولانا معاذ اللہ

غیر محرم کو دیکھتے تھے۔ کیا ہمکلام ہونا شرعاً مذموم ہے۔ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم

کے زمانہ میں تو عورتیں جواب وسوال کرتی تھیں۔ اگر اہل علم کی صحبت معترض کو نصیب

ہوتی تو حضرت خولہ بنتِ ثعلبہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ جو حضور پُرنور کیساتھ پیش آیا سُنا

ہوتا (دیکھو پارہ ۲۸) حضرت تھانوی نے بقولِ معترض مولانا ؒ کی تنقیصِ شان نہ اشارۃً

فرمائی نہ کنایۃً۔ یہ معترض کا قصورِ فہم ہے۔ لیس ھذا الا ضلال المبین۔

الحاق

احقر ظہور الحسن جامع اوراق ہذا عرض رسا ہے کہ دوران طبع جزء ہذا میں حاضری تھانہ بھون کا اتفاق ہوا۔ وہاں حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب قدس سرہٗ کے نبیرہ صاحب کا (جنکا نام نامی خط ذیل کے ختم پر مذکور ہے) ایک خط جو حضرت حکیم الامۃ جناب مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی مدفیوضہم کے نام تھا اور اسکا جواب بھی جو حضرت حکیم الامۃ دام فیوضہم کیطرف سے لکھا گیا تھا نظر پڑا۔ چونکہ کاتب یعنی نبیرہ صاحب موصوف بفحوائے الولد سر لابیہ اور مکتوب یعنی ان کے خط کا مضمون بفحوائے ع گفتۂ انساں پارۂ انساں بود۔ اپنی شان خاص سے حضرت قدس سرہٗ یعنی صاحب تذکرہ کے حکماً مذکر تھے اسلیئے اس تذکرہ حکمی کو تذکرہ حقیقیہ کیساتھ ملحق کر دینا مناسب معلوم ہوا۔ وہو ہذا۔

خط نبیرہ صاحب۔ محلہ درگاہ ملاواں ضلع ہردوئی۔ ۲ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ لایرد القضاء الا الدعاء ہے اے لقائے تو جواب ہر سوال ؛ مشکل از تو حل شود بے قیل وقال

مجدد العصر حکیم الامۃ مربی اعظم زاد اللہ مجدہٗ ومتع اللہ المسلمین بطول بقائہٖ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مدت دراز سے عرض حال کا ارادہ کر رہا ہوں مگر ہمیشہ یہ خیال مانع رہا کہ مستفید اور مستفیض میں کچھ نسبت تو ہونا چاہیئے۔ کہاں ایک فقیر بے نوا اور کہاں ایک عالی مرتبہ بزرگ ذیشان۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ بارہا عالم خواب وخیال میں حضور والا کی زیارت ہوئی مگر اسکو وہم وتخیل سمجھتا رہا۔ کل صبح عریضہ لکھنے کا قصد کیا معاً جناب والا کی شبیہ کو اپنے روبرو پایا۔ کلمات تسکین وتشفی زبان عالی

سے ادا ہوتے ہوئے سُنے۔ سوز و گداز نے عالم بیخودی پیدا کر دیا اور کچھ خبر نہ رہی۔ یہ آخری صورت اسطرح واقع ہوئی کہ باوجودیکہ تمام عمر مجھ کو زیارت اقدس کا اتفاق چشم ظاہر سے نہیں ہوا لیکن ہزار ہا آدمیوں کے مجمع میں امید ہے کہ شناخت کر سکوں حضور اقدس کی خدمت میں بصد ادب مستدعی ہوں کہ میرے واسطے دعائے خیر فرمادیں۔ امیدِ واثق ہے کہ اللہ تعالیٰ ابواب رحمت کھولدے اسلئے کہ ؎

آں دعائے بیخوداں خود دیگر است ٭ آں دعا زو نیست گفت داور است
آں دعا حق میکند چوں او فنا ست ٭ آں دُعا و آں اجابت از خدا ست
واسطہ مخلوق نے اندر میاں ٭ بیخبر زاں لابہ کردن جسم و جاں
بندگانِ حق رحیم و بُرد بار ٭ خوئے حق دارند در اصلاحِ کار
مہرباں بے رشوتاں یاری کناں ٭ در مقامِ سخت در روزِ گراں

مجھے یقین قطعی ہے کہ میری مشکل کو بجز ذاتِ گرامی کے اور کوئی شخص سارے ہندوستان میں دفع نہیں کر سکتا اسلئے کہ میرے عقیدہ میں حضور والا ہی زمانہ موجودہ میں قطب الہند ہیں اور صحیح معنی میں اعلیحضرت جد محترم مولانا فضل رحمٰن صاحب نور اللہ مرقدہ کے قائم مقام اور جانشین ہیں اگر میرے حق میں دعا فرمائینگے تو یقیناً بابِ رحمتِ فضل و کرم کُھل جائے گا ؎

آں دُعائے شیخ نے چوں ہر دُعاست ٭ فانی است و گفتِ او گفتِ خداست
چوں خدا از خود سوال و کد کند ٭ پس دعائے خویشتن چوں رَد کند

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ بھی قریب قریب اسی کے ارشاد فرماتے ہیں۔ اے مجددِ زماں بزرگانِ دین نے بے لوث اور بلا غرض ہمیشہ شکستہ دلوں کی دستگیری کی ہے۔

مجھے امید ہے کہ میری مشکلات دینی و دنیوی آسان ہونے کے واسطے حضور والا بارگاہ رب العزت میں دعا فرمائینگے۔ ورنہ کار صعب است مبادا کہ خطائے بکنم۔ اپنی بے بضاعتی پر متاسف و متحیر ہوں ورنہ خود حاضر خدمت عالی ہوتا۔ جواب عریضہ سے مع خیریت مزاج عالی سرفرازی کا منتظر ہوں والسلام۔ عریضہ ادب خاکسار محمد فیاض نبیرہ اعلیحضرت مولانا فضل الرحمن صاحب علیہ الرحمۃ محلہ درگاہ (ملاواں) ضلع ہردوئی۔

جواب:۔ از حضرت حکیم الامۃ دام فیوضہم۔ مکرمی سلمہ السلام علیکم۔ نسبت کیمتعلق جو لکھا ہے بڑی نسبت تو اسلام ہے جسکے اعتبار سے سب بھائی ہیں یہ اللہ ہی کو معلوم ہے کون بڑا بھائی ہے کون چھوٹا بھائی ہے۔ خواب اگر وہم ہے تاہم علامت محبت ہے۔ کبھی داعی کیطرف سے کبھی مرئی کیطرف سے کبھی دونوں کیطرف سے۔ دعا کی جو خواہش کی ہے دل و جان سے دعائے صلاح و فلاح کرتا ہوں اگرچہ اس کا اہل نہیں لیکن دعا کیلئے خود اہلیت ہی شرط نہیں عجز و نیاز کافی ہے۔ آگے جو کلمات میری حیثیت سے زیادہ لکھے ہیں ان کو فال نیک میں داخل کیا جا سکتا ہے۔ البتہ حضرت قدس سرہ کیساتھ جو نسبت اپنے حسن ظن سے ظاہر فرمائی ہے اسکی نسبت تو یوں کہوں گا۔ ع
چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ اور اللہ تعالیٰ اس کو بھی فال نیک بنا دے تو رحمن کا فضل ہے۔ دعا کا مکرر وعدہ کرتا ہوں اور اپنے لئے بھی دعا چاہتا ہوں والسلام
اشرف علی۔ از تھانہ بھون ۸ر ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ

الحمد للہ کہ رسالہ ہذا بخیر و خوبی ۱۴ر ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ کو تمام ہوا۔

حضرت حاجی شاہ عابد حسین صاحب دیوبندی کی حکایات

حکایت (۳۸۲) فرمایا کہ حاجی محمد عابدؒ ہمارے بزرگوں کے رفقاء میں سے ہیں۔ میرے استاد مولانا فتح محمد صاحب ان کی ایک حکایت بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ طالب علمی کے زمانہ میں میں انکی خدمت میں حاضر ہوا۔ کیونکہ وہ اسوقت مہتمم مدرسہ کے تھے۔ اسوقت ایک ڈپٹی بھی حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں آئے ہوئے تھے۔ اسوقت حاجی صاحب اپنی جگہ سے اُٹھ چکے تھے اسلئے اُنسے کھڑے ہی کھڑے کچھ معمولی گفتگو کر کے ان کو رخصت کر دیا۔ پھر میں گیا تو لوٹ کر اپنی جگہ بیٹھنے لگے۔ میں نے عرض کیا اسکی حاجت نہیں میں ویسے ہی عرض کرلوں گا۔ فرمایا تم اپنے آپ کو ڈپٹی صاحب پر قیاس کرتے ہوگے، کہاں وہ دنیادار کہاں تم نائبِ رسول۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ یہ وہ شخص تھے جو اپنے مجمع میں سب سے اخیر درجہ میں شمار کیئے جاتے تھے۔

حکایت (۳۸۳) فرمایا کہ حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانۂ اہتمام میں ایک طالب علم کسی انتظام میں آپ سے خفا ہو گیا اور مقابلہ میں بُرا بھلا کہا۔ حضرت حاجی صاحب خاموش ہو گئے۔ دوسرے وقت ڈومنی والی مسجد میں جہاں وہ طالب علم رہتا تھا خود تشریف لے گئے اور اُن طالب علم کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بیٹھے اور فرمایا کہ مولانا معاف کر دیجئے۔ آپ نائبِ رسول ہیں آپ کا ناراض رکھنا مجھے گوارا نہیں ہے۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ مہتمم اور ایک ادنیٰ طالب علم کے سامنے ان کا یہ حال۔ اب تو اُمید نہیں کہ ایسے لوگ پیدا ہوں۔ روز بروز تغیر ہوتا جاتا ہے سچ ہے ؎

حریفاں بادہا خوردند و رفتند ٭ تہی خمخانہا کردند و رفتند

حکایت (۳۸۴) فرمایا کہ میں نے دیوبند کے ایک انگریزی خواں سے سنا ہے کہ ایک شخص کا مقدمہ ڈپٹی ظہیر عالم کے یہاں تھا۔ یہ سہارنپور میں ڈپٹی تھے۔ وہ شخص حضرت حاجی محمد عابد صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ حاجی صاحب مجھے ایک تعویذ دیدو۔ میرا مقدمہ ڈپٹی ظہیر عالم کے یہاں ہے۔ حاجی صاحب نے اسکو تعویذ دیا کہ اس کو پگڑی میں رکھ لینا۔ جب یہ عدالت میں اجلاس پر پہنچا ڈپٹی صاحب نے کچھ سوال کیا تو اس نے کہا کہ ٹھہر جائیں دیوبند والے حاجی کا تعویذ لایا ہوں وہ لے آؤں پھر پوچھنا۔ ڈپٹی صاحب اسپر ہنسے کیونکہ وہ عملیات کے معتقد ہی نہ تھے۔ جب وہ تعویذ لے آیا تو ڈپٹی صاحب سے کہا کہ اب پوچھ کیا پوچھے ہے اور دیکھ حاجی صاحب کا یہ تعویذ رکھا ہے (پگڑی دکھلا دی) ڈپٹی صاحب نے وہ مقدمہ قصداً بگاڑا۔ لیکن جب فیصلہ لکھ کر پڑھنے بیٹھے ہیں تو وہ موافق تھا۔ پھر وہ ڈپٹی صاحب حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں معذرت کو حاضر ہوتے۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ عمل کا یہ اثر ہوتا ہے بعض اوقات معمول پر اسکا اثر ہوتا ہے تو دماغ صحیح نہیں رہتا۔ جب دماغ درست نہیں رہتا تو کام بھی ایسے ہی ہوتے ہیں۔

حکایت (۳۸۵) فرمایا کہ میرے ایک عزیز دیوبند کے رہنے والے کہتے تھے کہ میری پھوپی جب شروع میں دلہن ہونے کے زمانہ میں اپنے میکہ آئی تو انہوں نے اپنا دوپٹہ الگنی پر ڈال دیا۔ اسے کوئی لے گئی۔ عورتیں بوجہ عقیدت کے اُس زمانہ میں ایسی بیفکر تھیں بولیں کہ کچھ ڈر نہیں ہے۔ حاجی محمد عابد صاحب سے کہلا بھیجو یہیں آ جائیگا۔ چنانچہ حاجی صاحب سے کہلا بھیجا۔ انہوں نے ایک تعویذ دیکر فرمایا کہ الگنی ہی پہ آجاویگا۔ چنانچہ دوپٹہ وہیں آگیا۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ ایسا سُنا ہے کوئی جن وغیرہ

تابع تھے۔ (منقول از اشرف التنبیہ)

جنابِ نواب وزیر الدولہ صاحبؒ کی حکایات

حکایت (۳۸۶) خانصاحب نے فرمایا کہ نواب وزیر الدولہ پر غدر میں الزام تھا کہ انہوں نے بھی شاہِ دہلی کے یہاں درخواست بھیجی تھی کہ جو کام میرے لائق ہو مجھے سپرد کیا جاوے میں خدمت کیلئے حاضر ہوں۔ ابھی صفائی نہ ہوئی تھی کہ آگرہ میں وائسرائے کا دربار ہوا جس میں والیانِ ریاست اور رؤسا مدعو تھے اور مقصود اس سے والیانِ ریاست اور رؤسار کا امتحان تھا۔ اتفاق سے وہ دن جمعہ کا تھا۔ نواب وزیر الدولہ اسی پر جم گئے کہ میں جمعہ چھوڑ کر دربار میں نہ جاؤں گا۔ جب یہ خبر نواب یوسف علی خاں والی رامپور اور سکندر بیگم والیہ بھوپال کو ہوئی تو یہ دونوں آئے اور آکر سمجھایا کہ آپ مسافر ہیں اور مسافر پر جمعہ فرض نہیں۔ پھر آپ پر الزام بھی قائم ہے اسلئے مناسب ہے کہ آپ دربار میں شریک ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ صحیح ہے مگر میں ہرگز نہ کروں گا کہ اپنے نفس کیلئے خدا کے دربار کو چھوڑ کر دنیا کے دربار میں شریک ہوں۔ القصہ انہوں نے کسی طرح ترکِ جمعہ منظور نہیں کیا اور چٹھی لکھدی کہ آج جمعہ ہے اور مجھے نماز میں شریک ہونا ہے اسلئے میں حاضریٔ دربار سے معذور ہوں۔ اس چٹھی کا جواب آیا کہ اگر ہمیں یہ پہلے سے خیال ہوتا تو ہم جمعہ کو دربار نہ کھولتے مگر اب اعلان ہو چکا ہے اسلئے دربار تو نہیں موقوف ہو سکتا۔ آپ نمازِ جمعہ پڑھیں آپ کے لئے دربارِ خاص منعقد کیا جاویگا۔ یہ مضمون بیان فرما کر خانصاحب نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ وزیر الدولہ کی یہ حالت کیوں تھی۔ اس کا سبب

محض یہ تھا کہ اسنے خاندانِ شاہ عبدالعزیز کی خاک چاٹی تھی۔ خانصاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کاندھلوی والد جناب مولوی محمد یحییٰ صاحب سے بھی سُنا ہے اور حافظ عبدالرحمٰن صاحب دہلوی سے بھی سُنا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب حدیث میں نواب وزیرالدولہ کے شاگرد تھے۔

حکایت (۳۸۷) خانصاحب نے فرمایا کہ مجھ سے مولوی اسمٰعیل صاحب کاندھلویؒ نے بیان فرمایا کہ سید صاحب کے لوگوں میں ایک صاحب سید امیر علی تھے جو نہایت متقی وپرہیزگار تھے۔ یہ صاحب نواب وزیرالدولہ کے مقرب تھے اور اہل حاجت کی سفارشیں بہت کیا کرتے تھے۔ ایکمرتبہ انہوں نے نوابصاحب سے کوئی سفارش کی اور نوابصاحب نے وعدہ فرمالیا مگر کسی وجہ سے اس کا ایفا نہ ہوسکا۔ اسپر سید امیر علی صاحب کو غصہ آیا اور سرِ دربار نواب صاحب کے تھپڑ ماردیا۔ نوابصاحب کا ظرف دیکھئے کہ کچھ نہیں کہا اور خاموش ہوگئے۔ اسکے بعد سید صاحب کے عزیز واقارب جو ریاست میں موجود تھے نوابصاحب اُنکے پاس گئے اور اُنسے سید امیر علی کا واقعہ بیان کیا اور کہا کہ مجھے اس واقعہ سے ذرا ملال نہیں ہوا۔ انہوں نے تو تھپڑ ہی مارا ہے اگر وہ میرے جوتے مار لیتے تب بھی مجھے ملال نہ ہوتا۔ مگر اُنسے ذرا اتنا کہدیا جاوے کہ حق تعالیٰ نے ریاست کا کام میرے سپرد فرمایا ہے اور اس میں وقار قائم رہنے کی ضرورت ہے اور سرِ دربار ایسا کرنیسے سیاست میں خلل آتا ہے اسلئے وہ دربار میں اس کا لحاظ رکھیں۔ اور تنہائی

۱؎ ھو کما قال سلطان المشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ ؎

ہر کہ مرید سیدِ گیسو دراز شد ✤ واللہ خلاف نیست کہ عشقباز شد

وقال آخر ؎

آہن کہ بپارس آشنا شد ✤ فی الحال بصورتِ طلا شد

۲؎ یہ ہے تواضع اور حکمت کا جمع کرنا جو بجز کامل کے کسی سے ممکن نہیں۔ ایک ایک کا منفرد پایا جانا چنداں دشوار نہیں۔ باقی اللہ بزرگ کا ایسا کرنا کسی حالت کے غلبہ پر محمول ہوگا ورنہ بدوں عذر کے ایسا کرنا جائز نہیں ۰

میں انہیں اختیار ہے چاہے وہ میرے جوتے مارلیں۔

حکایت (۳۸۸) خانصاحب نے فرمایا کہ نواب وزیر الدولہ سید صاحب سے بیعت تھے اور ان کو سید صاحب سے ایسا گہرا تعلق تھا کہ جب سید صاحب کی بیوی تشریف لا رہی تھیں تو نواب صاحب نے حکم دیا تھا کہ جب فلاں مقام پر پہنچیں تو مجھے فوراً اطلاع کر دینا تاکہ میں ان کے اس مقام پر پہنچنے سے پہلے وہاں پہنچ جاؤں۔ (یہ مقام ٹونک سے گیارہ کوس تھا) چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور نواب صاحب اس مقام پر پہنچ گئے۔ جب سید صاحب کی بیوی تشریف لائی ہیں تو نوابصاحب نے ایک طرف سے ان کی پالکی کا بانس[۱] اپنے کندھے پر رکھا اور ٹونک تک برابر اپنے کندھے پر لائے۔ اس قصہ کو مجھ سے مولوی اسمٰعیل صاحب کاندھلوی وحافظ عبد الرحمٰن صاحب دہلوی نے بیان کیا ہے۔

حکایت (۳۸۹) خانصاحب نے فرمایا کہ نواب یوسف علی خاں والی رامپور بہت خوش مزاج آدمی تھے مگر نہ عقیدہ اچھا تھا نہ عمل۔ چار ابرو کا صفایا رکھتے تھے۔ جب آگرہ میں دربار ہوا تو اسمیں شرکت کیلئے نواب وزیر الدولہ بھی گئے تھے اور نواب یوسف علی خاں بھی۔ چونکہ نواب وزیر الدولہ بہت سیدھے اور نیک تھے۔ اسلئے نواب یوسف علی خاں نے اپنے دوستوں سے کہا کہ چلو وزیر الدولہ کو بنائینگے۔ اور یہ امر آپس میں طے کر کے وزیر الدولہ کے پاس پہنچے۔ نہیں معلوم کہ وزیر الدولہ کو کشف ہوا یا فراست سے انہوں نے ان کا خیال معلوم کر لیا۔ غرض انہوں نے

[۱] یہ ہے فنائے کامل اور یہ رؤسا ہیں نمونہ حضرات خلفاء راشدین کے۔ باقی بی بی صاحبہ کو اس کا گوارا کرنا یا تو نوابصاحب نے ایسا اہتمام فرمایا ہو کہ ان کو اطلاع نہ ہوئی ہو یا ان کی ممانعت کو نوابصاحب نے مانا نہ ہو اور ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں وہ کیا کرتیں۔ اگر کوئی مرد ہوتا تو پالکی سے باہر آجاتا مگر وہ پردہ دار کیا کر سکتی تھیں۔ (اشرف علی)

ان کو مذاق کا موقعہ نہیں دیا اور خود ہی گفتگو شروع کی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کا ظاہر اچھا بنایا ہے اور بعض کا باطن۔ میرا ظاہر تو بہت اچھا ہے اور اسقدر اچھا ہے کہ اُسپر کسی کو نکتہ چینی کی گنجائش نہیں۔ مگر میرا قلب نہایت گندہ اور ناپاک اور سخت مکروہ و خبیث ہے۔ اور بھائی یوسف علیخاں کا باطن تو ایسا ہے جیسا میرا ظاہر اور انکا ظاہر ایسا ہے جیسا میرا باطن۔ یہ سُنکر یوسف علیخاں مبہوت سے رہ گئے اور کچھ نہ کہہ سکے۔ تھوڑی دیر خفت مٹانے کیلئے بیٹھے رہے اور اسکے بعد اُٹھکر چلے گئے۔ یہ قصہ میں نے مولوی اسمٰعیل صاحب کاندھلوی اور مولوی نور محمد صاحب مرادآبادی سے سُنا ہے۔

جناب نواب قطب الدین صاحبؒ کی حکایات

حکایت (۳۹۰) خانصاحب نے فرمایا کہ مجھ سے مولانا نانوتوی بیان فرماتے تھے کہ نواب قطب الدین خاں صاحب بڑے پکے مقلد تھے اور مولوی نذیر حسین صاحب پکّے غیر مقلد۔ ان میں آپس میں تحریری مناظرے ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی جنگل میں میری زبان سے یہ نکل گیا کہ اگر کسی قدر نواب صاحب ڈھیلے ہوجائیں اور کسی قدر مولوی نذیر حسین صاحب اپنا تشدد چھوڑ دیں تو جھگڑا مِٹ جاوے۔ میری اس بات کو کسی نے نواب قطب الدین خانصاحب تک بھی پہنچا دیا اور مولوی نذیر

لہ یہ ہے عمل اس ارشاد پر ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم مگر ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ یہ ہر شخص کا کام نہیں وما یلقاھا الا الذین صبروا وما یلقاھا الا ذو حظ عظیم ۱۲ اور نیز اس میں بیّن دلیل ہے انکے مصداق ہونے کی ؎

مرا پیر دانائے روشن شہاب ؎ دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ بر خویش خود بیں مباش ؎ دگر آنکہ بر غیر بد بیں مباش

(اشرف علی)

حسین صاحب تک بھی۔ مولوی نذیر حسین صاحب تو سُنکر ناراض ہوئے مگر نواب صاحب پر یہ اثر ہوا کہ جہاں میں ٹھہرا ہوا تھا میرے پاس تشریف لائے اور آکر میرے پاؤں[۱] پر عمامہ ڈالدیا اور پاؤں پکڑ لیے اور رونے لگے اور فرمایا بھائی جسقدر میری زیادتی ہو خدا کے واسطے تم مجھے یہ تبلا دو۔ میں سخت نادم ہوں اور مجھ سے بجز اس کے کچھ بن نہ پڑا کہ میں جھوٹ بولوں۔ لہذا میں نے جھوٹ[۲] بولا (اور صریح جھوٹ میں نے اسی روز بولا تھا) اور کہا کہ حضرت آپ میرے بزرگ ہیں میری کیا مجال تھی کہ میں ایسی گستاخی کرتا۔ آپ سے کسی نے غلط کہا ہے۔ غرض میں نے بمشکل ان کے خیال کو بدلا اور بہت دیر تک وہ بھی روتے رہے اور میں بھی روتا رہا۔ یہ قصہ بیان کر کے خانصاحب نے فرمایا کہ جب مولانا نے یہ قصہ بیان فرمایا اسوقت بھی آپکی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔

حکایت (۳۹۱) خانصاحب نے فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب بیان فرماتے تھے کہ میں نواب قطب الدین خاں صاحب کی خدمت میں ہفتہ میں ایکمرتبہ حاضر ہوا کرتا تھا ایک مرتبہ نوابصاحب نے فرمایا کہ حاجی صاحب ایک ہفتہ کا فراق تو بہت ہے۔ میں نے ہفتہ میں دو مرتبہ جانا شروع کر دیا۔ پھر فرمایا کہ حاجی صاحب چار دن کا فراق تو بہت ہے۔ میں نے تیسرے دن جانا شروع کر دیا۔ ایک روز فرمانے لگے کہ حاجی صاحب میں شاہ اسحٰق صاحب سے بھی بیعت ہوں اور مولوی محمد یعقوب صاحب سے بھی۔ مگر میں ہمیشہ اعمالِ مسنونہ ماثورہ ہی میں مشغول رہا اور تصوف کیطرف مجھے کبھی توجہ نہیں ہوئی۔ اس وقت وہ حضرات تو ہیں نہیں اور میں بڈھا ہو گیا ہوں

---

[۱] کیا انتہا ہے اس للّٰہیت کی ایسے بزرگ پر کب گمان ہو سکتا ہے کہ نفسانیت سے مناظرہ کرتے ہیں۔
[۲] چونکہ اس میں کسی کا ضرر نہ تھا اسلیے اباحت کا حکم کیا جاوے گا۔ (اشرف علی)

اب مجھ سے محنت بھی نہیں ہوسکتی۔ آپ مجھے کوئی ایسا کام[1] بتلادیں جو میں کرلیا کروں۔ میں تو خاموش رہا۔ اتفاق سے اسوقت مولوی محمد یعقوب صاحب کے داماد مرزا امیر بیگ بھی بیٹھے ہوئے[2] تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ کثرت سے استغفار پڑھا کیجئے۔ یہ سُن کر نوابصاحب خاموش ہوگئے۔

حکایت (۳۹۲) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے کہ نواب قطب الدین صاحب دف کو بھی ناجائز کہتے تھے۔ ایکمرتبہ میری انکی اس بارہ میں گفتگو ہوئی اور یہ گفتگو ہمارے دروازہ میں ہوئی۔ میرے گھر میں جب معلوم ہوا کہ دف کے جواز و عدم جواز میں گفتگو ہو رہی ہے تو انہوں نے مجھ سے گھر میں بلا کر کہا کہ نوابصاحب کو گھر میں بلالو میں پردہ ہوئی جاتی ہوں میں اُنسے اس بارہ میں گفتگو کرونگی۔ وہ پردہ ہوگئیں اور میں نے نواب صاحب کو گھر میں بلالیا جب وہ گھر میں آئے تو میرے گھر میں سے نوابصاحب سے کہا کہ نوابصاحب آپ کو یاد ہوگا کہ جب میں بچی تھی تو ایکروز آپ مجھے گود میں لیے ہوئے تھے اور میرے ہاتھ میں ایک ڈھپڑی تھی (جو بچے گھڑے وغیرہ کے گھبرے پر جھلی منڈھ کر بنالیا کرتے ہیں) اسوقت ابا جان (شاہ اسحاق صاحب) بیمار تھے اور زمین پر ایک روئی کے گدیلے پر لیٹے ہوئے تھے۔ آپ نے مجھے ابا کے پاس لیجاکر بٹھادیا اور میں وہاں بیٹھ کر ڈھپڑی بجانے لگی۔ سو کبھی میں اُسے زمین پر رکھکر بجاتی تھی اور کبھی ہاتھ میں لیکر۔ جب میں زمین پر رکھ کر بجاتی تو ابا اس کو اُٹھا کر میرے ہاتھ میں دیدیتے اور زمین پر رکھ کر نہ بجانے دیتے آیا یہ واقعہ ٹھیک ہے۔ نوابصاحب نے اسکی تصدیق کی۔ تب میرے گھر میں کہا کہ اس سے ثابت ہے کہ آپ کے اُستاد ڈھول کو

---

[1] ایسے اکابر کا حضرت حاجی صاحب کو شیخ سمجھنا تھوڑی بات نہیں۔ [2] میں نے بھی اپنے والد مرحوم کے ہمراہ مکہ معظمہ میں ان کی زیارت کی ہے۔ (اشرف علی)

ناجائز کہتے تھے اور دف کو جائز۔ کیونکہ جب میں اسکو زمین پر رکھدیتی تھی تو وہ دونوں طرف سے بند ہوکر ڈھول کی طرح ہوجاتی تھی اور جب میں لیتی تو وہ ایکطرف سے کھلکر دف ہوجاتی تھی۔ نواب صاحب ان کے اس استدلال کو سُن کر خاموش ہوگئے اور کچھ جواب نہیں دیا۔[1]

جناب نواب مصطفیٰ خانصاحب کی حکایات

حکایت (۳۹۳) خانصاحب نے فرمایا نواب مصطفےٰ خاں حضرت شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اوّل ہیں۔ نوابصاحب کا عہدِ شباب ایسا ہی تھا جیسا کہ عموماً نوجوانوں اور اُمراء کا ہوتا ہے۔ طوائف سے اختلاط[2] رکھتے۔ خصوصاً ایک طوائف رمجو کیساتھ گہرا تعلق تھا اور وہ تعلق اسوجہ سے اور بھی بڑھ گیا تھا کہ نواب لوہارو جو والی ملک تھے رمجو پر عاشق ہوئے اور اس سے شب باشی کی درخواست کی۔ رمجو نے صاف انکار کر دیا۔ انہوں نے صرف ایک قیام نیم شبی کے لئے سوا لاکھ روپیہ دینا منظور کیا۔ مگر رمجو نے نہ مانا۔ دوسری طوائف اور اسکی دلالہ نے اسے ہر چند سمجھایا اور کہا کہ تیرا نام ہوجائیگا کہ فلاں والیٔ ملک نے تجھے سوا لاکھ روپیہ میں ایک شب کے لئے بُلایا۔ اس نے جوابدیا کہ مجھ سے بڑھ چڑھ کر طوائفیں اور بھی ہیں مگر پھر بھی یہ والیٔ ملک سوا لاکھ روپے مجھے ہی کیوں دیتا ہے۔ یہ درحقیقت مجھے نہیں دیتا بلکہ نواب مصطفےٰ خاں کی عزت کو دیتا ہے اور اس کی عزت میرے نزدیک

---

[1] سبحان اللہ شاہ صاحب کے فعل کی حقیقت کو کیسا سمجھیں (فائدہ) یہ محقق ہوگیا کہ جواز دف کی شرط یہ ہے کہ تطریب یعنی گت سے نہ بجایا جائے۔ [2] اختلاط کے لیے متعارف بازی لازم نہیں۔ اوّل کے مشاہدے سے ثانی کی شہادت جائز نہیں۔ گو معصیت زدہ بھی ہے مگر بلا دلیل شہادت بھی معصیت ہے۔ (اشرف علی)

سوا لاکھ سے کہیں زیادہ ہے۔ اس پر نواب صاحب کو رمجو کا اور بھی عشق بڑھ گیا۔ جب وہ مری ہے تو نواب صاحب کے بازو پر اس کا سر تھا۔ نواب صاحب کو اس کا انتہا صدمہ پڑا جس سے وہ دیوانہ وار سر و پا برہنہ گلی کوچوں میں پھرتے تھے۔ ایک دن اسی حالت میں شاہ عبد الغنی صاحب کی خانقاہ کے سامنے جا نکلے۔ حضرت شاہ صاحب کی نگاہ ان پر پڑ گئی اور نظر پڑتے ہی نواب صاحب کو اچانک کچھ ہوش سا آ گیا۔ گھر واپس آ کر غسل کیا کپڑے بدلے اور ہاتھوں پیروں میں ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہن کر خادم کو حکم دیا کہ مجھے قیدی کیطرح شاہ صاحب کی خدمت میں لے چل۔ چنانچہ اسی حالت سے پہنچے۔ حضرت شاہ صاحب نے شفقت سے بٹھلا لیا اور اپنے دستِ مبارک سے ان کا زیور آہنی اُتارا اور بیعت فرمایا۔ اور بہت جلد نواب صاحب اپنی قابلیتِ باطنی کے سبب درجاتِ کمال پر پہنچے۔ اور نہایت قوی الادراک بزرگ ہوئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حکم دیا تھا کہ نواب صاحب کے پاس جا کر استفادہ کیا کرو۔ اور فرمایا کہ تم ان کی ریاست کو نہ دیکھو بلکہ اُن کے قلب کو دیکھو۔

حکایت (۳۹۴) خانصاحب نے فرمایا کہ نواب مصطفٰے خاں صاحب کی یہ عادت تھی کہ ہمارے اکابر میں سے جب کوئی اُن کی خدمت میں حاضر ہوتے تو فوراً مراقب ہو کر ان کی نسبت کی ٹوہ میں لگ جاتے تھے۔ ایکمرتبہ حضرت نانوتویؒ اُن سے ملنے تشریف لے گئے۔ اور نواب صاحب حسبِ عادت مراقب ہوئے۔ سر اٹھایا تو ایک صاحب! موجان سے خطاب فرمایا کہ میں نے بڑے بڑے لوگ دیکھے ہیں لیکن مولانا کی نسبت کا تو کہیں پتہ ہی نہیں ہے۔ (منقول از روایات الطیب)

جناب مولانا فیض الحسن صاحب ادیب سہانپوری کی حکایات

حکایت (۳۹۵) فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مولوی فیض الحسن صاحب جو بڑے ظریف اور سب سے بے تکلف تھے بولے ارے اسد علی کے بیٹے (مولانا کے والد ماجد کا نام ہے باوجود خواندہ ہونیکے کھیتی کرتے تھے) تو تو کھیتی کرتا، تجھے کس نے مولوی بنا دیا۔ تیرے پاس تو دو بیل ہوتے اور ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر تک تک بربر کرتا ہوتا۔ مولانا نے نہایت متانت سے فوراً ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا جی ہاں ایک تو ڈھونڈھ لیا ہے اور ایک ڈھونڈھونگا پھر یہی کام کیا کروں گا۔

حکایت (۳۹۶) فرمایا کہ مولوی فیض الحسن صاحب نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہونے کیوقت یہ کہا تھا کہ دو شرط کے ساتھ بیعت ہوتا ہوں ایک تو یہ کہ کبھی نذرانہ نہ دوں گا۔ دوسرے یہ کہ کبھی خط نہ بھیجوں گا۔ حضرت نے فرمایا کہ اس سے بھی زیادہ شرطیں کرو تو وہ بھی منظور ہیں۔ انکو حاجی صاحب کے ساتھ اسقدر محبت تھی کہ ان کا نام آتے ہی روتے تھے۔ حضرت حاجی صاحب کی تعریف میں ان کے بڑے جلے بھنے دوہڑے ہیں۔

از اضافہ مولوی جلیل احمد صاحب

حکایت (۳۹۷) حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم العالی نے فرمایا کہ آج ایک صاحب نے (یہ صاحب وہی مولوی محمد فاروق صاحب ہیں جو دوسری روایات

عہ یہ حکایت روایات الطیب میں اور عنوان سے ہے مگر مضمون ایک ہی ہے۔ ۱۲ ظہور الحسن کسولوی عفرلہٗ

کے راوی ہیں) مولوی فیض الحسن صاحب کی ایک حکایت بیان کی کہ بڑے ظریف تھے۔ ایک مرتبہ جس زمانہ میں مولانا لاہور تشریف رکھتے تھے وہاں ایک دکاندار سے آپنے کچھ خربوزے خریدے۔ خیر مکان پر لاکر جب انکو کھانا شروع کیا تو سب پھیکے نکلے۔ مولانا ان کو لیکر دوکاندار کے پاس واپس تشریف لائے اور دوکاندار سے کہا کہ یہ تو سب پھیکے ہیں۔ اُسنے کہا کہ پھر میں کیا کروں۔ فرمایا کہ بھائی واپس کرلے۔ کہا کہ میرے تو کام کے رہے نہیں (کیونکہ کاٹ لئے تھے) مولانا نے فرمایا کہ پھر ہمارے بھی کام کے نہیں۔ کہنے لگا کہ صاحب میں کچھ نہیں جانتا میں نہیں واپس کروں گا۔ خیر مولانا خاموش ہوگئے اور وہیں دوکان کے پاس بیٹھ گئے۔ اب جو خریدار آتا اور خربوزے اس دُکان سے خریدنا چاہتا تو فرماتے بھائی پہلے نمونہ دیکھ لو۔ اُس دوکاندار نے جو یہ منظر دیکھا تو فوراً خربوزوں کی واپسی پر تیار ہوگیا اور مولانا دام لیکر واپس تشریف لے آئے۔

(منقول از اشرف التنبیہ)

جناب مولانا فضل حق صاحب مرحوم خیر آبادی کی حکایات

حکایت (۳۹۸) خانصاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا کہ مولوی عبداللہ خاں کاندھلوی کا اور مولوی فضل حق صاحب کا سہارنپور میں امکانِ نظیر کے مسئلہ میں مناظرہ ہوا اور مولوی فضلِ حق صاحب کو بھرے مجمع میں الزام[1] ہوگیا۔

حکایت (۳۹۹) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالرشید صاحب غازیپوری رامپور میں مولوی فضلِ حق صاحب سے پڑھتے تھے۔ یہ ایکمرتبہ کہیں جارہے تھے۔ اتفاق

---

[1] مولوی فضل حق صاحب کی یہ سلامت فطرت ہے کہ الزام کے اخفا کی کوشش نہیں کی ورنہ آجکل تو کچھ نہ کچھ ہانکے ہی جاتے ہیں کہ مغلوبیت کا پتہ نہ لگے۔ (اشرف علی)

سے انکے ایک دوست مِل گئے۔ اُن دوست نے اُنسے کہا کہ چلو مولوی فضل حق صاحب کے یہاں چلیں تم ان کے (مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے) معتقد ہو آج تمہیں تمہارے اُستاد سے اُنپر تبرّے سُنوائینگے۔ انہوں نے کہا چلو۔ جب یہ دونوں وہاں جاکر بیٹھے تو مولوی عبدالرشید صاحب نے کہا کہ حضرت یہ مجھے یہ کہہ کر لائے ہیں کہ مولوی صاحب سے تمہیں مولوی اسمٰعیل پر تبرّے سُنواؤنگا۔ مولوی فضلِ حق صاحب نے کہا اچھا اس غرض سے لائے ہیں اور یہ کہکر اُنپر بہت ناخوش ہوئے اور فرمایا میں اور مولوی اسمٰعیل پر تبرّا کروں یہ نہیں ہوسکتا۔ جو مجھ سے ہوچکا ہے وہ بھی بہکائے سکھائے سے ہوا تھا اور اب تو وہ بھی نہیں ہوسکتا۔ اور یہ کہہ کر ان کو اپنی مجلس سے اُٹھوادیا اور فرمایا کہ میرے یہاں کبھی نہ آنا۔[1]

جناب مولانا فتح محمد صاحب تھانویؒ کی حکایات

حکایت (۴۰۰) فرمایا کہ غالباً حضرت مولانا فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جلال آباد میں دو شخص مسجد میں نماز کو آتے تھے اور یہ شرط کر کے آتے تھے کہ پہلے کون نماز ختم کرے۔ ایک شخص نے انکے نماز پڑھنے کی یہ حالت دیکھ کر کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ قرأۃ و تشہد درود شریف و تسبیحات تو گھر پڑھ کر آتے ہونگے باقی رکوع و سجدے یہاں آکر کر لیتے ہونگے۔

حکایت (۴۰۱) فرمایا کہ ایک مرتبہ گرمیوں کے زمانہ میں کہ اسوقت سخت دھوپ تھی مولانا فتح محمد صاحب جامع مسجد سے باہر تشریف لیجارہے تھے۔ ایک صاحب نے جوتہ لینا چاہا۔ آپنے تواضع سے عذر کیا اُسنے اصرار کیا مولانا نے انکار کیا اور جوتہ مضبوط تھام لیا۔ اور یہ سب قصّہ گرم فرش پر ہو رہا ہے۔ جب وہ اسطرح کامیاب

---

[1] اس میں بھی مولوی صاحب کا وہی کمال ثابت ہے جو اوپر کی حکایتوں میں ہے۔ (اشرف علی)۔

نہ ہوا اس نے ایک ہاتھ سے مولانا کی کلائی پکڑی اور دوسرے ہاتھ سے زور سے جھٹکا دیا اور آپکے ہاتھ سے جوتہ چھین لیا اور مسجد کے دروازہ پر لا رکھا۔ گویا بڑی خدمت کی۔ حضرت تو خاموش ہو گئے مگر مجھ کو بڑا غصہ آیا اور اُس کو لتاڑا۔

حکایت (۴۰۲) فرمایا کہ ایک نائب تحصیلدار جن کا دورہ تھانہ بھون وجلال آباد تھا وہ حضرت مولانا فتح محمد صاحب کے پاس ملنے آئے۔ مولانا اسوقت موجود نہ تھے سفر میں تھے۔ وہ ایک پرچہ پر ایک طالب علم کو یہ شعر لکھ کر پیش کرنے کیلئے دے گئے ؎

چو غریب مستمندے بہ درت رسیدہ باشد ؛ چہ قدر طپیدہ باشد چو ترا نہ دیدہ باشد

مولانا سفر سے جب واپس آئے تو اُس طالب علم نے وہ پرچہ پیش کیا (ظالم نے موقع بھی تو نہ دیکھا) بس مولانا دیکھتے ہی سیدھے جلال آباد پہنچے۔ وہاں دیکھا تو وہ صاحب اپنے ہمعمروں میں ہنسی مذاق میں مشغول ہیں۔ مولانا دیر تک باہر کھڑے رہے پھر کسی کے ذریعہ اطلاع کرائی۔ سنتے ہی سب سہم گئے اور حضرت کو اندر لے گئے۔ فرمایا تمہارا پیام دیکھ کر ملنے آگیا۔ وہ بڑے شرمندہ ہوئے۔ پھر تھوڑی دیر بیٹھ کر حضرت نے اجازت چاہی۔ لوگوں نے اصرار کیا۔ فرمایا کہ سفر سے سیدھا یہیں چلا آیا ہوں۔ گھر جانے کی ضرورت ہے۔ حضرت مولانا بہت متواضع بے نفس تھے۔ پرچہ دیکھ کر یہ خیال ہوا کہ بیچارے کو بڑی تکلیف ہوئی ہوگی۔ بڑی حسرت رہیگی۔ حالانکہ وہ محض ایک شاعری تھی۔

حکایت (۴۰۳) فرمایا ایک مرتبہ مولانا فتح محمد صاحب ہماری مسجد میں تشریف لا رہے تھے۔ مسجد کے سامنے بارش کا پانی بہت بھرا ہوا تھا۔ آپ پانی کے کنارے کھڑے سوچ رہے تھے کہ کیسے اتروں۔ قاری عبداللطیف صاحب پانی پتی جو

اسوقت یہاں مدرس تھے، وہاں موجود تھے انہوں نے جھٹ گود میں بھر کر پار لاکر کھڑا کیا۔ مولانا بہت ہی منحنی آدمی تھے۔ (منقول از اشرف التنبیہ)

اضافہ از احقر ظہور الحسن عفی عنہ

حکایت (۴۰۴) احقر نے حضرت حکیم الامت مدفیوضہم سے سنا ہے کہ مولانا بہت علم دوست تھے۔ جب آپ کو معلوم ہو جاتا کہ فلاں جگہ فلاں عالم فلاں علم میں بہت ماہر ہے، پاپیادہ سفر کر کے وہاں تشریف لیجاتے۔ چنانچہ مولانا کو معلوم ہوا کہ جھنجانہ میں فلاں عالم مثنوی شریف بہت اچھی پڑھاتے ہیں۔ اس زمانہ میں آپ تھانہ بھون میں مدرس تھے اسلئے جمعرات کے روز پاپیادہ جھنجانہ تشریف لیجاتے۔ اور جمعہ کے روز سبق پڑھکر ہفتہ کو واپس آجاتے۔ اسی طرح اکثر حصہ پڑھا جب بہت تھوڑا حصہ رہگیا تو مدرسہ سے چند روز کی رخصت لیکر اس کو بھی ختم کر دیا۔

مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی صاحب تصانیف کثیرہ کی حکایات

حکایت (۴۰۵) فرمایا کہ مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی کی بابت لوگ کہتے ہیں کہ انکی تصانیف کا اوسط اتنے روزانہ کا پڑتا ہے۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ بیچاروں کا دماغ اسی میں ضعیف ہوگیا۔ صرع ہو گیا تھا۔ ڈاکٹروں نے ہر چند منع کیا مگر نہیں مانے۔ علمی خدمت کے مقابلہ میں بیچاروں نے جان تک کی پرواہ نہ کی۔ (منقول از اشرف التنبیہ)

جناب مولانا مُلا نظام الدین صاحب مجوزہ "نصاب نظامی" کی حکایات

اضافہ از احقر ظہور الحسن کسولوی غفرلہ

حکایت (۴۰۶) ایک مرتبہ ارشاد فرمایا۔ حضرت مُلا نظام الدین لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ

جب مرید ہوئے تو ان کے پیر محض اُمی (اَن پڑھ) تھے۔ ایکبار پیر صاحب گھوڑے پر سوار ہوتے اور مولانا کے ہاتھ میں حقہ دیا اور تمام بازار میں پھرایا۔ مگر مولانا صاحب نے بایںہمہ کمال اس خدمت سے مطلق انکار نہ فرمایا۔

اس کے بعد ایک اور بزرگ کا تذکرہ فرمایا (غالباً شیخ جلال تھانیسری تھے) اُن کے مُرید ایک خانصاحب تھے۔ حضرت شیخ کی گھوڑی کہیں باہر سے لائی گئی۔ اتفاقاً گھوڑی نے لات ماردی۔ اسپر خانصاحب کو غصہ آگیا۔ کہنے لگے "تعلیم وارشاد اوروں کیلئے ہے اور گھوڑوں کی لات ہمارے واسطے"۔ شیخ کے کسی مُرید نے یہ غصہ حضرت سے جا کہا۔ جب خانصاحب گھوڑی لیکر حاضر ہوئے تو شیخ نے غصہ ظاہر فرمایا اور خانقاہ سے نکالدینے کا حکم دیدیا۔ بموجب حکم حضرت شیخ کے خانصاحب نکال باہر کیے گئے۔ ادھر خانصاحب کا یہ حال ہوا کہ روتے روتے بیتاب ہوگئے اور جب اندر جانے کی کوئی صورت نہ پائی تو فرطِ عقیدت ومحبت سے خانقاہ کی بدرو میں گھس پڑے۔ اتفاق سے بارش ہوئی تو خانقاہ کا پانی رُک گیا۔ لوگوں نے بانس سے نالی صاف کرنی شروع کی وہ بانس خانصاحب کے سر میں جاکر لگا اور پانی کیساتھ خون بہنے لگا۔ تب تو لوگوں کو تعجب ہوا اور فکر بھی کہ کیا بات ہے۔ نالی کو جو دیکھا تو اسمیں خانصاحب کو سر گھسائے پڑا پایا۔ اسکی خبر حضرت کو دیگئی۔ سُنکر حضرت شیخ کو رحم آگیا اور بکمال شفقت شرفِ حضوری بخشا۔ (منقول از تذکرۃ الرشید)

شیخ العالم حضرت مولانا محمود حسن صاحب صدر مدرس مدرسہ دارالعلوم دیوبند قدس اللہ سرہٗ کی حکایات

حکایت (۴۰۷) آخر میں ایک قصہ مولوی محمود حسن صاحب کا لکھتا ہوں جب

نواب محمود علی خاں کا انتقال ہوا تو حضرات دیوبند کا ارادہ ہوا کہ نواب صاحب کی تعزیت کیلئے چھتاری آئیں اور انہوں نے مولوی محمود حسن صاحب پر بھی زور دیا کہ تم بھی چلو۔ مولوی محمود حسن نے مجھے خفیہ جوابی خط لکھا اور لکھا کہ تم اپنی اصلی رائے لکھو کہ میں آؤں یا نہ آؤں اور لکھا کہ اسکا جواب دہلی فلاں شخص کے نام بھیجنا اور جواب مجمل لکھنا۔ میں نے لکھدیا کہ نہ آئیے۔ اسپر مولوی صاحب نے دستوں کی گولیاں کھالیں اور اصرار کرنیوالوں پر بیماری کا عذر کر دیا۔ (منقول از تذکرۃ الرشید)

حکایت (۴۰۸) حضرت والد ماجد اور عم محترم نے فرمایا کہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب فرماتے تھے کہ جب حضرت نانوتوی کی وفات ہوئی مجھ سے خود حضرت گنگوہی نے فرمایا کہ تیس برس کی محنت سے جو بات قائم ہوئی تھی وہ آج نہیں ہے۔ پھر فرمایا کہ مولانا کی تو وفات ہوگئی۔ ہمارے صدمہ سے وہ تو واپس نہیں آسکتے مگر مجھے رونا اپنا ہے کہ تیس برس کی مشقت سے قلب میں جو ایک کیفیت قائم تھی وہ جارہی ہے۔ (منقول از روایات الطیب)

حکایت (۴۰۹) فرمایا کہ ہمارے حضرات میں شانِ تربیت اعلیٰ درجہ کی تھی۔ ایک وقت حاجی محمد عابد اور اہل مدرسہ سے اختلاف ہوگیا۔ میرا دیوبند جانا ہوا تو مجھے شرم آئی کہ میں دیوبند آؤں اور حاجی صاحب سے نہ ملوں۔ اگر حاجی صاحب راستہ میں مل گئے تو بھی دعا سلام تو ضرور ہوگا اسوقت خواہ مخواہ ندامت ہوگی۔ یہ سوچ سمجھ کر میں حاجی صاحب کی ملاقات کو گیا۔ اور بھی جتنے بزرگ خلاف تھے سب سے ملا۔ اسپر میرے اوپر مدرسہ کے متعلقین کا سنسر قائم ہوگیا۔ جہاں میں جاتا ہوں میرے پیچھے پیچھے دیکھتے پھرتے ہیں کہ یہ فلاں فلاں جگہ گئے ہیں۔ میں نے احتیاطاً اسی زمانہ میں ایک جلسہ میں جسمیں حضرت مولانا دیوبندی اور حافظ احمد صاحبؒ وغیرہ شریک تھے حضرت مولانا دیوبندی سے عرض کیا

کہ حضرت حاجی محمد عابد صاحبؒ میرے بزرگ ہیں جب میں یہاں آتا ہوں تو اُنسے ملنے کا تقاضا میری طبیعت میں پیدا ہوتا ہے۔ اگر مصلحت کے خلاف نہ ہو اُنسے مِل لیا کروں۔ حضرت دیوبندیؒ نے فرمایا کہ ضرور ملو۔ اپنے مجمع میں اگر کوئی ملتا رہتا ہے تو مخالفت کم ہوتی ہے۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ حضرت دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی اجازت کے بعد ایک دن بھی حضرت حاجی محمد عابد صاحب سے ملنے کو جی نہیں چاہا۔ اگر کوئی کہے کہ یہ حضرت دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کا تصرف ہے تو میں اسکا معتقد نہیں۔ کیونکہ ہمارے حضرات کا ایسا مذاق نہیں ہے بلکہ قاعدہ ہے کہ الانسان حریص اذا امنع جس چیز سے آدمی کو روکا جاتا ہے تو اسکا شوق بڑھتا ہے اور جب اجازت دیدی جاتی ہے تو شوق کم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ام سلیم کو رونے کی اجازت دیدی تو پھر اس سے بھی توبہ کرلی۔ اسلئے میں کہا کرتا ہوں کہ تربیت بہت مشکل ہے۔ بڑے مبصر کا کام ہے۔ ایک شیخ دو شخصوں کی تربیت کرتا ہے ایک کی اور طرح اور ایک کی اور طرح جیسے طبیب کے دو مریض ہیں ایک کا اور علاج کرتا ہے اور دوسرے کا دوسری طرح کا۔ اور راز خلوت میں بتانے کا بھی یہی ہے کہ دوسرے کو حرص نہ ہو نہ یہ کہ تعلیمات جدا جدا ہوں۔ یہی نماز روزہ اور ذکر ہیں۔

حکایت (۴۱۰) فرمایا کہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مدرسہ کے مہتمم نے عرض کیا کہ حضرت ضرورت ہوتی ہے مدارس میں چندہ کی اور چندہ مانگنے میں ذلت ہے تو کیا صورت کیجاوے۔ فرمایا غریبوں سے مانگو کچھ ذلت نہیں (وہ جو کچھ بھی دینگے نہایت خلوص اور تواضع سے دینگے اور اسمیں برکت بھی ہوگی۔ جامع) اور مالدار اوّل تو بیچارے تنگ ہوتے ہیں پانسو کی آمدنی ہے اور چھ سو کا خرچ ہے یہ تو رحم کے قابل ہیں۔ (اور اگر کچھ دے بھی دیا تو محصل کو ذلیل اور خود کو بڑا سمجھ کر دینگے اسمیں بیشک ذلت ہے۔ جامع)

حکایت (۴۱۱) فرمایا کہ حافظ احمد صاحبؒ سے مسٹن نے کہا تھا کہ ہمارے قلب میں بھی مولانا دیوبندی کی ویسی ہی عظمت ہے جیسے آپکے قلب میں ہے اور وہ جو اس تحریک میں شریک ہو گئے ہیں کسی دوسرے کا اثر ہے۔

حکایت (۴۱۲) فرمایا کہ مولوی محمود صاحب رامپوری کہتے تھے کہ ایکمرتبہ میں اور ایک ہندو تحصیل دیوبند میں کسی کام کو گئے۔ میں حضرت مولانا دیوبندی کے یہاں مہمان ہوا اور وہ ہندو بھی اپنے بھائیوں کے گھر کھا پی کر میرے پاس آگیا کہ میں بھی یہاں ہی سوؤں گا۔ اسکو ایک چارپائی دیدی گئی۔ جب سب سو گئے رات کو میں نے دیکھا کہ مولانا زنانہ میں سے تشریف لائے۔ میں لیٹا رہا اور یہ سمجھتا تھا کہ اگر کوئی مشقت کا کام کرینگے تو میں امداد دے دونگا ورنہ خواہ مخواہ اپنے جاگنے کا اظہار کر کے کیوں پریشان کروں۔ میں نے دیکھا کہ مولانا اس ہندو کیطرف بڑھے اور اسکی چارپائی پر بیٹھ کر اسکے پاؤں دبانا شروع کئے۔ وہ خراٹے لیکر خوب سوتا رہا۔ مولوی محمود صاحب اٹھے اور یہ کہا کہ حضرت آپ تکلیف نہ کریں میں دبا دونگا۔ مولانا نے فرمایا کہ تم جاکر سوؤ یہ میرا مہمان ہے میں ہی اس خدمت کو انجام دونگا۔ مجبوراً میں چپ رہگیا اور مولانا اس ہندو کے پاؤں دباتے رہے۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ مولانا میں تواضع و مہمان نوازی کی خاص شان تھی۔

حکایت (۴۱۳) فرمایا کہ دیوبند کے بڑے جلسہ کے زمانہ میں ایک شخص نے مدرسہ میں گھوڑا دیا تھا۔ مولانا نے اسکو ایک مقام پر بھیج دیا تھا کہ اسکو فروخت کر دیں۔ اس مقام سے ایک شخص گھوڑے کے متعلق ایک خط لایا تھا۔ اس زمانہ میں جلسہ کا اہتمام ہو رہا تھا مہتمم صاحب نے خط کا جواب دیکر اس کو رخصت کر دیا۔ مولانا دیوبندی نے مہتمم صاحب سے پوچھا کہ اس گھوڑا لانے والے کو کھانا بھی کھلایا تھا؟ مہتمم صاحب نے کہا کہ حضرت کھانا تو

اشغال میں نہیں کھلایا پیسے دیدئے ہیں کہ کچھ لیکر کھالیگا۔ فرمایا کافی نہیں۔ غریب آدمی پیسے نہیں خرچ کرتا گھر کو باندھ کر لیجاتا ہے۔ اور لوگوں سے پوچھا کہ وہ کس راستہ سے گیا ہے۔ پتہ لگا کہ فلاں سڑک کو گیا ہے۔ مولانا ادھر ہی تشریف لے گئے اور اسکو واپس کر کے کھلا کر پھر رخصت کیا۔

حکایت (۱۴۱۴) فرمایا کہ مولانا دیوبندیؒ اچھے خوشحال گھرانے کے تھے۔ جوانی میں نہایت پُر تکلف کپڑا پہنتے تھے۔ مگر میرے دیکھتے ہی دیکھتے یہ حال ہوگیا۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ میں جب دیوبند جایا کرتا تھا مجھے یہ یاد نہیں کہ مولانا سے ملنے کی ابتدا میں نے کبھی کی ہو۔ جب ارادہ کرتا کہ ذرا سانس لیکر حاضر ہونگا۔ بس جھٹ مولانا تشریف لے آتے۔

حکایت (۱۴۱۵) فرمایا کہ حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ بعض بدعتیوں کی حس اور عقل کے متعلق فرماتے تھے کہ ایکمرتبہ میں اپنے بچپن کے زمانہ میں جبکہ اچھی طرح پیشاب کے بعد ڈھیلا لینا بھی نہ جانتا تھا کہ کسی کے ہمراہ پیرانِ کلیر کے میلہ میں گیا۔ اتفاق سے جو غسل کا وقت تھا اسوقت میں خاص مزار شریف کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ سقہ آیا اس نے ایکدم مشک چھوڑدی اور اسکی مشک چھوٹنے کے ساتھ ہی آدمیوں کا ریلا اندر آگیا۔ میں چونکہ بچہ تھا ہجوم کیوجہ سے اس پانی میں گر گیا اور تمام کپڑے شرابور ہو گئے۔ جب میں باہر نکلا تو لوگوں نے میرے تمام کپڑے اُتار کر مجھے ننگا کر دیا اور اس کا پانی نچوڑ کر تبرک سمجھ کر پی گئے اور پاجامہ کا پانی بھی پی گئے جو یقیناً ناپاک تھا۔

حکایت (۱۴۱۶) فرمایا کہ ایکمرتبہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی مرادآباد کے جلسہ میں تشریف لے گئے۔ لوگوں نے وعظ کیلئے اصرار کیا۔ مولانا نے عذر فرمادیا۔

کہ مجھے عادت نہیں ہے۔ مگر لوگوں نے نہ مانا۔ آخر مولانا کھڑے ہوئے اور حدیث فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد پڑھی اور اسکا ترجمہ یہ کیا، کہ "ایک عالم شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے"۔ وہاں ایک مشہور عالم تھے۔ وہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ یہ ترجمہ غلط ہے اور جسکو ترجمہ بھی صحیح کرنا نہ آوے تو اسکو وعظ کہنا جائز نہیں۔ پس مولانا فوراً ہی بیٹھ گئے اور فرمایا کہ میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ مجھے وعظ کی لیاقت نہیں ہے مگر ان لوگوں نے نہیں مانا۔ خیر اب میرے پاس عذر کی دلیل بھی ہوگئی یعنی آپ کی شہادت۔ پھر حضرت نے اُن بزرگ سے بطرز استفادہ پوچھا کہ غلطی کیا ہے تاکہ آئندہ بچوں۔ انہوں نے فرمایا کہ اشد کا ترجمہ اثقل کا نہیں آتا بلکہ اضر کا آتا ہے۔ مولانا نے فی الفور فرمایا کہ حدیثِ وحی میں ہے یاتینی مثل صلصلة الجرس وھو اشد علیّ کیا یہاں بھی اضر کے معنی ہیں؟ وہ دم بخود رہ گئے۔

حکایت (۴۱۷) فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے جلسۂ دستار بندی میں مدرسہ جامع العلوم کانپور بلوایا۔ آپ تشریف لے گئے۔ میں نے وعظ کے واسطے عرض کیا۔ فرمایا میرے وعظ سے لوگ خوش ہونگے اور اس سے میرا تو کچھ نہیں جائیگا تمہاری ہی اہانت ہوگی کہ انکے ایسے اُستاد ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت اس سے تو ہمارا فخر ہوگا کہ انکے استاد ایسے ہیں۔ فرمایا ہاں اسطرح فخر ہوگا کہ لوگ کہیں گے یہ (حضرت مرشدی مدظلہم) استاد سے بھی بڑھ گئے۔ غرضکہ بڑی دقت کے بعد منظور فرمایا۔ مولانا کا علم اور علماء کا مجمع خوب طبیعت کھلی ہوئی تھی۔ مضامین عالیہ ہو رہے تھے کہ اتنے میں مولوی لطف اللہ صاحب علیگڈھی تشریف لے آئے۔ اُنکے دیکھتے ہی مولانا یکدم بیٹھ گئے۔ مولوی فخر الحسن صاحب نے دوسرے وقت عرض کیا کہ وعظ

کیوں بند کر دیا تھا۔ فرمایا کہ اسوقت مجھ کو خیال ہوا کہ اب وقت ہے مضامین کا یہ بھی دیکھیں گے کہ علم کیا چیز ہے۔ تو اس طرح سے وعظ میں خلوص نہ رہا اسلئے قطع کر دیا۔

حضرت حکیم الامۃ مجدد الملۃ مرشدی و مولائی سیدی و سندی جناب مولانا مولوی قاری شاہ محمد اشرف علی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی حکایات

حکایت (۴۱۸) فرمایا کہ چندہ کے متعلق میری مولانا..... صاحب سے بہت گفتگو ہوئی۔ میں کہتا تھا کہ خطاب خاص میں وجاہت کا دخل ہوتا ہے۔ دینے والے کے قلب پر مانگنے والے کی وجاہت کا اثر پڑتا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ ہم کیا اور ہماری وجاہۃ کیا اس کا کیا اثر ہوتا ہے۔ میں نے جواب دیا آپ کی نظر میں بیشک اپنی وجاہت نہیں ہے لیکن لوگوں سے پوچھیئے کہ انکے قلوب میں آپ کی کتنی وجاہت ہے۔ مولانا نے فرمایا نہیں جی۔ بہت دیر گفتگو رہی لیکن انہوں نے میری رائے نہ مانی اپنی رائے پر قائم رہے۔

حکایت (۴۱۹) فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی جس وقت نابینا ہو گئے تو میں کبھی ویسے ہی چپکے سے جا کے نہیں بیٹھا بلکہ جب گیا یہ کہہ دیا کہ اشرف علی آیا ہے اور جب چلنے لگا تو کہدیا کہ اشرف علی رخصت چاہتا ہے۔ ویسے چپکے جا کر بیٹھنے میں تجسس کے مشابہ ہے۔ تشبہ بالمتجسس بھی تجسس ہے۔ آنے جانے کی اطلاع سے یہ فائدہ تھا کہ شاید کوئی بات میرے سامنے فرمانا نہ چاہیں اور حضرت فرمانے لگیں۔

حکایت (۴۲۰) فرمایا کہ ایکبار سہارنپور میں بڑے جلسہ میں جانا ہوا۔ جلسہ سے اگلے روز شیخپور والوں نے حضرت مولانا سہارنپوری اور دیگر بعض مہمانوں کو مدعو کر دیا۔

چلتے وقت سہارنپور کے ایک تاجر چانول نے اگلے روز صبح کی دعوت کر دی۔ مولانا نے دعوت منظور فرمالی اور شیخپورہ چلے گئے۔ شب کو وہاں رہے۔ صبح کے وقت چھاجوں پانی پڑ رہا تھا۔ مگر چونکہ مولانا نے وعدہ کر لیا تھا اسوجہ سے اسی حالت میں واپسی ہوئی۔ جب سہارنپور اُترے میں بھی ہمراہ تھا۔ راستہ میں وہ صاحب جو دعوت کر گئے تھے، سڑک پر جاتے ہوئے ملے۔ مولانا نے پکار کر بُلایا اور اپنے آنیکی اطلاع کی تو آپ کہتے ہیں حضرت دعوت کا کوئی انتظام نہیں ہوا۔ مجھ کو واپسی کی اُمید نہ تھی۔ مولانا نے فرمایا، اچھا بھائی پھر سہی۔ اسنے کل صبح کا وقت معیّن کیا۔ (تبسم سے فرمایا ظالم نے شام کو بھی تو نہ کہا) ہمارے حضرت نے فرمایا اس گفتگو سے میرے غصہ کی کچھ انتہا نہ تھی۔ مولانا چونکہ بزرگ تھے اُن کے سامنے کچھ نہ کہہ سکا۔ مجھے بھی صبح دعوت میں شریک ہونیکا حکم ملا۔ میں نے عرض کیا حضرت مجھے تو صبح صبح بھوک نہیں لگتی ہے۔ فرمایا اگر بھوک ہو کھا لینا ورنہ مجلس ہی میں بیٹھ جانا۔ میں نے عرض کیا بہت اچھا۔ صبح وقت پر پھر ہم سب گئے مگر میں غصہ میں بھرا ہوا تھا۔ کوٹھے کے اوپر کھانا کھلایا۔ میں عذر کر کے مولانا سے رخصت ہو گیا۔ اور اس دعوت کنندہ سے مولانا کے سامنے تو کہنے کا موقعہ نہ ملا اسلئے نیچے بُلایا اور اچھی طرح اُسکے کان کھولے اور کہا کیا بزرگوں کو بلا کر ایسے ہی تکلیف اور اذیت دیا کرتے ہیں، تجھے تو یہ چاہیئے تھا کہ اگر مولانا شیخپورہ سے تشریف نہ بھی لاتے تب بھی انتظام کرتا۔ اسنے آئندہ کیلئے توبہ کی (جامع کہتا ہے کہ یہ شانِ انتظام ہے جو ہمارے حضرت میں باحسن الوجوہ ہے۔)

حکایت (۴۲۱) فرمایا کہ ایک غیر مقلد بہت ڈرتے ڈرتے بغرض بعیت میرے پاس آئے (کیونکہ اُنکے رفقائے سفر نے اُنکو ڈرا دیا تھا کہ تم وہاں جاؤ گے نکالدیے جاؤ گے) انہوں نے مجھ سے بعیت کو کہا۔ میں نے اس شرط کو منظور کرا کے بعیت کر لیا اور یہ سمجھایا

کہ کسی سے بھی خواہ وہ مقلّد ہو یا غیر مقلّد لڑنا جھگڑنا مت نہ مباحثہ کرنا۔ اور اپنی بیوی کو بھی مرید کرایا میں نے اس سے بھی یہی شرط کرلی۔ دو چار بار آنے کے بعد مقلّد بنتے۔ یہ اتباعِ حق کی برکت ہے۔ اکثر مناظروں سے قلب میں ظلمت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ طریقۂ باطن میں بہت مضر ہے۔

حکایت (۴۲۲) فرمایا کہ ایک مرتبہ میں حضرت حاجی صاحبؒ کے ملفوظات وحالات بیان کر رہا تھا۔ اس جلسہ میں ایک وکیل حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے معتقد بھی بیٹھے ہوئے تھے جو بہت مزے لے رہے تھے اور ایک حالت طاری تھی۔ انہوں نے مجھے مخاطب کرکے اسی حالت میں یہ شعر پڑھا ؎

تو منوّر از جمالِ کیستی ؎ تو مکمّل از کمالِ کیستی

میں نے فی البدیہ یہ جواب دیا ؎

من منوّر از جمالِ حاجیم ؎ من مکمّل از کمالِ حاجیم

حکایت (۴۲۳) ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت مولانا . . . . رامپوری فرماتے تھے کہ بھائی اب تو وہ زمانہ آگیا ہے کہ طالب مطلوب بنکر آتے ہیں۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ کسی صورت سے اللہ کا نام آجائے۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ ہاں بھائی یہ اللہ کا باغ ہے اسمیں ہر قسم کے درخت ہونے چاہئیں اندر کے درخت تو ایسے ہی ہونے چاہئیں جیسے حضرت رامپوری تھے۔ اور باہر کے ایسے ہونے چاہئیں جیسے میں۔ کیونکہ باغ میں جب تک باہر کے درخت خاردار نہیں ہوتے جبتک اندر کے درختوں کی حفاظت نہیں ہوتی۔ میں وفایہ ہوں بزرگوں کا جو یہاں نسے جائیگا پھر ان حضرات کو نہ ستائیگا۔ واقعی کہیں تو اس شعر کا مصداق ہونا چاہیئے ؎

بانگ می آید کہ اے طالب بیا ؛ جودِ محتاجِ گدایاں چوں گدا

اور کہیں اس شعر کا مصداق ہونا چاہیئے ۔

ہر کہ خواہد گو بیاؤ ہر کہ خواہد گو بُرو ؛ دار و گیر و حاجب و درباں دریں درگاہ نیست

ایک واقعہ یاد آیا کہ میرے پاس ایک شخص مُرید ہونے آیا میں نے اس سے پوچھا کہ تیرے پاس موروثی زمین تو نہیں ۔ اُسنے کہا بہت (وہ اسکو کچھ اچھا سمجھتا تھا) میں نے کہا کہ پہلے اس سے استغفار دے آؤ پھر مُرید کرینگے ۔ وہ یہاں سے سیدھا رائپور پہنچا اور مرید ہوکر یہاں آیا اور کہا کہ میں تو مُرید ہو بھی گیا ۔ مولانا نے تو کچھ نہیں کہا ۔ میں نے کہا کہ کیا تو نے مولانا سے پوچھا تھا ۔ کہنے لگا نہیں ۔ میں نے کہا کیا ان کو علمِ غیب تھا ۔ پھر میں نے کہا کہ دیکھو میں اور مولانا رائپوری دو نہیں ہم سب ایک ہیں ۔ میں ان کی طرف سے کہتا ہوں کہ تم اس زمین سے استغفار دیدو اور اگر کچھ عذر ہے تو یہاں سے ابھی اُٹھ جاؤ اور آئندہ جبتک توبہ نہ کرلو یہاں منہ نہ دکھاؤ ۔

حکایت (۴۷۴) فرمایا کہ میں بچپن میں خواب بہت دیکھا کرتا تھا ۔ ابتو بالکل نظر نہیں آتے ۔ اور تعبیر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے لیا کرتا تھا ۔ مولانا نے بعض اوقات استخارہ تک مجھ سے کرایا ہے کہ تجھے خواب سے مناسبت ہے ۔ ایکدفعہ میں نے خواب دیکھا کہ مولانا دیوبندیؒ کے مردانہ مکان میں دروازہ کے سامنے جو چبوترہ ہے اسکے کنارہ پر ایک چارپائی بچھی ہے اور اسپر ایک بزرگ بیٹھے ہیں جو بہت نازک پتلے دُبلے قد بھی اچھا ، کپڑے نہایت نفیس بڑے قیمتی تھے ۔ انہوں نے مجھے ایک کاغذ دیا جسپر یہ لکھا ہوا تھا کہ (ہم نے تم کو عزت دی) اور اس کاغذ پر بہت سی مُہریں تھیں جو نہایت صاف تھیں اور مُہر میں صاف لکھا ہوا تھا (محمدؐ) صلی اللہ علیہ وسلم (آپکو حلیہ شریف

میں دیکھنا کچھ ضرور نہیں) اسی خواب میں پھر یوں دیکھا کہ تھانہ بھون میں شادی لال تحصیلدار کے مکان میں پھاٹک کے متصل جو مکتب تھا اسکے اندر کے درجہ میں ایک انگریز اجلاس کر رہا ہے۔ لباس اسکا بالکل سیاہ ہے (یہ معلوم نہیں مکان میں کیونکر پہنچا) اُسنے مجھے ایک پرچہ دیا اسمیں بھی یہی عبارت تھی کہ (ہم نے تمکو عزت دی) اس میں بھی مُہریں بہت تھیں مگر صاف نہ تھیں۔ میں نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا تو فرمایا کہ تم کو دین اور دنیا کی دونوں عزتیں نصیب ہونگی۔ (جامع کہتا ہے کیسی برجستہ تعبیر ہے کہ آج جسکو ایک عالم اپنی نظر سے دیکھ رہا ہے۔ اللّٰھم زد فزد۔

حکایت (۴۲۵) فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عادت شریفہ تھی کہ جب کوئی انکے پاس آکر بیٹھتا تو معارف وحقائق بیان فرمایا کرتے تھے۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے بچپن ہی سے ایسوں کے پاس پہنچا دیا۔ دین کی محبت تو مولانا فتح محمد صاحبؒ کی خدمت میں رہ کر ہوئی۔ ان کی صورت دیکھ کر اللہ کی محبت پیدا ہوتی تھی اور اہلِ دین سے محبت حضرت مولانا محمد یعقوبؒ کے یہاں پہنچ کر ہوئی۔

حکایت (۴۲۶) فرمایا کہ مولوی صادق الیقین صاحب کے والد اچھے بزرگ تھے۔ اور ہر روز ایک قرآن شریف ختم کرتے تھے۔ اور جو تاریخ کسی بزرگ کی وفات کی ہوتی اس روز دو قرآن شریف ختم فرماتے۔ ایک ان بزرگ کی روح کو ایصالِ ثواب کیلئے اور ایک اپنے معمول کا۔ مگر مولود کے بڑے معتقد تھے اور اسمیں مولوی صاحب سے کشمکش رہتی۔ میں نے اس باب میں ان کو ایک مکتوب محبوب القلوب لکھا جس سے آپس میں اتفاق ہو گیا تھا۔ وہ مکتوب چھپ بھی گیا ہے۔ مگر مجھے یقین نہ تھا کہ اس مکتوب کو مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پسند فرمائینگے۔ کیونکہ اسمیں اسقدر توسع ہے۔ ایکمرتبہ جب میں گنگوہ

حاضر ہوا تو قصائیوں کے یہاں مولانا کی دعوت تھی میں بھی شریک تھا۔ ایک شخص نے وہاں مولانا سے دریافت کیا کہ مولوی صادق الیقین اور اُنکے والد کے معاملات کی کیا حالت ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ اب ان میں اتفاق ہے اور یہ سب ان (حضرت مرشدی مدظلہم) کی برکت ہے۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ مولود کی ممانعت یہ مولانا کی شان انتظامی تھی۔ اور تعلیمی شان یہ ہے کہ جائز ہے بشرطِ عدم منکرات اور ناجائز ہے بشرطِ منکرات چونکہ لوگ حدود کے اندر نہیں رہتے اسلئے منتظمین مطلقاً منع کرتے ہیں۔

حکایت (۴۲۷) فرمایا کہ ایکمرتبہ طالب علمی کے زمانہ میں خوف کا بیحد غلبہ ہوا۔ میں حضرت مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضرت کوئی ایسی بات بتلا دیجیے جس سے اطمینان ہو جائے۔ فرمایا ہائیں کفر کی درخواست کرتے ہو۔ کیونکہ بالکل مامون ہو جانا کفر ہے۔

حکایت (۴۲۸) فرمایا کہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے تین چار ہی باتیں سلوک کے متعلق پوچھی ہیں۔ بفضلہ تعالیٰ زیادہ کی حاجت نہیں ہوئی۔ اسی کی برکت سے بہت کچھ حل ہو گئیں۔ (منقول از اشرف التنبیہ)

اضافہ از مولوی محمد نبیہ صاحب ٹانڈوی

حکایت (۴۲۹) احقر جامع نے ثقہ سے سُنا ہے کہ ایک صاحب تھانہ بھون کے رہنے والے دہلی میں کسی مجذوب کے پاس دعا کیواسطے حاضر ہوئے تو اُسنے کہا کہ تھانہ بھون ابھی تک غرق نہیں ہوا۔ اُسنے عرض کیا کہ حضرت میں تو دعا کے واسطے حاضر ہوا ہوں اور آپ بد دعا فرما رہے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ تھانہ بھون اب تک ضرور غرق ہو جاتا مگر وہاں دو شخص ہیں ایک مردہ ایک زندہ۔ ایک تو شاہ ولایت

صاحب وہاں لیٹے ہوئے ہیں (ان بزرگ کا تھانہ بھون مزار ہے) اور ایک مولانا اشرف علی صاحب ان دونوں کی برکت سے تھما ہوا ہے ورنہ ضرور غرق ہو جاتا۔

حکایت (۴۳۰) احقر جامع نے ثقہ سے سُنا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سیدی سندی شیخی و مرشدی حکیم الامۃ حضرت مولانا مولوی شاہ محمد اشرف علی صاحب مد اللہ ظلال فیوضہم العالی کی نسبت یہ فرمایا کہ بھائی ہمنے تو حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کچا پھل کھایا ہے (کیونکہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سب سے اوّل خلیفہ ہیں) اور انہوں نے پکا پھل کھایا ہے (کیونکہ بڑھاپے میں کمال روحانی بڑھتا ہے جامع) محشی کہتا ہے کہ یہ تواضع ہے اسکو تفاضل پر محمول نہ کیا جاوے۔ حالات کے تفاضل سے ملابس حالات کا تفاضل لازم نہیں آتا۔ کیونکہ حالات فاضلہ کے ملابس کی استعداد کا فاضل ہونا لازم نہیں۔

حکایت (۴۳۱) احقر جامع نے اُستاذی مولانا مولوی قدرت اللہ صاحب مدظلہ سے سُنا ہے وہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں حضرت مولانا گنگوہی کی خدمت بابرکت میں حاضر تھا کہ کچھ لوگ تھانہ بھون کے حضرت مولانا کے پاس آئے اور آکر حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہم کی شکایت کرنے لگے کہ ایسا کرتے ہیں ایسا کرتے ہیں۔ اور ابھی نام ظاہر نہ کیا تھا کہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت فرمایا کہ یہ کس کی شکایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ مولانا اشرف علی صاحب کی۔ حضرت نے فرمایا کہ میں سُننا نہیں چاہتا وہ جو کام کرتے ہیں حق سمجھ کر کرتے ہیں نفسانیت سے نہیں کرتے۔ بشریت سے غلطی دوسری شے ہے۔ پھر وہ سب صاحب اپنا سا منہ لیکر چلے گئے۔

(منقول از اشرف التنبیہ)

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب صدر مدرس وناظم مدرسہ مظاہر علوم مہاجر مدنی قدس اللہ سرہٗ کی حکایات

اضافہ از احقر ظہور الحسن غفرلہ ولوالدیہ

حکایت (۴۳۲) حضرت طلبہ کے متعلق تعلیمی امور میں بہت سخت تھے اور امتحان میں کسی ادنیٰ رعایت کو بھی پسند نہ فرماتے تھے۔ اسی طرح طلبہ کی عملی واخلاقی حالت پر بھی سخت نظر ڈالا کرتے۔ اور کیسا ہی کسی عزیز یا دوست کا بچہ ہو جب اسکی بدوضعی یا آزادی کو محقق فرما لیتے تو بے تامل مدرسہ سے خارج کر دیتے اور جبتک وہی اپنی حالت پر نادم ہو کر سچی توبہ نہ کرے اسکے ولی و وارث کی کوئی سفارش نہ سُنتے تھے۔ چنانچہ ایکمرتبہ آپنے اپنے ایک قریبی رشتہ دار کو اتنی بات پر کہ انہوں نے حضرت کی قرابت کے ناز پر اپنے استاد کا احترام وادب ملحوظ نہ رکھا تھا، فوراً مدرسہ کی کتابیں واپس کرنیکا حکم دیدیا اور جبتک خود اُستاد نے حضرت سے سفارش نہ کی اسوقت تک واپس کردہ کتابیں انکو دوبارہ نہ دی گئیں۔ اس کیساتھ ہی دفتر و مطبخ وغیرہ کے ملازمین کی طلبہ پر کوئی داب یا سختی حضرت کو گوارا نہ تھی۔ اور ایسے مواقع پر حضرت ہمیشہ طلبہ کا پہلو لیا کرتے تھے۔ ایکمرتبہ میں حاضر تھا کہ ایک طالب علم کی آپکے پاس محررِ مطبخ کے متعلق شکایت آئی۔ جس کا خلاصہ یہ تھا کہ وہ طلبہ کو کھانا تقسیم کر رہے تھے۔ اس طالب علم کو جلی ہوئی روٹی ملی، جسکے لینے سے اُس نے انکار کیا اور محررِ مطبخ نے سختی سے جواب دیا کہ اب ختنے بہک گئے کہ جلی اور موٹی سوجھنے لگی۔ لینا ہو لو ورنہ جاؤ، مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کو اپنے حصہ میں لگالوں، یا جو روٹی جلے اس کا تاوان دیا کروں۔ حضرت

یہ خبر سنتے ہی مطبخ میں آئے اور غصہ کی وجہ سے آپ کا چہرہ سُرخ ہوگیا۔ میں ساتھ تھا اور دیکھ رہا تھا کہ حضرت کے بدن اور آواز دونوں میں رعشہ ہے۔ محررِ مطبخ سے آپنے واقعہ پوچھا اور جب انہوں نے خود ہی اس توقع پر صحیح صحیح بیان کر دیا کہ طلبہ کا نظام قائم رکھنے کیلئے محرر کی طرفداری کیجائے۔ تو اسوقت آپنے فرمایا کہ منشی جی سُنو! مدرسہ انہی پردیسی بے وطن مسکین طلبہ کے دم سے قائم ہے اور تم اور میں دونوں انہی کے طفیل میں روٹیاں کھا رہے ہیں۔ اگر یہ نہ ہوں تو نہ مطبخ کی ضرورت نہ تمہاری حاجت۔ مدرسہ بھی خالی اور مدرسین بھی فارغ۔ یہ مسکین سہی محتاج سہی، مگر مجھے اور تمہیں دونوں کو روٹیاں دے رہے ہیں۔ مجھے صرف یہ بتا دو کہ تمہیں ترش کلام کرنے کا کیا حق تھا اور تم کون تھے یہ کہنے والے کہ نخرے بہک گئے۔ میں ان کا باپ بنا ہوا ابھی زندہ بیٹھا ہوں۔ تم کو مطبخ سے جزو تنخواہ بنا کر دو خوراک ملتی ہیں۔ آخر کیا وجہ تھی کہ جلی ہوئی روٹی تم اپنی خوراک میں نہ لگا سکے اور مہمانِ رسول کو مجبور کیا کہ یا تو یہی جلی ہوئی کھائے ورنہ فاقہ کرے۔ اب تو اپنی خوراک اسکے حوالہ کر دو اور آئندہ کیلئے خوب کان کھول لو کہ کسی طالب علم کیساتھ کچھ بھی تیز یا ترش برتاؤ کیا تو کان پکڑ کر مطبخ سے نکال دوں گا۔ ہاں کسی طالب علم کی کوئی غلطی ہو تو مجھ سے کہو میں تحقیق کے بعد جو سزا مناسب سمجھوں گا دونگا۔ مگر دوسرے کو نہ دیکھ سکوں گا کہ وہ انہیں ترچھی نظر سے بھی دیکھے۔ چونکہ پہلی غلطی ہے اسلئے اسوقت تنبیہ پر اکتفا کرتا ہوں کہ آئندہ اس کا پورا لحاظ رکھا جائے۔

حکایت (۳۴۷) اسی طرح مدرسین کے احترام کا آپ کو خاص اہتمام تھا۔ اور ان کیساتھ وہ شفقت و لطف کا برتاؤ فرمایا کرتے جو اُن کیلئے شایان تھا۔ باوجودیکہ تمام مدرسین آپ کے شاگرد اور معتقد خادم تھے۔ مگر جب کوئی آتا تو آپ اس کو

پاس بٹھلا لیتے اور اُن کی بھلی بُری سب توجہ سے سنتے تھے۔ مُسکراتے اور کوئی شکایت لاتا تو اس کی کافی تحقیق فرما کر ان کو تسلّی دیا کرتے تھے۔ طالب علم اور اُستاد کے مابین کو قصہ ہوتا جس میں غلطی اُستاد کی ہوتی تو اسوقت بڑی ضیق پیش آتی اور بڑی حسنِ تدبیر سے دونوں پہلو سنبھالا کرتے تھے۔ مولوی ظفر احمد صاحب کے مزاج میں غصہ تھا۔ ایک مرتبہ ایک طالب علم کے بے تُکے سوالات پر ان کو پڑھاتے ہوئے غصہ آیا تو کتاب کہ فلسفہ کی تھی طالب علم کے منہ پر ماری۔ حضرت کے قریب ہی ان کی درسگاہ تھی اور حضرت نے سب دیکھ اور سُن لیا تھا۔ اسوقت گرفت کرنے میں طالب علم کی جُرأت بڑھنے کا اندیشہ تھا اور حضرت کو اسکا خاص اہتمام رہتا تھا کہ طلباء کے قلوب میں اُستاد کی عظمت قائم اور باقی رہے۔ اسلئے ایسا کر دیا گویا سُنا ہی نہیں۔ بعد عصر جب مولوی ظفر احمد صاحب مجلس میں آکر بیٹھے تو حضرت نے فرمایا۔ مولوی ظفر کیا کتاب سے بھی مارا کرتے ہیں؟ کتاب تو اس کیلئے موضوع نہیں ہوئی۔ پھر کتاب بھی مدرسہ کی جو کہ وقف ہے اور جس کی حفاظت ضروری۔ مولوی صاحب نے غلطی کا اقرار اور آئندہ کیلئے احتیاط کا عہد کیا تو آپ مسرور ہوئے۔ اور پھر محبت کے لہجہ میں فرمایا۔ بھائی آجکل طلبہ کو مارنے کا زمانہ نہیں ہے کیونکہ زمانہ فساد کا ہے، قلوب میں تکبر بھرا ہوا ہے۔ بعض نادان مقابلہ سے پیش آنے لگتے ہیں۔ اس سے تو بالکل ہی احتیاط کرو۔ اور اگر کوئی زیادہ بکبک لگاوے اسکو مہتمم سے اطلاع کر کے درس سے اُٹھا دو۔ بس اس سے زیادہ سزا کی ضرورت نہیں

حکایت (۴۳۴) امتحان اپنے مدرسہ کا ہو یا دوسرے مدرسہ کا حضرت سخت لیا کرتے تھے مگر اس کیساتھ ہی نمبر اچھے دیتے تھے۔ ۱۳۲۷ھ میں مدرسہ جامع العلوم کانپور میں دینیات سے فارغ شدہ طلباء کے امتحان دلائے جانے کی تجویز ہوئی کہ تمام علوم میں

امتحان لیا جائے اور بجائے تقریری کے تحریری امتحان ہو، جس کے سوالات بیرونی علماء سے منگائے جاویں۔ چنانچہ ادب و بلاغت اور صرف و نحو کا امتحان حضرت کے سپرد ہوا۔ اور حضرت نے علوم عربیت کے اہم سوالات تحریر فرما کر مدرسہ میں بھیجدیئے۔ مولوی ظفر احمد صاحب تھانوی بھی شریک امتحان تھے اور جب امتحان سے فارغ ہو کر وطن آئے۔ تو حضرت کی زیارت کا شوق ہوا کہ اس سے قبل کبھی زیارت نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ جب بھائی کیساتھ دیوبند جانے لگے تو بھائی سے اپنی خواہش ظاہر کی کہ راستہ میں سہارنپور حضرت کی زیارت کرتے چلیں کہ ادب و بلاغت میں ہمارے ممتحن تھے، شاید کچھ نتیجۂ امتحان کا بھی پتہ چل جائے۔ بھائی نے کہا کہ بس زیارت کرنا چاہو تو کر لو باقی نتیجۂ امتحان کا پتہ مولانا نہیں دینگے کہ یہ قاعدہ کے خلاف بات ہے۔ چونکہ مولوی ظفر احمد صاحب کے قلب میں حضرت کی عظمت بیٹھ گئی اور ایک میلان و کشش پیدا ہو گئی تھی اسلیئے مدرسہ میں آئے اور حضرت کی زیارت کی۔ مولوی ظفر احمد صاحب کا بیان ہے کہ حضرت کی طبیعت مبارکہ میں شفقت تو قدرت نے کوٹ کوٹ کر بھری تھی کہ اسکی نظیر ملنا دشوار ہے۔ زیارت کیساتھ ہی جس چیز کو میں نے دیکھا وہ حضرت کا تبسم کیساتھ خندہ پیشانی سے شفقت و عنایت فرمانا۔ اور تھوڑی ہی دیر میں قبل ازیں کہ میں نتیجۂ امتحان کے متعلق کچھ عرض کرتا خود ہی یہ فرمایا تھا کہ میاں ظفر تمہارے جوابات سے ہم بہت خوش ہوئے۔ تم نے سب سوالات کے جوابات اچھے لکھے اور بالخصوص اُردو کی عربی اور عربی کی اُردو سب سے اچھی بنائی اسلیئے ہم نے نمبر بھی تم کو اچھے دیئے اور یہ فرما کر حجرہ میں تشریف لے گئے اور جوابات کے پرچوں کا پلندہ نکال کر باہر تشریف لائے۔ اس میں سے میرے جوابات کا پرچہ نکالا اور میرے سامنے ڈالدیا کہ دیکھو تمہارے نمبر سب سے زیادہ ہیں (یعنی سو نمبر

ہیں صرف ایک یا دو کم تھے) اور کسی کے نمبر اسقدر نہیں ہیں. سب تم سے کم ہیں.
اسوقت میرے دل میں خیال آیا کہ شاید حضرت کو کشف ہو گیا کہ میں نتیجہٴ امتحان کے
متعلق خیال لیکر آیا ہوں. اس کے بعد پھر مجھے اپنے ساتھ دولت کدہ پر لے گئے.
اور چولھے پر چائے تیار تھی اپنے ہاتھ سے پیالی میں نکالکر مجھے عطا فرمائی.

حکایت (۳۵۴) حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں اوّل صبح کے دو
گھنٹے ترمذی شریف ہوا کرتی. اور اسکے ختم ہو جانے پر بخاری شریف شروع ہو جاتی.
تھی اور جبکہ وسط میں دونوں کتابوں سے باطمینان فارغ ہو جاتا تھا. اسکے بعد فقہ و
تفسیر کے اعلیٰ اسباق ہوتے اور اوقاتِ مدرسہ میں ایک گھنٹہ آپکا درس سے فارغ ہوتا
تھا جو فتاوےٰ لکھنے یا دوسروں کے لکھے ہوئے کو دیکھنے اور سننے میں خرچ ہوتا تھا.
۱۳۲۸ھ سے جب مولوی محمد یحییٰ صاحب تشریف لے آئے تو آپ کا ایک گھنٹہ صبح
کا اور ایک شام کا فارغ ہونے لگا اور یہ وقت امورِ نظم مدرسہ میں صرف ہونے لگا.
۱۳۳۵ھ میں جب آپنے ابوداؤد کی شرح "بذل المجہود" کی تالیف شروع فرمائی تو دو
گھنٹہ صبح کے تالیف کیلئے تھے اور ایک گھنٹہ شام کا فتاویٰ کیلئے اور باقی گھنٹوں میں
درس. مگر ۱۳۳۹ھ میں صبح کا تمام وقت بذل کی تالیف میں مستغرق ہو گیا اور شام کو
ایک سبق کا آپ درس دیتے تھے جو ہر سال بدل جاتا تھا کہ ایک سال ابوداؤد شریف
ہوئی دوسرے سال مسلم شریف اور پھر نسائی شریف. اخیر کے دو سال ۴۴-۴۳ھ میں
مؤطا امام محمدؒ طلباء کے اصرار پر تبرکاً پڑھاتے اور صبح کا تمام وقت بذل میں خرچ ہوتا تھا.
اور شام کا خطوط کے جوابات اور فتاویٰ میں کہ ڈاک کی آمد بہت بڑھ گئی تھی. جوابات
خطوط ابتداء میں آپ خود تحریر فرمایا کرتے اور خط ایسا حسین تھا گویا تصویر کھینچدی.

چنانچہ ۱۳۲۹ھ تک کے آپ کے بھیجے ہوئے خطوط بندہ کے پاس ایک ہزار سے زیادہ موجود ہیں جو حضرت کے اپنے قلم سے لکھے ہوئے ہیں۔ ان کو دیکھتا ہوں اور حیران ہوتا ہوں کہ جلد اور اتنا حسین لکھنا حضرت ہی کا کام تھا۔ بعض خطوط حضرت نے آخر شب میں چراغ کے سامنے لکھے ہیں کہ دن کو فرصت نہیں ملی، مگر کیا مجال کہ حسن میں ذرہ برابر فرق آیا ہو۔ پھر جب رعشہ بہت بڑھ گیا تو مولوی محمد یحییٰ صاحب مولوی عبداللہ حاجی مقبول احمد اور مولوی زکریا صاحب وغیرہم آپ کے کاتب رہے۔

حکایت (۳۶۱) انتظام مدرسہ کے متعلق حضرت میں ایک خاص کمال یہ تھا کہ ہر شعبہ کی نگرانی بغیر وقت صرف کئے فرماتے تھے کہ کسی کام میں بھی مشغول ہوں خیال چار طرف رہتا تھا اور کسی شعبہ سے غفلت نہیں ہوتی تھی۔ مدرسین کی تعلیم طلباء کی حاضری، مطالعہ، تکرار، کتب بینی، پابندیٔ نماز و تلاوتِ قرآن اور نیک چلنی، وضعداری کا جدا دھیان تھا اور دفتر کے تمام رجسٹروں کی وقت پر خانہ پُری اور حساب کتاب کی صحت و صفائی کا جدا خیال تھا۔ کتبخانہ کی محافظت اور صفائی و ترتیب پر علیحدہ نظر تھی اور مطبخ کے اجناس کے محفوظ اور وزن میں ہر وقت صحیح رہنے پر علیحدہ نگاہ تھی۔ اور ہر شعبہ کے ملازمین کا صحیح وقت پر آنا حضرت کی ادنیٰ توجہ اور ہیبتِ خداداد کی بدولت اتنا قابو میں آیا ہوا تھا کہ چند منٹ کی غیر حاضری کے چھپا لینے پر کوئی قادر نہ تھا۔ علمی مشغلہ آپکا اتنا بڑھا ہوا تھا کہ اہلِ نظر اسپر تعجب کیا کرتے تھے۔ چہ جائیکہ اسپر فتاویٰ کا اشتغال کہ وہ مستقل مد ہے اور پھر خطوط کے جوابات جس میں علمی اشکالات طلب مشورہ احتیاج تربیت ذکر و اوراد کے استفسار اطباء واقعات خانگی معاملات وغیرہ وغیرہ سب ہی کچھ ہوتے تھے۔ جدا مشغلہ تھا جو دماغ کے کامل سکون اور طبیعت کے پورے حضور کو چاہتا تھا۔ اسپر ہر شعبہ کی نگرانی، اور طرہ بر آں ہر

جزو کی اصلاح اور ترقی کا فکر و تدبر ایسے امور تھے کہ دیکھنے والا حیران ہو جاتا تھا۔ بس ایک مشین تھی جو بھاپ کے ذریعہ چل رہی اور اپنے ساتھ جڑے ہوئے ہر آلہ کو اس کام میں لگائے ہوئے تھی جس کیلئے وضع کی گئی ہے کہ انجن صرف ایک ہے مگر اس سے نکلنے والی برقی قوت چکیاں بھی چلا رہی ہے کہ آٹا پیسیں۔ پریس بھی چلا رہی ہے کہ کاغذ چھاپیں۔ پنکھے بھی چلا رہی ہے کہ پسینہ سوکھے۔ اور قمقمے بھی روشن کر رہی ہے کہ دنیا جگمگا اُٹھے۔ اور رات کی تاریکی میں نصف النہار کا سورج نکل آوے۔ اسی طرح حضرت کا ایک دم تھا کہ درس بھی دیتا تھا تالیف بھی کرتا تھا، معاشرتِ اہل و عیال میں بھی نمونہ سنت بنا ہوا تھا۔ مدرسہ کے ہر شعبہ کی نگرانی اور اسکی ترقی میں فکر و سعی بھی رکھتا تھا۔ مہمانوں کی مدارات اور تمامی کنبہ و برادری سے شیریں تعلقات نباہتا تھا۔ مخلصین کی دلدہی اور ہمعصروں کی مخلصانہ محبت میں دُور دُور کے سفر اور متواتر و مسلسل و مختلف اسفار میں حسب موقع دن اور ہفتے اور مہینے خرچ کرتا تھا۔ طالبین میں ہر شخص کی طاقت و قابلیت کے موافق ان کو زبانی اور بذریعہ مراسلت اصلاحِ حال کی تعلیم بھی دیتا تھا۔ توجہ و تصرفِ ہمت سے انکی تربیت بھی فرماتا تھا اور بایں ہمہ اپنے مولا کیساتھ قلبی و جسدی تعلقات کے تمامی وہ حقوق ادا کرتا تھا جو زہاد و عباد کسی پہاڑ کی کھٹی میں بیٹھ کر ادا کرتے ہیں۔ اس دماغی اور بدنی مشاغل میں مشغول ہو کر کوئی برسوں کا حاضر باش بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں نماز کی تکبیر تحریمہ حضرت سے چھوٹ گئی یا فلاں شب تہجد کیلئے آنکھ نہیں کھلی، حضرت کے مشاغلِ روزمرہ کا عُشر عشیرہ بھی کسی کے سر رکھ دیا جائے تو بڑا بہادر اور باہمت کہلائیگا۔ اگر چند ہفتے بھی یکساں حال پر تیقظ و چستی میں گذار دے چہ جائیکہ عمر کا بڑا حصہ اور وہ بھی اخیر جس میں ساری جسمانی قوتیں جواب دینے لگتی ہیں، اس چستی و پابندی میں گذرا کہ جو دن آیا وہ ایک جدید اشغال کا

اضافہ ساتھ آیا کہ مدرسہ بھی ترقی پذیر ہو کر روزانہ مزید توجہ کی احتیاج بڑھاتا رہا۔ اور اصلاح و تربیتِ روحانی کے سلسلہ میں بھی روزانہ ترقی ہو کر کماً و کیفاً مزید اشتغال کی ضرورت بڑھتی رہی۔ باوجودیکہ آپ مدینہ کی زمین میں دفن ہونیکی ہوس پر ہندوستان چھوڑ سکے اور سمندر پار جہاں سے خط بھی پچیس دن میں پہنچے یکسو ہو کر بیٹھ چکے تھے، مدرسہ سے رخصت لے چکے اور اسکو اپنے معتمد خدام کے حوالے کر کے تمامی ذمہ داریاں سر سے اُتار چکے تھے مگر میں مجسمِ حیرت بنگیا جب آپکا رجسٹری شدہ والانامہ میرے نام آیا۔ جسمیں مدرسہ کے متعلق بیس سے زیادہ وہ جزئی واقعات لکھے جن کی تحقیق اور اصلاح کی ضرورت تھی۔ اور پھر خود ہر معاملہ کا قطعی فیصلہ بھی تحریر فرمایا کہ فلاں واقعہ اگر صحیح ہو تو یہ کرنا چاہیئے اور غلط ہو تو یہ ہونا چاہیئے۔ اور اس کے بعد قواعد کلیہ کے درجہ میں نگرانی کا سبق پڑھایا۔ مافات کی تلافی اور آئندہ کی احتیاط کا طریق سکھلایا۔ اور اُن علاماتِ مخفیہ پر آگاہ کیا۔ جو اسوقت نہیں مگر آئندہ سوئی کا پھاوڑہ بنتی نظر آتی ہیں۔ غرض جن اُمور سے ہم حاضرین کی آنکھیں اور کان بیخبر اور قلوب منقفل و دماغ معطل تھے آپنے یثرب کی زمین میں بیٹھے ہوئے ان پر روشنی ڈالی اور ایسی ڈالی کہ اُن سے نفع اُٹھانے والا ایک چلتے ہوئے مفید عام کارخانہ کی تمام ذمہ داریوں کو بآسانی انجام دیسکتا ہے بشرطیکہ چاہے۔

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری کی حکایات

حکایت (۳۷۴) فرمایا کہ مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری کا قلب بڑا نورانی تھا۔ میں انکے پاس بیٹھنے سے ڈرتا تھا کہ کہیں میرے عیوب منکشف نہ ہو

جائیں۔ (جامع کہتا ہے اللہ اکبر کیا ٹھکانا اس تواضع اور انکساری کا۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

نیک لوگوں کا تو ایسا حال ہے ؛ اور تیرا یہ خبیث اب قال ہے
میرا ثانی کوئی دنیا میں نہیں ؛ عالم و زاہد ولی پاک دین

(منقول از اشرف التنبیہ)

حضرت امیر شاہ خانصاحب راوی رسالہ امیر الروایات کی حکایات

حکایت (۳۸۴) خانصاحب نے فرمایا کہ میں خواب کبھی نہیں دیکھتا ہوں۔ لیکن کبھی شاذونادر کوئی خواب نظر آتا ہے اور ان میں سے بعض خواب بالکل سچے ہوتے ہیں۔ میں نے لڑکپن میں غالباً بلوغ سے پہلے ایک خواب دیکھا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب اور مولوی عبدالحی صاحب تشریف فرما ہیں اور یہ خبر ہے کہ سید صاحب بھی تشریف لا رہے ہیں۔ مولوی عبدالحی صاحب ایک چارپائی پر سرہانے بیٹھے ہیں۔ میں انکی پائینتیوں بیٹھا ہوا ہوں اور اُنسے ایسی بے تکلفی کیساتھ باتیں کر رہا ہوں جیسے بہت دنوں کی ملاقات ہو۔ چنانچہ میں نے اُنسے پوچھا کہ حضرت آپ کا علم کتنا بڑا ہے۔ مولانا نے مسکرا کر فرمایا کہ بقدرِ ضرورت۔ اسکے بعد میں مولانا اسمٰعیل صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ مسجد میں ایک ایسے حجرہ میں ٹھہرے ہوئے تھے جو مسجد سے بہت نیچا تھا جیسا آدھا تہخانہ اور اس حجرہ میں ایک چارپائی بچھی ہوئی تھی مولانا اس سے کمر لگائے بیٹھے تھے۔ اور ان کے پاس دس بارہ آدمی اور بیٹھے ہوئے تھے۔ جب میں جاکر بیٹھا تو مولانا نے

ایک دیگچی نکالی جس میں شربت تھا جس کا قوام کسی قدر گاڑھا تھا اور رنگت سنہری نہایت براق تھی۔ مولانا نے اس میں سے پیالے بھر بھر کر لوگوں کو دینے شروع کئے اور تقسیم اپنے ہاتھ سے شروع کی۔ میں مولانا کے سامنے بیٹھا ہوا تھا اور میرے پھوپا میرے برابر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جب میرا نمبر آیا مولانا نے اس پیالہ کو اوروں سے زیادہ بھرا اور میری طرف دیکھ کر مسکرائے۔ وہ پیالہ مجھے دینے ہی کو تھے کہ میرے پھوپا نے مجھے کسی کام کو بھیج دیا اور وہ پیالہ مجھے نہ مل سکا۔ مجھے اس کا بڑا قلق ہوا اور میں چاہتا تھا کہ نہ جاؤں۔ مگر اوّل تو پھوپا صاحب کے حکم کی تعمیل ضروری تھی دوسرے یہ بھی خیال ہوا کہ پھوپا یہ سمجھیں گے کہ یہ بڑا اندیدہ ہے، اسلئے چار و ناچار مجھے اس کی تعمیل کرنی پڑی۔ میں اس کام کو کر کے واپس آیا اور جہاں پہلے بیٹھا تھا وہیں بیٹھ گیا۔ مولانا نے فرمایا ارے تو رہ گیا، کہاں چلا گیا تھا۔ اسکے بعد دیگچی منگائی اور شربت کو دیکھا اس میں شربت موجود تھا مگر اتنا نہ تھا جتنا اوروں کو دیا تھا۔ اسکے بعد مولانا نے پیالہ منگایا جس میں آپ نے پیا تھا۔ اس پیالہ میں مولانا کا بچا ہوا شربت موجود تھا۔ مولانا نے دیگچی کا شربت اس پیالہ میں ڈالا اور دیگچی کو اپنے ہاتھ سے پونچھ پونچھ کر بالکل صاف کر دیا۔ اس سے وہ پیالہ اتنا تو نہ بھرا جتنا پہلی مرتبہ میرے لیے بھرا تھا، مگر اوروں کی برابر ہو گیا اور وہ پیالہ میں نے پی لیا۔ اس روز سے میری یہ حالت¹ ہو گئی کہ میں مولانا کی کتابوں کو اتنا تو نہیں جتنا وہ خود سمجھتے تھے۔ مگر اپنی حیثیت کے موافق خوب سمجھنے لگا۔

نظیف الزیادات فی لطیف العنایات

اس کی حقیقت ایک مکتوب ہے امیر شاہ خانصاحب مرحوم کا۔ اس احقر کے نام

---

¹ خواب اس حالت میں دخیل نہیں بلکہ مبشر ہے اس حالت کے اصول کی مستقبل ہیں، اور وہ حصول کبھی وہبی ہوتا ہے اور کبھی مکتسب۔ کسی عمل سے بہرحال خواب کو مؤثر نہ سمجھاوے، اگر کوئی چیز مؤثر ہے وہ عمل ہے اور خواب محض مبشر ہے ٥ (اشرف علی)

جس کے بعض اجزار از قبیل مضامین امیرالروایات ہیں۔ "نظیف الزیادات" کے نام سے ملنی بھی مناسبت ہے اور بعض اجزار مشعر ہیں مرحوم کی عنایت خاص کے اس احقر پر "فی لطیف العنایات" کی قید کا مبنی بھی رعایت ہے۔ میں ایسے شخص کی عنایت کو جس کو اکابر کیساتھ ایسے خاص تعلقات ہوں فال صلاحیت حال و مآل اور موجب تقویت آمال سمجھتا ہوں۔ جن فوائد پر یہ ضمیمہ مشتمل ہے ان میں ہر فائدہ پر مستقلاً و منفرداً متنبہ کرنے کے لئے ان اجزار پر اصل متن کے سلسلہ عداد سے نمبر بھی ڈالدیے گئے۔ کیونکہ دلالت علی العنایات بھی ایک قسم کی حکایت ہی ہے۔ خصوص جبکہ وہ بعض واقعات کی حاکی بھی ہو۔ اس طرز سے یہ ایک درجہ میں تتمہ متن کا بھی ہوگیا۔ اور پورے مکتوب کے ختم کے بعد ہر نمبر کے حوالہ سے مواقع ضرورت پر کچھ تعلیقات بھی مختصر لکھدی ہے۔ اب اس مکتوب کو نقل کرتا ہوں۔

(جزو اول نمبر ۱۶۵) حضرت مخدوم مکرم و معظم و محترم جناب مولانا دام اللہ وجودکم امیر شاہ عفی عنہ عارض مدعا ہے کہ میرا مصمم ارادہ تھا کہ اپنے اثنائے سفر میں ضرور حاضر خدمت ہوں مگر میرے دیوبند پہنچنے تک جناب سفر سے واپس تشریف نہ لائے تھے اسکے بعد میں رائپور چلا گیا۔ محمد اشفاق کی بیوی اور بیٹے کا انتقال ہوگیا تھا اس لیے وہاں دیر ہوگئی۔ اسکے بعد رمضان شریف آگیا انہوں نے رمضان میں آنے نہ دیا۔ چنانچہ نصف رمضان وہاں رہنا پڑا اسکے بعد آٹھ روز بہٹ قیام کرنا پڑا وہاں سے دیوبند واپس آیا۔ گو یہاں آکر مجھے معلوم ہوگیا کہ جناب والا تشریف لے آئے ہیں لیکن اوّل تو حافظ احمد نے نہ چھوڑا دوسرے میں بہت ضعیف ہوگیا ہوں۔ نظر بھی بہت کمزور ہوگئی اسلئے تنہا سفر کے قابل نہ رہا ہوں، اور ہمراہی کوئی ملا نہیں اس لئے حاضری سے قاصر رہا۔ پھر اُدھر چودھری صاحب کا تقاضا تھا کہ جلدی آؤ۔ اس

نے معذوری میں اور بھی اضافہ کر دیا۔ علیگڈھ آکر منشی شرافت اللہ صاحب سے معلوم ہوا کہ جناب سفر سے واپس تشریف لاتے ہوئے کچھ دیر ہاتھرس سٹیشن پر ٹھہرے تھے۔ اور مجھے اور حبیب احمد کو بلانے کیلئے جناب نے مینڈھو آدمی بھیجے تھے، مگر ہم میں سے کوئی نہ ملا۔ یہ سنکر نہایت صدمہ ہوا۔ مگر ساتھ ہی انہوں نے یہ خوشخبری بھی سنائی کہ جناب عنقریب علیگڈھ تشریف لانیوالے ہیں۔ اس سے قدرے تسکین ہوئی اور میں نے اُنسے کہدیا ہے کہ جب مولانا تشریف لانے کو ہوں تو اُن کی تشریف آوری سے ایک روز قبل مجھے بُلا لیا جاوے۔ چنانچہ انہوں نے اسکو منظور فرمالیا ہے۔ حضور سے بھی معروض ہے کہ جب جناب علیگڈھ تشریف لاویں تو مجھے اطلاعی والانامہ سے مشرف فرماویں۔

(جزو دوم نمبر ۱۶۶)

آخر میں کچھ تھوڑیسی اپنی بکواس لکھوانا چاہتا ہوں، جس کا نام اعتقاد ولی ہے۔ اس اعتقاد سے میں بجز اپنے حضرات کے اور شاہ ولی اللہ صاحب کے خاندان کے اور کسی کا معتقد نہیں ہوں۔ چنانچہ حضرت گنگوہیؒ فرمایا کرتے تھے کہ امیر شاہ اور مولوی عبدالکریم پنجابی یہ دو شخص کسی کے معتقد نہیں۔ اگر کوئی کہتا کہ حضرت اور آپ کے۔ تو آپ کبھی فرماتے کہ ہاں مولوی محمد قاسم کے سُنے سنائے میرا معتقد ہے۔ اور کبھی فرماتے کہ ہاں میرا تو سچا معتقد ہے۔ پھر مکہ معظمہ جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں جانے لگا۔ حضرت کے اکثر خدام میرے پیچھے پڑ گئے۔ چنانچہ جب میں جاتا کسی نہ کسی اختلافی مسئلہ میں مجھ سے گفتگو چھیڑ دیتے۔ مگر حاجی صاحب کی مجلس میں میں کسی کو جواب نہ دیتا تھا اور یہ کہدیتا تھا کہ اگر تم کو گفتگو کا شوق ہے تو حاجی صاحب کی مجلس سے الگ مجھ سے گفتگو کر لو۔ پھر دیکھو کس کے ہاتھ پالا رہتا ہے۔ ایک روز حاجی صاحب نے ان

لوگوں کو خفا ہو کر منع فرمایا کہ اس سے گفتگو نہ کیا کرو۔ اور فرمایا کہ یہ اپنے خیالات میں پختہ ہے اور کسی کا معتقد نہیں ہے۔ مولانا گنگوہی وغیرہ سے سنکر میرا بھی معتقد ہے۔ گو میں پہلے بھی ایک مرتبہ حاضرِ خدمت ہوا مگر صحبت کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ اس مرتبہ جو صحبت کا اتفاق ہوا تو میں دل سے انکا معتقد ہو گیا۔ ایک مضمون میرے خیال میں حدیث کا آیا ہے جس کو میں نے بجز شاہ عبدالرحیم صاحب کے کسی سے نہیں بیان کیا اور اب جناب کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللّٰھم ادر الحق مع علی حیثما دار۔ پس آپ نے حضرت علی کو حق کا تابع نہیں قرار دیا بلکہ حق کو حضرت علی کا تابع بنایا ہے اسی طرح میرے نزدیک حضرت حاجی صاحب علیِ وقت تھے اور حق ان کا تابع۔ اور اسلیے مجھے کبھی ان کے کسی فعل پر اعتراض نہیں ہوا۔ نماز اُن کی ایسی ہی تھی کہ میں نے کسی کی نہ دیکھی۔ صفائی اُن کے یہاں ایسے ہی تھی، تصنع کا وہاں نام نہ تھا۔ یہ بات تو ختم ہوئی۔ (جزو سوم نمبر ۱۶۷)

اب ایک بات اور عرض کرنی چاہتا ہوں۔ اگرچہ حبیب احمد مجھے منع کرتا ہے کہ تو مت لکھوا مگر میں لکھواؤں گا اور اسی سے لکھواؤں گا (مولوی حبیب احمد صاحب نے خود اپنے لئے یہ صیغے تجویز اسلیے کیے کہ خط ان کے قلم سے لکھوایا گیا)۔

پہلے میں صوفیوں کو دہ دردہ کہا کرتا تھا اور مولویوں کا فی الجملہ معتقد تھا۔ لیکن مقامِ چھتاری میں تجربہ ہوا کہ مولوی بھی دہ دردہ بن کر کچھ آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ چھتاری میں ایک عالم مدرس تھے۔ کسی بات پر نواب صاحب نے ان کو موقوف کر دیا۔ تھوڑے دنوں بعد نواب صاحب کا انتقال ہو گیا۔ نواب صاحب کے انتقال کے بعد تعزیت کیواسطے پانی پت سے قاری عبدالرحمٰن صاحب اور دہلی سے مولوی عبدالرّ

وغیرہ امروہہ سے مولوی احمد حسن صاحب مراد آباد سے مولوی محمد حسن صاحب وغیرہ
اور دیوبند سے حافظ احمد وغیرہ اور دوسرے مقامات سے اور اور حضرات جن سے
ملاقات تھی تشریف لائے۔ مگر یہ مولوی صاحب نہیں آئے۔ میں نے انکے ایک دوست
سے اُن کے نہ آنیکی وجہ پوچھی اُس نے کہا کہ مولوی صاحب کے ذمہ عبد الصمد خاں کے
ڈھائی سو روپے قرض تھے اور عبد الصمد خاں نے انکا تقاضا کیا تھا۔ حتیٰ کہ ایک بھنگی
بھی تقاضے کیلئے بھیجا تھا۔ اسوجہ سے نہیں آئے۔ جب مجھے یہ واقعہ معلوم ہوا تو میں نے
اسی روز عشار کی نماز کے بعد نواب عبد الصمد خاں سے کہا کہ مجھے کچھ عرض کرنا ہے۔ انہوں
نے کہا، کہو۔ میں نے کہا کہ مجھے ڈھائی سو روپیہ کی ضرورت ہے۔ آپ بطور ہدیہ کے مجھکو
یہ رقم عطا فرماویں۔ وہ یہ سنکر متحیر ہوئے اور کہا کہ نہ تو سوال کی آپکی عادت ہے اور نہ بظاہر
آپ کو کوئی ضرورت ہے آخر یہ کیا بات ہے۔ میں نے کہا کہ اس کی ضرورت نہیں میں آپ
سے مانگتا ہوں آپ مجھے دیدیجئے۔ انہوں نے کہا بہت اچھا۔ میں نے کہا تو ابھی اپنے
تحویلدار کو بلاکر اس سے کہدیجئے۔ انہوں نے اسی وقت بلاکر کہدیا کہ تحویل میں سے ڈھائی
سو روپے خانصاحب کو دیدینا۔ میں نے کہا کہ یہ روپے آپنے مجھے دیدئے۔ انہوں نے
کہا کہ ہاں دیدئے۔ اسی طرح میں نے اُنسے تین مرتبہ اقرار لیا۔ اُسکے بعد میں نے اُنسے
کہا کہ آپ کے ڈھائی سو روپے جو فلاں مولوی صاحب کے ذمہ ہیں اُن کو آپ معاف
کردیجئے اور یہ روپے جو آپنے مجھے دئے ہیں ان کو آپ رہنے دیجئے اور اِن کو اُنکے
بجائے سمجھ لیجئے۔ یہ سُن کر انہوں نے کچھ دیر سکوت کیا۔ اسکے بعد کہا کہ اچھا میں نے معاف
کئے۔ یہ واقعہ میں نے ان مولوی صاحب کے دوست سے بیان کر دیا۔ انہوں نے ان
مولوی صاحب سے ذکر کیا۔ تب وہ مولوی صاحب تعزیت کیلئے آئے۔ تقریباً

ڈیڑھ مہینے کے بعد وہ مولوی صاحب مینڈھو تشریف لائے اور مجھ سے اور حافظ عطار اللہ سے کہا کہ مجھے پچاس روپیہ کی ضرورت ہے، تو نواب یوسف علیخاں سے مجھے قرض دلا دو۔ حافظ عطار اللہ نے تو انکار کر دیا مگر میں نے اقرار کر لیا۔ حافظ عطار اللہ نے مجھ سے کہا بھی کہ تم مولویوں کے درمیان میں نہ پڑا کرو۔ حافظ عطار اللہ کے انتقال کو اٹھارہ برس ہوئے اور سولہ سال نواب یوسف علیخاں کے انتقال کو ہوئے اور حافظ عطار اللہ کے انتقال سے ایک برس پہلے کا واقعہ ہے لیکن مولوی صاحب نے ابتک اس قرض کے ادا کا نام تک نہیں لیا۔ گو میں نے نوابصاحب کے انتقال کیوقت اُنسے یہ قرض بھی معاف کرا دیا تھا لیکن اسکا تذکرہ میں نے مولوی صاحب سے ابتک نہیں کیا۔ یہ قصہ بھی ختم ہوا۔

ایک اور قصہ سُناتا ہوں۔ نواب یوسف علیخاں صاحب اپنے والدین کے ایصالِ ثواب کیلئے بہت خرچ کرتے تھے۔ ایکمرتبہ انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ کوئی ایسا مصرف بتلاؤ جس میں خرچ کرنے سے انکو ثواب بھی زیادہ ہو ان کی روح بھی مجھ سے خوش ہو میں نے کہا کہ آپ اپنے والدین کے محبوں اور دوستوں پر صرف کیا کریں۔ انہوں نے دریافت کیا کہ میرے والد کے دوستوں کا حال آپ کو بخوبی معلوم ہوگا آپ مجھے بتلائیے۔ میں نے کہا کہ فلاں مولوی صاحب سے آپکے والد کی بہت دوستی تھی۔ یہ سُنکر وہ بہت خوش ہوئے اور کہا کہ آپنے بہت ٹھیک فرمایا۔ اسکے بعد انہوں نے پچاس روپیہ ان کے پاس بھجوا دیے۔ تین مہینے کے بعد ان کا بیٹا آیا، نواب صاحب نے پچیس روپیہ اُسے دیدئے۔ اُس کے تین مہینے بعد مولوی صاحب خود تشریف لائے۔ مولوی صاحب کا اور اُن کے بیٹے کا سالانہ نواب صاحب کے در پر آنا مجھے ناگوار ہوا اسلئے میں نے اُنسے کسی قدر بیرخی برتی مگر نواب صاحب نے ان کو اپنے پاس بُلا کر پچیس روپیہ دئے اور کہا کہ بعض وجوہ سے اسوقت

میرا ہاتھ تنگ ہے اور میں زیادہ خدمت کرنے سے معذور ہوں۔ انشاء اللہ میں ایک ماہ کے اندر ہی میں پچیس روپیہ آپ کی خدمت میں اور بھیجونگا۔ اور اگر مجھے یاد نہ رہے تو امیر شاہ خاں یاد دِلا دینگے۔ اسکے بعد وہ مولوی صاحب چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد نہ تو نوابصاحب کو خیال رہا اور نہ مجھے، اسلئے رقم موعود ان تک نہ پہنچ سکی۔ اسپر ان مولوی صاحب نے مجھے خط لکھا اور اسمیں لکھا کہ جب میں بلندشہر آیا تھا تو آپ مجھ سے بیرخی سے پیش آئے تھے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو میرا آنا ناگوار ہوا تھا، اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس رقم کا نوابصاحب نے وعدہ کیا تھا وہ آپ وصول کر کے خود کھا گئے۔ سو اگر یہی واقعہ ہے تو آپ مجھے صاف لکھدیجئے میں معاف کر دوں گا۔ اگر یہ واقعہ نہیں ہے تو آپ نواب صاحب سے رقم موعود بھجوا دیجئے۔ میں نے نواب صاحب سے اس خط کا کچھ تذکرہ نہیں کیا اور پچیس روپیہ ان کو بھجوا دئے۔ چھ سات مہینے کے بعد ان کا بھی انتقال ہو گیا اور ان کے لڑکے کا بھی۔ یہ قصہ بھی ختم ہوا۔

اس قسم کے واقعات سے مجھے جو صوفیوں کی بہ نسبت مولویوں کے ساتھ کسی قدر حسن ظن تھا اسمیں خلل آگیا اور میں نے سمجھ لیا کہ اب مولوی بھی دہ در دہ ہو گئے۔ ان واقعات سے طبع والا کو بھی مکدر ہوا ہو گا۔ اسلئے میں اسکی تلافی کے لئے اب ایک قصہ مولوی محمد یعقوب صاحب رح کا لکھواتا ہوں۔

جزو چہارم نمبر ۱۶۸۔ مولوی محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب مراد آباد تشریف لاتے تو میں اور حافظ عطاء اللہ چھتاری سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ نواب محمود علی خاں کی بہت آرزو تھی کہ ایک مرتبہ مولوی محمد یعقوب چھتاری تشریف لاویں اور وہ ہم لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ کسی طرح مولانا کو یہاں لاؤ۔ ایک مرتبہ میں

نے عرض کیا کہ حضرت نوابصاحب کی بیحد خواہش ہے کہ ایکمرتبہ آپ چھتاری تشریف لاویں۔ مولانا نے فرمایا کہ ہمنے سُنا ہے کہ جو مولوی نواب صاحب کے یہاں جاتا ہے نواب صاحب اسکو زروپیہ دیتے ہیں۔ ہمیں وہ خود بُلاتے ہیں اسلئے شاید دو سو دیدیں۔ سو دوسو روپے ہمارے کئے دن کے۔ ہم وہاں جاکر مولویت کے نام کو دھبہ نہ لگاویں گے۔

جزو پنجم نمبر ۱۶۹۔ چنانچہ مولوی محمد قاسم صاحب سے بھی ملاقات کے بیحد متمنی تھے۔ مگر مولانا بھی انسے کبھی نہیں ملے۔ چنانچہ دو مرتبہ وہ مولانا سے میرٹھ ملنے آئے اور دو مرتبہ علی گڈھ۔ مگر جب مولانا کو ان کے آنے کا علم ہوتا مولانا شہر چھوڑ کر کسی اور طرف چلدیتے تھے...... ہاں نواب صاحب کو دو باتیں کہدینا۔ ایک یہ کہ نوابصاحب غازی آباد کے سٹیشن پر مسجد بنوادیں۔ اور دوسری ایک عجیب بات تھی، اگر وہ ایسا کرینگے تو میں انکی پالکی کا پایہ پکڑ کر چلوں گا۔ دوسری بات کی نسبت تو نواب صاحب ہنسنے لگے اور پہلی بات کی نسبت فرمایا کہ میں کوشش کر چکا ہوں مگر منظوری نہیں ہوئی۔

جزو ششم نمبر ۱۷۱۔ ایک بات جو اسوقت نہایت اہم ہے وہ یہ ہے کہ چودہری صاحب کے گھر میں بائیں چھاتی میں کوئی سمی مادہ آگیا ہے اور یہ حالت بہت عرصہ سے ہے۔ ہر چند علاج کیا جاتا ہے مگر مرض روبترقی ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ مرض دوا کی حد سے نکل کر دُعا کی حد میں آگیا ہے۔ جناب اپنے خاص اوقات میں ان کی شفا کیلئے دُعا فرماویں۔ حق بر آرد آرزوئے متقین والسلام۔ مولوی عبد المجید کو اور مولوی ظفر کو سلام۔ آخر میں عرض ہے کہ جب جناب علیگڈھ تشریف لاویں، اگر ممکن ہو تو مولوی عبد المجید کو اور مولوی ظفر کو اپنے ہمراہ لیتے آویں تاکہ میں اُنسے بھی مل لوں۔

جزو ہفتم نمبر ۱۷۱۔ آخر میں ایک قصہ مولوی محمود حسن صاحب کا لکھتا ہوں۔

جب نواب محمود علی خاں کا انتقال ہوا تو حضرات دیوبند کا ارادہ ہوا کہ وہ نواب صاحب کی تعزیت کیلئے چھتاری آئیں۔ اور انہوں نے مولوی محمود حسن صاحب پر بھی زور دیا کہ تم بھی چلو۔ مولوی محمود حسن صاحب نے مجھے خفیہ جوابی خط لکھا اور لکھا کہ تم اپنی اصلی رائے لکھو کہ میں آؤں یا نہ آؤں۔ اور لکھا کہ اس کا جواب دہلی فلاں شخص کے نام بھیجنا اور جواب مجمل لکھنا۔ میں نے لکھدیا کہ نہ آئیے۔ اسپر مولوی صاحب نے دستوں کی گولیاں کھالیں اور اصرار کرنیوالوں سے بیماری کا عذر کر دیا۔ (منقول از امیر الروایات)

حل مواقعہ ضروریہ مکتوب بالا

تعلیق جزوِ اول۔ احباب و اخوان فی الدین کی ملاقات کیلئے سفر جبکہ کسی ضروری جزوِ دین میں خلل نہ ہو آدابِ اخوت و محبت سے ہے۔

تعلیق جزوِ دوم۔ قولہ۔ حق ان کا تابع تھا۔ اقول۔ یہ معنی نہیں کہ حق بدلجاتا تھا، معنی یہ ہیں کہ واقعہ کی صورت ایسی ہوجاتی ہے کہ اسکا حکم شرعی وہی ہوتا تھا جو آپکی رائے ہوتی تھی۔

تعلیق جزوِ سوم۔ گو اس میں دو قصے ہیں مگر چونکہ ایک ہی باب کے ہیں اس لئے ان کو ایک ہی جزو قرار دیا گیا۔ اگر اچھے قصے ہوتے تو جدا جدا کرنے میں فرحت مکرر ہوتی۔ اب رنج مکرر دینے سے کیا فائدہ۔

تعلیق جزوِ چہارم۔ قولہ، دھبہ نہ لگے۔ اقول، احقر کو معلوم ہے کہ حضرت کو اکثر تنگی رہتی تھی۔ پھر یہ زہد کمالِ عظیم ہے۔

تعلیق جزوِ پنجم۔ قولہ۔ پالکی کا پایا۔ اقول، ان حضرات کا التفات و اغراض سب اللہ ہی کے واسطے ہے۔

تعلیق جزوِ ششم۔ قولہ، دُعا کی حد میں۔ اقول، یعنی دعائے محض کی حد میں، پس

اس سے یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ دوا کی حالت میں دُعا کی نفی لازم ہے۔

تعلیق جزو ہفتم۔ قولہ، میں نے لکھ دیا کہ نہ آئیے۔ اقول، یہ ہے تقدیم مصلحتِ دینیہ کی دنیویہ پر۔ قولہ، گولیاں کھالیں، کیسی لطیف تدبیر فرمائی کہ مقصود بھی حاصل کسی کا کسرِ قلب بھی نہیں، دعویٰ زہد بھی نہیں۔ ع

ہر ہوسنا کے ندانند جام و سنداں باختن

وھھنا تم جمیع ما یتعلق بامیر الروایات والحمد للہ مفیض الھدایات فقط۔"

جنابِ دیوان محمد لٰسین صاحب دیوبندی مرحوم کی حکایات

حکایت (۴۳۹) حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ دیوان محمد لٰسین مرحوم جو حضرت نانوتوی کے خدام میں سے تھے، انکا ذکرِ جہر مشہور تھا۔ یہ ناممکن تھا کہ ان کا ذکر سُن کر کوئی بغیر روئے ہوئے وہاں سے گذر جائے۔ نہایت دردناک آواز میں ذکر کرتے تھے اور بہت روتے تھے۔ ہر وارد و صادر پر اس ذکر اور گریہ کا اثر پڑتا تھا اور وہ بھی روتا تھا۔ خود فرماتے تھے کہ میں ایک دفعہ چھتہ کی مسجد کے شمالی گنبد کے نیچے ذکرِ جہر میں مصروف تھا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ مسجد کے صحن میں اسی شمالی جانب مراقب اور متوجہ تھے۔ اور توجہ کا رخ میرے ہی قلب کیطرف تھا۔ اسی اثناء میں مجھ پر ایک حالت طاری ہوئی اور میں نے بحالتِ ذکر دیکھا کہ مسجد کی چار دیواری تو موجود ہے مگر چھت اور گنبد کچھ نہیں، بلکہ ایک عظیم الشان روشنی اور نور ہے جو آسمان تک فضا میں پھیلا ہوا ہے۔ یکایک میں نے دیکھا کہ آسمان سے ایک تخت اُتر رہا ہے اور اس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ اور خلفاء اربعہ ہر چہار کونوں پر موجود ہیں۔ وہ تخت اُترتے اُترتے بالکل میرے

قریب آکر مسجد میں ٹھہر گیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفائے اربعہ میں سے ایک سے فرمایا کہ بھائی ذرا مولانا محمد قاسم کو بلالو۔ وہ تشریف لیگئے اور مولانا کو لے کر آگئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مولانا مدرسہ کا حساب لائیے۔ عرض کیا حضرت حاضر ہے۔ اور یہ کہہ کر حساب بتلانا شروع کیا اور ایک ایک پائی کا حساب دیا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی اور مسرت کی اسوقت کوئی انتہا نہ تھی۔ بہت ہی خوش ہوئے اور فرمایا کہ اچھا مولانا اب اجازت ہے۔ حضرت نے عرض کیا جو مرضی مبارک ہو۔ اسکے بعد وہ تخت آسمان کیطرف عروج کرتا ہوا نظروں سے غائب ہو گیا۔[۱]

رامپور کے مجذوب کی حکایت

حکایت (۴۰۰) خانصاحب نے فرمایا کہ ریاست رامپور میں نواب یوسف علی خاں کے زمانہ میں روشن باغ میں ایک مجذوب رہتے تھے۔ اور نواب صاحب کی طرف سے دو سپاہی انکی خدمت کیلئے رہا کرتے تھے۔ ان کا نام بٹیر شاہ تھا۔ یہ مجذوب بالکل ننگے رہتے تھے۔ مگر باتوں میں مجذوب[۲] نہ تھے۔ چنانچہ جب باتیں کرتے انکا قاعدہ تھا کہ جو کوئی ان کے پاس آتا اس سے کوئی نہ کوئی فرمائش ضرور کرتے۔ نیز ان کا قاعدہ تھا کہ اگر کوئی ایک انار یا ایک امرود یا ایک روپیہ یا ایک پیسہ وغیرہ پیش کرتا تو

---

[۱] یہ واقعہ ایک قسم کا کشف تھا جس میں ممکن ہے کہ مولانا کی توجہ کو دخل ہو جو تصرف کی ایک فرد ہے۔ شاید تعبیر اس واقعہ کی یہ ہو کہ مدرسہ کی تصحیح حساب صاحب واقعہ کو دکھلانا تھا تا کہ متردّدین اسے سن کر مطمئن ہو جاویں۔ باقی معاندین تو وحی میں بھی شبہ نکال دیتے ہیں۔ [۲] اس پر تعجب نہ کیا جاوے۔ جذب میں یا جنون میں عقل نہ ہونا تو لازم ہے لیکن بعض اوقات حواس صحیح ہوتے ہیں اور وہ کسی امر کا ادراک کرتے ہیں کبی کا نہیں کرتے اور ایسا شخص مکلف نہیں ہوتا اسلیے کہ مدار تکلیف کا عقل ہے نہ کہ حواس چنانچہ بہائم باوجود سلامت حواس کے اسی لیے مکلف نہیں کہ ان کو عقل نہیں خواہ مطلقاً خواہ خاص درجہ کی جو بنا ہو تکلیف کی جو کہ صبی و معتوہ میں بھی مفقود ہے علی اختلاف قول المحققین۔ (اشرف علی)

نہ لیتے اور فرماتے ایک نہ لونگا دو لاؤ۔ میرے پھوپھا ان کی خدمت میں جایا کرتے تھے اور مجھے بھی اپنے ہمراہ لیجاتے تھے۔ میرے پھوپھا نے شاہ آباد دروازہ میں ایک مکان لے رکھا تھا اور ہمارے مکان کے قریب ایک مولوی صاحب رہتے تھے جو نہایت صحیح العقیدہ اور بزرگ آدمی تھے۔ ان کا نام مولوی اسمٰعیل صاحب تھا اور اُن کے ایک بھائی تھے جن کا نام حافظ اسحٰق تھا۔ میں ان حافظ اسحٰق صاحب سے کوئی کتاب بھی پڑھتا تھا اسکا نام مجھے یاد نہیں رہا۔ ان وجوہ سے مولوی اسمٰعیل صاحب سے تعلقات تھے۔ ایک مرتبہ ان مولوی اسمٰعیل صاحب نے میرے پھوپھا سے ٹبیر شاہ کے انتقال کے بعد اپنا قصہ بیان فرمایا کہ گو میری عادت مجاذیب سے اختلاط کی نہ تھی مگر میں خلافِ عادت ٹبیر شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا اور گو اُن کی عادت یہ تھی کہ وہ ہر آنیوالے سے کچھ نہ کچھ فرمائش کیا کرتے تھے مگر انہوں نے اپنی عادت کے خلاف کبھی مجھ سے کوئی فرمائش نہیں کی۔ ایک مرتبہ میں نے عرض کیا کہ حضور سب سے کچھ نہ کچھ فرمائش کرتے ہیں مگر مجھ سے کبھی کوئی فرمائش نہیں کی۔ کیا حضور مجھ سے کچھ ناخوش ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ نہیں بلکہ میں سب سے زیادہ تجھ سے خوش ہوں۔ میں نے کہا کہ پھر آپ مجھ سے فرمائش کیوں نہیں کرتے۔ انہوں نے فرمایا کہ بات یہ ہے جتنے لوگ ہمارے پاس آتے ہیں سب اغراض لیکر آتے ہیں۔ کوئی بیوی کے لئے آتا ہے کوئی معشوق کے لئے کوئی نوکری کیلئے کوئی کسی اور غرض سے۔ اسلئے ہم بھی اُنسے اپنی غرض لگا دیتے ہیں اور تو کسی غرض سے نہیں آتا بلکہ محض خدا کیلئے آتا ہے اسلئے تیرے ساتھ غرض لگانے کو جی نہیں چاہتا۔ میں نے پوچھا کہ آپ جب کسی سے کوئی چیز لیتے ہیں تو ایک نہیں لیتے بلکہ دو لیتے ہیں اس میں کیا راز ہے۔ آپنے فرمایا وخلقناکم ازواجا اور ایک آیت اور ایسے ہی

پڑھی۔ جب خدا نے جوڑے جوڑے پیدا کئے ہیں ہم بھی جوڑا لیتے ہیں۔ پھر میں نے عرض کیا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کچھ فرمائش کریں۔ آپنے فرمایا اچھا مرغ پلاؤ لاؤ۔ میں اپنے گھر آیا میرے بھائی حافظ اسحٰق اصیل مرغ پالتے ہیں۔ میں نے اُنسے کہا کہ میں میاں ٹبیر شاہ کیلئے مُرغ کا پلاؤ لیجاؤں گا۔ تو کوئی عمدہ پٹھا جس میں سیر بھر گوشت ہو مجھے دیدو۔ انہوں نے ایک نہایت عمدہ پٹھا دیدیا۔ اسکے بعد میں بازار گیا اور سیر بھر نہایت عمدہ چاول لایا اور بہت اچھی بریانی پکا کر ایک بڑی قاب میں ان کیلئے سب کا سب لیگیا جب میں وہاں پہنچا تو وہ باغ کے ایک تالاب میں نہا رہے تھے مجھے دیکھ کر نکل آئے۔ میں نے پلاؤ پیش کیا انہوں نے بیٹھ کر سب کھالیا۔ اور کھا کر اس رکابی کو تالاب پر لیگئے اور وہاں اسے خوب دھویا اور دیر تک پانی کو ہلاتے اور رکابی کو دھوتے رہے۔ اسکے بعد وہاں سے آئے اور رکابی کو آسمان کیطرف بہت اونچے پھینک دیا اور فرمایا رزقکم فی السماء میں سمجھا کہ اب رکابی گر کر پاش پاش ہو جاوے گی مگر وہ سیدھی ان ہی کی طرف آئی اور انہوں نے اسکو ایک انگوٹھے اور دو انگلیوں پر روک لیا۔ اسکے بعد اسکو پھر پھینکا اور وہی رزقکم فی السماء فرمایا اور پھر انگلیوں پر روک لیا۔ غرض وہ بہت دیر تک یہی کھیلتے رہے۔ بہت دیر کے بعد مجھے انہوں نے رکابی دی۔ میں تو رکابی لیکر چلا آیا اور وہ پھر پانی میں گھس گئے۔ میں حسبِ معمول انکی خدمت میں برابر حاضر ہوتا رہا۔ ایکمرتبہ میں نے پھر کہا کہ کچھ فرمائش کیجیے۔ انہوں نے فرمایا اچھا ابکی سفریاں (امرود) لاؤ۔ میں ڈیڑھ دو سیر نہایت عمدہ سفریاں لیگیا۔ اتفاق سے اُس روز بھی اکیلے تھے۔ میں نے وہ سفریاں پیش کیں۔ آپنے ان کو لیکر سامنے رکھ کر کھانا شروع کیا۔ ایک سفری جو کسی قدر گدری تھی، جب وہ ہِر پھر کر ان کیطرف آتی تو اسکو نہ کھاتے اور ہٹا دیتے اور کہتے کہ میرے پاس

نہ آئے گی مولوی کے پاس جاویگی۔ غرض وہ تمام سفریاں کھالیں اور اس سفری کو آخر تک نہ کھایا اور یہی کہتے رہے مولوی کے پاس جاویگی مولوی کے پاس جاویگی۔ میرے پاس نہیں آئے گی۔ جب تمام سفریاں ختم ہوچکیں تو انہوں نے وہ سفری مجھے دی اور کہا یہ تو کھالینا۔ میں نے جو اُسے اٹھایا تو نہایت تیز گرم تھی۔ میں نے اُٹھاکر رومال میں رکھ لی اور گھر لے آیا۔ گھر میں آکر میں ایک عجیب خلجان میں مبتلا ہوگیا۔ کبھی تو جی چاہتا کہ کھالوں۔ اور کبھی یہ خیال کرتا تھا کہ اگر تو نے کھالیا تو پھر تو بھی ان کیطرح دیوانہ ہوجائیگا اور جو کچھ علمِ دین کے متعلق نفع کسی کو تجھ سے پہنچ جاتا ہے وہ بھی منقطع ہوجاویگا اور جورو بچے بھی چھوٹ جاوینگے۔ غرض بہت دیر تک اسی اُلجھن میں رہا کہ کھاؤں یا نہ کھاؤں۔ آخر میں نے اسے کھونٹی پر لٹکا دیا مگر وہ الجھن اب بھی نہ گئی۔ جب میں سونے کیلیے لیٹا تو اس وقت بھی وہ الجھن نہ گئی۔ کبھی کھانے کا خیال ہوتا تھا اور رومال کو کھونٹی پر سے اُتارتا تھا۔ اور کبھی پھر خیال ہوتا کہ اسکا نہ کھانا ہی مناسب ہے۔ اور یہ خیال کر کے پھر کھونٹی پر لٹکا دیتا تھا۔ جب بہت سی دفعہ میں نے ایسا ہی کیا تو بیوی نے کہا کہ آج تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ نہ خود سوتے ہو نہ سونے دیتے ہو۔ اور یہ اس رومال میں کیا چیز ہے کہ کبھی اُتارتے ہو اور کبھی پھر رکھ دیتے ہو۔ بیوی کو تو میں نے ٹال دیا مگر مجھے کسی طرح یکسوئی نہ ہوئی۔ اور میں صبح تک اسی الجھن میں رہا اور رات بھر نہیں سویا۔

جب صبح ہوئی تو میرے ایک دوست چنداں میاں میرے پاس آئے۔ یہ بہت نیک اور ذاکر و شاغل تھے۔ میں نے اُنسے اس سفری کا تذکرہ کیا اور اپنی پوری کیفیت بیان کی۔ انہوں نے کہا کہ میاں تردد کیوں کرتے ہو کھا بھی لو۔ لیکن یہ دیکھ لو کہ وہ اب تک گرم ہے یا ٹھنڈی ہوگئی۔ اگر گرم ہے تو اثر ہے اگر ٹھنڈی ہوگئی تو اثر جاتا رہا ہیں

گھر میں سے سفری لایا۔ دیکھا تو اتنگ گرم تھی مگر اسقدر تیزی نہ تھی۔ میں نے کہا چندا میاں گرم تو ہے۔ انہوں نے کہا دیکھوں۔ میں نے ان کو دی۔ وہ لیتے ہی منہ میں رکھ گئے اور کھاتے ہی انگرکھا پاجامہ اُتار دیا اور ننگے ہو کر چلدئے۔ میں نے جب چندا میاں کی یہ حالت دیکھی تو میں پھر بڈھیر شاہ کے پاس گیا اور اُنسے سفری کا قصہ بیان کیا اور عرض کیا کہ حضرت مجھے تو کوئی ایسی چیز عنایت فرمائیے جس سے میری یہ حالت بھی قائم رہے۔ اسپر انہوں نے فرمایا کہ میں اتنا ہنہیں ہوں[1]۔ یہ قصہ بیان کر کے خانصاحب نے فرمایا کہ میں نے چندا میاں کو دیکھا ہے۔ یہ قوم سے پٹھان تھے اور گھر سے بہت خوشحال تھے۔ ان کے باپ بھائی ریاست کے معزز عہدوں پر تھے اور اپنے گھر میں سب میں خوبصورت تھے۔ اُن کے پاؤں زنجیر پڑی رہتی تھی اور یہ ایک تخت پر بیٹھے رہتے تھے۔ اس تخت پر ایک مصلٰی پڑا رہتا تھا۔ یہ کبھی نماز پڑھتے تھے اور کبھی ذکر کرتے تھے اور کبھی ویسے ہی بیٹھے رہتے۔ اور جب نماز پڑھتے تو نہ اوقات کا لحاظ ہوتا نہ رکعات کا لحاظ بلکہ جب چاہا نماز شروع کر دی اور جبتک جی چاہتا پڑھتے رہتے۔ سنا گیا ہے کہ یہ لوگوں کو مارتے بھی تھے۔ نیز ان کی یہ حالت تھی کہ جب کسی کو دیکھتے تو ہنس کر ہاتھ سے منہ چھپا لیتے تھے۔

ایک اور مجذوب کی حکایت

حکایت (۱۴۴) خانصاحب نے فرمایا کہ رامپور میں ایک اور مجذوب رہتے تھے جو اپنے آپ کو رب العالمین کہتے تھے۔ یہ جس مکان میں رہتے تھے اسمیں ایک نہایت عمدہ چارپائی پڑی تھی جس پر ایک نہایت عمدہ بستر لگا رہتا تھا اور یہ مجذوب

---

[1] علت اسکی نقص ہے مجاذیب کا۔ اسی لیے اہلِ تحقیق ان کیطرف توجہ کو منع کرتے ہیں کہ اول تو ان سے دین کا ذوق کم ہوتا ہے اور کچھ ہوتا ہے تو ناقص۔ چنانچہ اس قصہ میں کیفیت تو حاصل ہو گئی اور اعمال برباد ہو گئے جسپر گو مواخذہ نہ ہو مگر حرمان ثواب سے تو ہوا۔ (اشرف علی) (منقول از امیر الروایات)

نہایت شان و شوکت کے ساتھ اس چارپائی پر بیٹھے رہتے تھے اور چارپائی کے سرہانے ایک چوکی لگی ہوئی تھی جس پر ایک جائے نماز پڑی ہوئی تھی اور چارپائی کے سامنے بوریے بچھے رہتے تھے اور مکان میں ہر چیز نہایت قرینے سے رکھی رہتی تھی۔ مکان بھی نہایت عمدہ تھا اور اسمیں صفائی کا بھی پورا اہتمام تھا۔ حتیٰ کہ مکان میں تنکا تک نہ ہوتا۔ یہ مجذوب لباس بھی نہایت عمدہ اور امیرانہ پہنتے تھے اور نہایت خوش بیان تھے تقریر اسقدر تیز تھی کہ کیا مجال زبان میں لکنت آئے یا کہیں اٹکیں۔ مگر وہ تقریر نہایت غیر مربوط اور بے معنی ہوتی تھی۔ اثنائے تقریر میں کبھی کبھی فوں فوں شوں شوں بھی کرنے لگتے تھے۔ اُن کے پاس ایک خادم رہتا تھا اور ہر وقت مکان بند رہتا تھا۔ جب کوئی آتا تو دروازہ پر تین مرتبہ دستک دیتا۔ اگر دروازہ نہ کھلتا تو واپس ہوجاتا۔ اور اگر ان مجذوب کو بلانا مقصود ہوتا تو خادم آکر دروازہ کھولتا اور وہ شخص دروازہ میں داخل ہوتا۔ خادم دروازہ پر اُس سے جوتے اُتروا دیتا اور جوتے ایک طرف کو موقع سے رکھدیتا تھا۔ یہ شخص انکی خدمت میں جاکر سلام کرتا اور عرض معروض کرتا۔ ان مجذوب کا قاعدہ تھا کہ وہ اکثر دائیں بائیں اور اوپر منہ کر کے شوں شوں فوں فوں کرتے تھے۔ ان کی نسبت یہ بھی مشہور تھا کہ ایکمرتبہ انہوں نے خودکشی کرنے کیلئے اپنے پیٹ میں چھرا بھونک لیا جس سے آنتیں باہر آگئیں۔ ان کی بہن رونے لگیں۔ بہن کو روتے دیکھ کر انہوں نے آنتیں اندر کرلیں اور زخم اچھا ہوگیا۔ میں اپنے پھوپھا کے ہمراہ ان کے یہاں جایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ میرے پھوپھا اور میں اُن کے یہاں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ان کو جوش ہوا اور انہوں نے حسب عادت فوں فوں اور شوں شوں شروع کی اور کہا کہ فلاں مرتبہ رب العالمین نے رب العالمین سے ملنا چاہا تو فلاں مانع ہوا۔ اور فلاں مرتبہ رب العالمین

نے رب العالمین سے ملنا چاہا تو فلاں مانع ہوا اور فلاں مرتبہ فلاں اور فلاں مرتبہ فلاں۔ اور انہوں نے اپنا پیٹ کھول کر دکھایا تو سینہ سے ناف تک ایک لکیر معلوم ہوتی تھی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے کبھی اپنا پیٹ چاک کیا ہے اور یہ بھی کہا کہ آج پھر صبح سے رب العالمین کو رب العالمین سے ملنے کا شوق ہو رہا ہے۔ دیکھو کوئی مانع نہ ہو اور یہ کہہ کر انہوں نے اپنے بستر کے نیچے سے ایک تراہ کا چھرا نکالا اور گردن پر رکھ کر چلانا چاہتے تھے کہ میرے پھوپھا نے جلدی سے ان کا ہاتھ پکڑ کر انکے ہاتھ سے چھرا لے لیا۔ وہ بہت دیر تک فوں فوں شوں شوں کرتے رہے۔ جب جوش فرو ہوا تو انہوں نے میرے پھوپھا سے کہا کہ اب مجھے چھرا دیدو اب مجھپر وہ کیفیت طاری نہیں ہے۔ میرے پھوپھا نے چھرا دیدیا۔ اسکے بعد انہوں نے میرے پھوپھا سے فرمایا کہ اسکا تذکرہ نہ کرنا اور مجھ سے بھی کہا کہ میاں لڑکے دیکھو تم بھی کہیں نہ کہدینا۔ اس روز سے مجھ پر کچھ ایسا خوف طاری ہوا کہ میں پھر انکے یہاں نہیں گیا۔ یہ قصہ نواب یوسف علیخاں کے زمانہ کا ہے۔ اس کے بعد ہم تو رامپور سے چلے آئے۔ ہمارے چلے آنے کے بعد جب نواب کلب علی خاں مسندِ ریاست پر متمکن ہوئے تو انکے زمانہ میں یہ قصہ پیش آیا کہ ایکمرتبہ ان مجذوب نے اپنے خادم سے کہا کہ رب العالمین کو رب العالمین سے ملنے کا آج پھر شوق غالب ہوا ہے اور وہ اپنی گردن کاٹنا چاہتا ہے۔ اگر سر تن سے جدا نہ ہو تو تو الگ کر دینا۔ یہ کہہ کر سجدہ میں گئے اور سجدہ میں جا کر انہوں نے اپنی گردن کاٹ لی۔ سر تو تن سے جدا ہو گیا۔ یہ نہیں معلوم ہوا کہ خود انہی نے جدا کر دیا تھا یا حسبِ وصیت خادم نے جدا کیا اور ان کا حلقوم زمین پر آ ٹکا اور وہ اسی طرح سجدہ کی ہیئت پر قائم رہے اور سوائے خون کے نہ پاخانہ نکلا نہ پیشاب نہ اور کسی قسم کی رطوبت۔ اور خادم پاس بیٹھا ہوا برابر مورچھل جھلتا رہا۔

لوگ آتے تھے اور دستک دیکر چلے جاتے تھے۔ بھنگن بھی دو وقت کمانے آتی تھی مگر دستک اور آواز دیکر چلی جاتی تھی۔ اسی طرح تین دن گذر گئے۔ آخر کار بھنگن نے انکے پڑوس میں اسکا تذکرہ کیا کہ میاں تو کہیں جاتے نہ تھے خدا جانے کہاں چلے گئے۔ میں تین دن سے دو وقت کمانے جاتی ہوں مگر دروازہ نہیں کھلتا۔ پڑوس کی عورتوں کو کچھ شبہ ہوا اور انہوں نے اپنے کوٹھوں سے یا کسی اور طریق سے ان کے مکان میں جھانکا۔ دیکھا تو وہ شہید ہیں اور خادم بیٹھا ہوا ہے۔ انہوں نے اپنے مردوں سے ذکر کیا۔ مردوں نے کوتوالی میں اطلاع کی۔ پولیس آئی دروازہ کھولا گیا دیکھا واقعہ صحیح تھا۔ اب ان کی تجہیز و تکفین ہوئی مگر نماز کے متعلق علماء میں اختلاف ہوا۔ مفتی سعد اللہ صاحب اور انکی جماعت کہتی تھی کہ انہوں نے خودکشی کی ہے اسلیے انکی نماز نہ پڑھنی چاہیئے۔ اور مولوی ارشاد حسین صاحب اور رامپور کے قاضی جو بدایون کے رہنے والے تھے وہ کہتے تھے کہ یہ مغلوب[1] اور غیر مکلف تھے ان کی نماز پڑھنی چاہیئے۔ چنانچہ مولوی ارشاد حسین صاحب اور قاضی صاحب کے فتوٰی پر عمل کیا گیا اور نہایت شان و شوکت کیساتھ ان کی نماز ہوئی اور ان کو دفن کیا گیا۔ ان مجذوب کے انتقال کے بعد اب وہ خادم اپنے کو رب العالمین کہنے لگا۔ مگر علماء کی رائے سے نواب صاحب نے اسکو رامپور سے نکالدیا اور اسکے بعد اس کا پتہ نہیں چلا کہ وہ کہاں گیا اور کیا ہوا۔

ایک پنجابی مجذوب صاحب کی حکایت

اضافہ از احقر ظہور الحسن غفرلہ ولوالدیہ

حکایت (۴۲۶) ایک روز ارشاد فرمایا قصبہ لوہاری میں جس جگہ حضرت میانجیو

---

[1] ایسے مغلوب ناقص ہوتے ہیں اور اولیاء منہمکین کہلاتے ہیں گو استہلاک ظاہری نہ ہو ۱۲ (اشرف علی)

نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف رکھتے تھے وہاں ایک مجذوب پنجابی رہتے تھے۔ اور اتفاقاً اس جگہ حضرت حاجی عبدالرحیم صاحب ولایتی شہید رحمۃ اللہ علیہ تشریف رکھتے تھے۔ وہ مجذوب اکثر حاجی صاحب شہیدؒ کے خدام سے یوں کہا کرتے تھے کہ "او تمہارا حاجی بڑا بزرگ ہے۔" حضرت حاجی صاحب شہیدؒ جب بغرض زیارت حرمین شریفین عرب کو گئے تو ایکدن جہاز میں حضرت کے ہاتھ سے لوٹا چھوٹ کر سمندر میں گر گیا۔ ذرا سی دیر گذری تھی کہ ایک ہاتھ سمندر میں سے لوٹا تھامے ہوئے نکلا اور لوٹا حضرت حاجی صاحب کے ہاتھ میں پکڑا کر غائب ہو گیا۔ ادھر لوہاری میں ان مجذوب صاحب نے حضرت کے خدام سے فرمایا کہ "تمہارے حاجی کے ہاتھ میں سے لوٹا چھوٹ کر سمندر میں گر گیا تھا۔ میں نے ان کو لوٹا پکڑا دیا" حضرت کے خدام نے سمجھا کہ بڑ ہانک رہے ہیں۔ جب حضرت حاجی صاحب حج سے فارغ ہو کر واپس ہوئے اور لوہاری میں تشریف لائے تو کسی کو مجذوب کی یہ بات یاد آگئی انہوں نے حضرت سے عرض کیا۔ آپنے فرمایا سچ ہے بیشک یہ واقعہ جہاز میں پیش آیا مگر اسوقت وہ ہاتھ میری شناخت میں نہیں آیا کہ کس کا ہے۔ (منقول از تذکرۃ الرشید)

حافظ عبدالقادر صاحب مجذوب کی حکایت

حکایت (۴۳۱) ایک دن فرمایا کہ جس زمانہ میں علم حاصل کرنے کی غرض سے میں دہلی رہتا تھا دار البقا میں ایک مجذوب حافظ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف رکھتے تھے۔ ایک دن وہ راستہ میں جا رہے تھے اور میں چند قدم پیچھے پیچھے تھا۔ دفعۃً مڑ کر میری طرف دیکھا اور فرمایا کون ہے قدرت اللہ ہے میں نے عرض کیا کہ حضرت رشید احمد ہے۔ اسکے بعد چند قدم اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹے اور کہا ہٹو وہ، ہٹو وہ، ہٹو وہ۔ اور سینہ

کیطرف ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا "یہ میرے گولی لگی یہ میرے گولی لگی"۔ یہ چند الفاظ فرما کر بھاگ گئے۔ اس قصہ سے مہینے سوا مہینے بعد ہی غدر کا اثر شروع ہوا اور یہ حضرت گولی سے شہید ہوئے۔ سینہ ہی میں گولی لگی۔ نیز فرمایا ایکدن مولوی محمد قاسم صاحب بخاری شریف لئے جا رہے تھے کہ یہی مجذوب حافظ صاحب راستہ میں مل گئے اور بخاری شریف مولوی صاحب کے ہاتھ میں سے چھین لیکر چلدئے۔ مولوی صاحب ڈرتے ہوئے پیچھے پیچھے ہو لئے کہ کہیں بخاری شریف ڈال نہ دیں۔ راہ میں ایک بھڑبونجہ کی دوکان تھی اس کی بھٹی پر بیٹھ گئے اور بخاری شریف کی اوراق گردانی شروع کر دی اور زبان سے لگے مِن مِن مِن مِن کرنے۔ تھوڑی دیر تک ورقوں کو اُلٹ پلٹ کرتے رہے۔ اسکے بعد کتاب مولوی صاحب کو دیدی۔ (منقول از تذکرۃ الرشید)

میر محبوب علی صاحب مرحوم کی حکایت

حکایت (۴۴۴) خانصاحب نے فرمایا کہ غدر میں بہت علماء مخالف تھے اور کہتے تھے کہ یہ جہاد نہیں ہے۔ انہی میں میر محبوب علی صاحب بھی تھے اور آپ وعظ و نصیحت کے ذریعے سے لوگوں کو غدر سے روکتے تھے۔ جب غدر فرو ہوا تو انگریزوں کیطرف سے ان کو گیارہ گاؤں مسلم انعام میں دیئے گئے تھے اور ایک بڑا انگریز گاؤں کی معافی کا پروانہ لیکر خود مولوی صاحب کیخدمت میں پہنچا اور کہا کہ گورنمنٹ نے آپکی وفاداری کے صلہ میں آپکو گیارہ گاؤں عطا کئے ہیں اور یہ پروانہ معافی ہے۔ مولوی صاحب یہ سُنکر نہایت برہم ہوئے اور پروانہ لیکر اس انگریز کے سامنے پھاڑ ڈالا اور فرمایا کہ میں نے کیا تمہارے لیے کیا تھا میرے

لے مگر اس کے قبل تو کم فہموں کو ضرور ہی ایسی بدگمانی ہوگی جس کا غلط ہونا ثابت ہوا۔ اس سے سبق حاصل ہوا کہ محض قرائن تخمینیہ سے کسی پر کوئی حکم نہ لگا دینا چاہیئے جیسا اس زمانہ میں بھی اس کے نظائر میں ایسے ہی بدگمانی کا زور ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرماوے ۵ (اشرف علی) (منقول از امیر الروایات)

نزدیک مسئلہ یونہی تھا اس لیے میں لوگوں کو منع کرتا تھا۔

مولانا احمد حسن صاحب کانپوری مرحوم کی حکایت

حکایت (۴۴۵) فرمایا کہ مولوی احمد حسن کانپوری جب حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کی خدمت میں پہنچے ہیں منشی محمد جان مرحوم کہتے تھے کہ میں نے ایکروز مولوی صاحب کو دیکھا کہ حضرت کی جوتی جو کہ مجلس کے باہر رکھی تھی سر پر رکھ کر زار وزار رو رہے ہیں۔ (منقول از اشرف التنبیہ)

مومن خانصاحب مرحوم "مشہور شاعر" کی حکایت

حکایت (۴۴۶) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی سراج احمد صاحب خورجوی فرماتے تھے کہ مومن خاں اور مولوی فضل حق صاحب شطرنج کھیلا کرتے تھے اور مومنخاں کھیل میں غالب رہتے تھے۔ ایکمرتبہ مرزا غالب نے مولوی فضل حق صاحب سے کہا کہ آپ اسقدر تیز طبع اور ذہین ہیں پھر کیا بات ہے کہ مومن خاں سے مات کھا جاتے ہیں۔ مولوی فضل حق صاحب نے فرمایا کہ مومن خاں بھیڑیا ہے اسے اپنی قوت کی خبر نہیں ہے۔ وہ عشق عاشقی کے قصوں میں پھنس گیا۔ اگر علمی مشغلہ میں پڑتا تو اسوقت اس کے ذہن کی حقیقت معلوم ہوتی۔ فی الحقیقت نہایت ذہین آدمی ہے۔[۱]

مولوی احمد حسن صاحب مرحوم مرادآبادی کی حکایت

حکایت (۴۴۷) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی نور محمد صاحب مرادآبادی فرماتے

---

[۱] کیسے منصف مزاج تھے۔ آج مشائخ میں وہ آواضع وصدق نہیں جو اسوقت کے دنیادار کہلانے والوں میں تھا۔ (اشرف علی)

تھے کہ جب مولوی احمد حسن صاحب کا انتقال ہونے لگا تو اسوقت میں بھی موجود تھا اور کمر وغیرہ دبا رہا تھا انہوں نے فرمایا کہ تم لوگ گواہ رہنا کہ میں تمام بدعات سے جن میں میں مصروف تھا توبہ کرتا ہوں اور عقائد میرے پہلے بھی بُرے[1] نہ تھے۔ ہاں افعالِ نفس کی شرارت سے ضرور خراب تھے۔ سو میں انسے بھی توبہ کرتا ہوں۔

مولوی عبدالحق صاحب کانپوری مرحوم کی حکایت

حکایت (۴۴۸) فرمایا کہ مولوی عبدالحق صاحب کانپوری نسباً سید تھے۔ رسوم کو بُرا سمجھتے تھے۔ نفیس کھانے پینے نفیس پہننے کے شائق تھے۔ ایکدفعہ اپنے باورچی خانہ میں گئے تو وہاں بی بی کی صحنک ہو رہی تھی۔ عورتوں نے کہا یہاں مت آنا یہاں بی بی کی صحنک ہو رہی ہے۔ فرمایا کہ آہا بی بی ہیں کون، ہماری دادی ہی تو ہیں۔ وہ ہوتیں تو ہم کو ہی کھلاتیں۔ اور یہ کہہ کر آپ سب کا صفایا کر گئے اور عورتیں چیختی رہ گئیں۔ (منقول از اشرف التنبیہ)

ایک متشدد واعظ صاحب مرحوم کی حکایت

حکایت (۴۴۹) فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایک واعظِ دہلی کی نسبت فرماتے تھے کہ متشدد تھے۔ اسقدر تشدد سے اصلاح نہیں ہوتی۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جب حج کو تشریف لے گئے تو حضرت نے ایک طبیب رئیس کی دعوت قبول کر لی تو اسپر واعظ مذکور کا اعتراض تھا کہ فاسقوں کی دعوت قبول کر لی۔ حالانکہ سب سے زیادہ حضرت مولانا کے معتقد تھے۔

حکایت (۴۵۰) فرمایا کہ ایکمرتبہ میں دیوبند گیا تھا چونکہ بہلی کے ذریعہ سفر کیا تھا

---

[1] یہی ہے وہ مضمون جس کا حوالہ حکایت (۱۲۰) کے حاشیہ میں دیا گیا ہے۔ (اشرف علی)

اسوجہ سے گرد وغبار سے کپڑے میلے ہوگئے تھے۔ اسی حالت میں حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مکان پر حاضر ہوا وہاں مولانا مسعود احمد صاحب بھی تھے اور انکے پاس وہ واعظ بھی موجود تھے ان کو میں نے بالکل نہیں پہچانا۔ توانہوں نے عربی جملہ میں اِنّیِ کُنتُ مشتاقاً الیک پھر میں نے مولانا مسعود احمد صاحب سے دریافت کیا توانہوں نے بتلایا کہ یہ فلاں صاحب ہیں۔ میں نے اُردو میں جواب دیا۔ اتفاق سے وہ حضرت مولینا احمد حسن صاحب امروہی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ملے جو لباس ذرا اچھا پہنتے تھے۔ ان صاحب نے موازنہ شروع کیا کہ ان کا (یعنی حضرت مرشدی مولانا تھانوی مدظلہم العالی) کا لباس طالب علمانہ ہے اور وہ یعنی مولانا احمد حسن صاحب امروہی رحمۃ اللہ علیہ جاکٹ پہنتے تھے۔

حکایت (۴۵۱) فرمایا کہ ایک خوش عقیدہ مگر سخت واعظ دہلوی نے حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ پر بھی اعتراض کیا تھا کہ یہ بدعتیوں کی عیادت کے لئے جاتے ہیں۔ قصہ یہ تھا کہ حضرت مولانا دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کاندھلوی کی جو نظام الدین کے قریب ایک مسجد میں رہتے تھے، عیادت کیلئے تشریف لیگئے تھے۔ وہ کوئی بدعتی نہ تھے البتہ بعض مجاورین انکے پاس آبیٹھتے تھے۔ ان مجاورونکی مولویصاحب کی صحبت سے کچھ اصلاح بھی ہوگئی تھی۔ صرف اختلاط کی وجہ سے ان واعظ صاحب نے انکو بدعتی کہدیا۔ ہمارے مولانا دیوبندیؒ بہت رحمدل تھے اسوجہ سے بعض لوگ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کو ترجیح دیتے تھے کہ یہ سنت پر زیادہ عامل ہیں۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آنکی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا بئس اخو العشیرۃ جب وہ آیا تو آپؐ نے اس سے کلام کرنا شروع کیا۔ اسپر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ نے تو

فرمایا تھا بئس اخو العشیرۃ۔ تو آپنے فرمایا وہ شخص ہے جس کی بدمزاجی کے سبب لوگ اسکو چھوڑ دیں۔ میں نے ایسا ہونا نہیں چاہا۔

مولوی تجمل حسین صاحب مرحوم بہاری کی حکایت

حکایت (۴۵۰) فرمایا کہ مولوی تجمل حسین صاحب بہار کے ایک شخص تھے مثنوی اچھی پڑھتے تھے۔ کانپور میں میری بھی اُنسے ملاقات ہوئی ہے۔ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بڑا تعلق رکھتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں حضرت حاجی صاحبؒ کا قوال ہوں۔ مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادیؒ کے مُرید تھے۔ حج کے لیے مکہ معظمہ گئے۔ چونکہ صبح کے وقت شافعی مصلّٰی پر ذرا لطف ہوتا ہے اکثر لوگ صبح کی نماز اسی مصلّٰی پر پڑھتے ہیں۔ وقت بھی اچھا قراٰۃ بھی طویل۔ اسوقت ایک قسم کا لطف ہوتا ہے اور جسوقت شافعیہ قنوت پڑھتے ہیں حنفیہ چُپ کھڑے رہتے ہیں۔ اسوقت انپر ایک حالت طاری ہوئی۔ شافعیہ تو قنوت پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے پند نامہ کی مناجات پڑھنا شروع کی ؎

پادشاہا جرم ما را در گذار ٭ ما گنہگاریم تو آمرزگار

نہایت ذوق و شوق اور درد کے ساتھ اسکو پڑھتے رہے۔ نماز کے بعد لوگوں میں اسکا چرچا ہوا۔ عربیوں میں تو اسکا چرچا کم ہوا لیکن ہندیوں میں اسکا چرچا زیادہ ہوا۔ حضرت حاجی صاحب سے بھی اس کی شِکایت ہوئی۔ مگر حضرت چونکہ عارف تھے، صاحبِ حال پر ملامت نہیں کرتے تھے کیونکہ حضراتِ عارفین کو لغزش کا منشاء معلوم ہوتا ہے۔ اسلئے حضرت سنتے رہے اور ہنستے رہے کیونکہ نماز تو فاسد ہوئی نہ تھی چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ نماز کے اندر دعا اگر غیر عربی میں ہو تو حرام ہے مگر مفسدِ صلوٰۃ نہیں۔

اور حرمت اسلئے نہ تھی کہ مغلوب الحال تھے، معذور تھے۔ اسلئے حضرت تبسم فرماتے رہے۔ باقی زبان سے اس تفصیل کا اسلئے اظہار نہ فرمایا کہ فتنہ ہوگا۔ اس موقعہ پر حضرت کی جامعیت پر یہ کہنے کو جی چاہتا ہے ع

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری۔ (جامع)

(منقول از اشرف التنبیہ)

مولوی محمد صاحب مرحوم وکیل الہ آباد کی حکایت

حکایت (۴۵۱) فرمایا کہ مولوی محمد صاحب وکیل الہ آباد کا قصہ میرے ایک دوست جو ایک مقدمہ کی پیروی میں الہ آباد گئے تھے اور مولوی صاحب کو وکیل مقرر کیا تھا بیان کرتے تھے کہ میں ایک دفعہ ان کے یہاں مہمان تھا میں نے ایک روز دیکھا کہ اُن کے چھوٹے چھوٹے بچے ہنستے کھیلتے یہ کہتے پھرتے ہیں کہ آہا جی ہمارے یہاں آج شیخ جی آئے۔ اور اُس روز کھانے میں بہت دیر ہوگئی۔ انہوں نے سمجھا کہ شیخ جی کوئی بڑے آدمی معلوم ہوتے ہیں اُن کیلئے اچھے اچھے کھانے پک رہے ہیں۔ اسی وجہ سے کھانا آنے میں دیر ہوئی۔ جب بہت دیر ہوگئی اور کھانے کا وقت گذر گیا تو میں نے کسی سے پوچھا کہ بھائی یہ شیخ جی کون ہیں اور وہ ابتک دکھلائی بھی نہیں دئے۔ تو لوگوں نے کہا کہ آج ان کے یہاں فاقہ ہے بچے اسی کو شیخ جی کے لقب سے یاد کر کے خوش ہو رہے ہیں۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ بزرگوں کی اولاد میں بھی اثر ہوتا ہے گو وہ خود بزرگ نہ ہوں۔ یہ وکیل صاحب بزرگ زادے تھے۔

(منقول از اشرف التنبیہ)

مولوی محمد منیر صاحب نانوتوی مرحوم کی حکایت

حکایت (۴۵۲) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی محمد منیر صاحب مدرسہ دیوبند کے مہتمم تھے۔ ایک مرتبہ وہ مدرسہ کے ڈھائی سو روپیہ لیکر مدرسہ کی سالانہ کیفیت چھپوانے کے لئے دہلی آئے۔ اتفاق سے روپے چوری ہو گئے۔ مولوی صاحب نے اس چوری کی کسی کو اطلاع نہیں کی۔ اور مکان آکر اپنی کوئی زمین وغیرہ بیع کی اور ڈھائی سو روپیہ لیکر دہلی پہنچے اور کیفیت چھپوا کر لے آئے۔ کچھ دنوں کے بعد اسکی اطلاع اہل مدرسہ کو ہوئی انہوں نے مولانا گنگوہی کو واقعہ لکھا اور حکم شرعی دریافت کیا وہاں سے جواب آیا کہ مولوی صاحب امین تھے اور روپیہ بلا تعدی کے ضائع ہوا ہے اسلئے ان پر ضمان نہیں۔ اہل مدرسہ نے مولوی محمد منیر صاحب سے درخواست کی کہ آپ روپیہ لے لیجئے۔ اور مولانا کا فتویٰ دکھلا دیا۔ مولوی صاحب نے فتویٰ دیکھ کر فرمایا کہ کیا میاں رشید احمد نے فقہ میرے ہی لئے پڑھی تھی اور کیا یہ مسائل میرے ہی لیے ہیں۔ ذرا اپنی چھاتی پر ہاتھ رکھ کر تو دیکھیں، اگر ان کو ایسا واقعہ پیش آتا تو کیا وہ[1] وہ بھی روپیہ لے لیتے۔ جاؤ لیجاؤ اس فتوے کو میں ہرگز روپیہ نہ لونگا۔

ایک نورباف بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت

اضافہ از احقر ظہور الحسن غفر لہ ولوالدیہ

حکایت (۴۵۳) ایک دن ارشاد فرمایا ایک بزرگ تھے جُلاہے۔ ایک روز عصر کی نماز میں ان کو دیر ہو گئی۔ دوڑے ہوئے کنوئیں پر وضو کے لئے پانی لینے گئے۔

---

[1] کیا انتہا ہے تقوٰی کی۔ (اشرف علی)

کنویں کے اندر لوٹا یا ڈول جو ڈالا تو پانی کی جگہ چاندی سے بھرا ہوا نکلا۔ اس بزرگ نے پھینک دیا اور جناب باری میں عرض کیا کہ مذاق نہ کرو مجھے تو نماز میں دیر ہوتی ہے دوبارہ کنویں میں ڈالا تو سونے سے بھرا ہوا نکلا۔ پھر اس کو زمین پر دے ٹپکا اور عرض کیا کہ مذاق نہ کرو مجھے تو نماز میں تاخیر ہوئی جاتی ہے۔ اسوقت الہام ہوا کہ میں نے یہ معاملہ اسلیئے کیا کہ لوگ تجھ کو حقیر نہ جانیں۔

جناب مولانا مولوی میاں اصغر حسین صاحب محدّث مدرس مدرسہ دارالعلوم دیوبند کی حکایات

حکایت (۴۵۴) فرمایا کہ جسوقت دیوبند کے مدرسہ میں شورش ہوئی ہے تو اس زمانہ میں مولوی اصغر حسین صاحب نے ایک خواب دیکھا تھا کہ ایک بزرگ موٹر میں سوار آرہے ہیں۔ اور انہوں نے میرے پاس آکر موٹر ٹھہرایا۔ اور وہ بزرگ مشابہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا، کہ اُنسے (یعنی مولانا حبیب الرحمٰن سے) مہتمم دارالعلوم دیوبند سے) کہدینا کہ گھبرائیں نہیں سب خیریت رہے گی۔ (منقول از اشرف التنبیہ)

حضرت میاں صاحب
مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ کی زندگی کے کچھ نقوش

اضافہ از مولانا محمد زکی کیفی مرحوم ابن مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ

؎ جمگھٹ وہ گُل رخوں کے الٰہی کدھر گئے؟ کیا ہو گیا گلاب کا تختہ کھلا ہوا؟

تقریباً تیس بتیس سال پہلے کی بات ہے۔ گرمیوں کی ایک صبح کو لڑکپن کی مست نیند سے بیدار ہوا تو گھر بھر مغموم اور گریاں پایا۔ معلوم ہوا کہ شاہ صاحب کا انتقال ہو گیا، خبر سنتے ہی دل بیٹھ گیا۔ اسوجہ سے نہیں کہ مجھے شاہ صاحب سے عقیدت تھی بلکہ صرف اس تصور سے کہ ہمیں جو مٹھائی ہر دفعہ اُنکے پاس جانیسے ملا کرتی تھی وہ بند ہو جائے گی۔

یہ تو بعد میں معلوم ہوا کہ اسوقت شاہ صاحب (مولانا انور شاہ کشمیریؒ) کا انتقال ہوا تھا، میاں صاحب مولانا اصغر حسین کا نہیں۔

شاہ اور میاں کے فرق کو سمجھنے کا اسوقت شعور ہی کہاں تھا۔ بہر حال میانصاحب مولانا اصغر حسین کی شفقت و محبت کا میرے ذہن پر یہ پہلا نقش تھا۔

اسکے بعد میاں صاحب کی زیارت سفر و حضر میں بارہا ہوتی رہی اور ہر بار ایک گہرا نقش چھوڑتی رہی۔ اسپر میں جسقدر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر کروں وہ کم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان گنہگار آنکھوں کو بھی اپنے ان مخلصین کی زیارت کا شرف بخشا جو دور اول کے علم و عمل اور اخلاص و محبت کا چلتا پھرتا نمونہ تھے۔ اگرچہ اپنی بد اعمالیوں اور لغزشوں کے تصور سے بھی کانپ اٹھتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ کیسے کیسے رحمتوں کے بادل برسے لیکن میں اپنی بدنصیبی اور شامتِ اعمال کیوجہ سے اپنے لب بھی تر نہ کر سکا اگر اسی بات پر پکڑ ہو گئی تو خدا کو کیا جواب دے سکوں گا۔

میاں صاحب حضرت مولانا اصغر حسینؒ کے متعلق خود میاں صاحب کے بزرگوں اور اساتذہ کو ان کا احترام کرتے دیکھا اور فرماتے سنا کہ یہ تو مادر زاد ولی ہیں۔ اساتذہ بھی نام لینے کی بجائے میاں صاحب ہی کہتے تھے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہٗ جو اسوقت دار العلوم کے سید الطائفہ تھے وہ بھی ان کو ہمارے سید

صاحب کہہ کر خطاب فرماتے۔

میاں صاحب کے علم وعمل اور اصلاح وتقویٰ کو تو اہل علم صاحب باطن اور صاحب بصیرت حضرات ہی جانتے ہوں گے۔ اس تباہ حال وگنہگار نے اس مجسمۂ شفقت واخلاص کو جن حالتوں میں دیکھا جو الفاظ زبانِ فیض ترجمان سے سُنے جو نصائح و عبر ان کی صحبت سے حاصل ہوتے رہے ان کے جس رُخ پر بھی جتنا زائد سے زائد لکھا جائے کم ہے اور اسکی ضرورت بھی بہت ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ کام کسی عالم اہل دل کے کرنیکا ہے۔ میں نہ تحریر پر قدرت رکھتا ہوں نہ ان علوم ومعارف سے آشنا، جنکے میانصاحب شناور تھے۔

تفصیلی حالاتِ زندگی لکھنے کی نہ مجھ میں صلاحیت ہے اور نہ اسکا یہ موقعہ ہے۔ اس وقت صرف وہ چند واقعات جو اسوقت ذہن میں آگئے، پیش کر رہا ہوں۔ ممکن ہے میری اس بے سروپا تحریر کو دیکھ کر ہی کسی صاحب کے دل میں اس عظیم شخصیت پر جامع مضمون لکھنے کا داعیہ پیدا ہو جائے۔

حکایت (۴۵۵) میری عمر پندرہ سولہ سال کی ہوگی۔ ایک روز میاں صاحب کی خدمت میں حاضری کا داعیہ پیدا ہوا۔ صبح کے دس بجے ہونگے کہ میں اس آستانۂ ہدایت پر پہنچا۔ میاں صاحب کی زیارت سے دولتِ سرمدی حاصل کی۔ میانصاحب تو سراپا شفقت اور پیکرِ محبوبیت تھے، مختلف نصیحتیں فرماتے رہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں عربی کی ابتدائی کتب پڑھ رہا ہوں دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ علم عطا فرمائے۔

میاں صاحب معمول کے مطابق کچھ دیر تسبیح واستغفار میں مشغول رہے پھر فرمانے لگے۔ میاں علم انسان میں تکبر پیدا کر دیتا ہے اور انسان خود کو عام لوگوں سے بلند وبالا سمجھنے لگتا ہے۔ اگر علم کیساتھ تقویٰ اور خشیت نہ ہو تو جہل اس سے بدرجہا بہتر ہے۔ اہل علم کیلئے

ان جملوں میں جو درس عبرت ہے اس کی اہمیت وقیمت کا اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے نورِ بصیرت عطا فرمایا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اہل علم کے لئے علمی برتری کا احساس ہی ایسا روگ ہے جو ان کی اس فضیلت کو معصیت میں تبدیل کر دیتا ہے اور خدمتِ خلق اور افادۂ عوام کیلئے سدِ سکندری بن جاتا ہے۔

حضرت میاں صاحب کو حق تعالیٰ نے مرجعِ خلائق بنایا تھا ہر وقت آنیوالوں کا ہجوم رہتا تھا۔ ادھر طبعی مذاق خلوت پسندی کا تھا اسکے ساتھ علمی خدمات تھیں جن کیوجہ سے اکثر دروازہ بند کر کے بیٹھتے تھے۔ عصر کے بعد عام مجلس ہوتی تھی دوپہرے اوقات میں دروازہ بند رہتا تھا۔ اسوقت کوئی حاضر ہوتا تو دروازے پر دستک دیکر اجازت لینے کا معمول تھا۔ کچھ یہ بھی مقصود ہو تو بعید نہیں کہ شریعت کا یہ حکم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سنت کسی کے مکان پر جاؤ تو بلا اجازت داخل نہ ہو، عام لوگوں میں متروک ہو رہی ہے۔ اس سنت کا احیار کرنا پیشِ نظر تھا۔ لیکن مجھ پر چونکہ بیحد شفقت تھی اور میرے لڑکپن کیوجہ سے صرفِ نظر بھی فرماتے تھے، میں بغیر اطلاع ہی اندر چلا جاتا تھا۔

ایک روز حاضر ہوا تو دروازے پر چند ذی وجاہت لوگوں کو اجازت ملنے کا منتظر پایا۔ فوراً ہی دل میں فخر وغرور کا ایک جذبہ بیدار ہوا کہ ہمیں میاں صاحب نے اس قانون سے مستثنیٰ کر رکھا ہے۔ اسی فخر کے اظہار کے لئے بلا تامل اندر پہنچ گیا۔ میاں صاحب صحنِ مکان کے ایک گوشہ میں چارپائی پر تشریف فرما تھے جاکر سلام عرض کیا۔ میاں صاحب کی نظرِ حقیقت شناس نے فوراً ہی دل کا چور پکڑ لیا۔ غصے کے انداز میں ہلکی سی گوشمالی فرماتے ہوئے ارشاد ہوا کہ ارے مولوی کے لڑکے! تم بڑے بدتمیز ہو کر بغیر اجازت حاصل کئے مکان

میں گھس آئے چلو نکلو یہاں سے اور دروازہ پر جا کر بلند آواز سے کہو "زکی آیا ہے" اور حاضری کی اجازت چاہتا ہے"۔ بادلِ ناخواستہ پسپا ہو کر تعمیلِ ارشاد کی گئی اور تھوڑے سے وقفہٴ امتحان کے بعد حاضری کی اجازت مل گئی۔

اسوقت نصیحت پر ہی اکتفا کر لیا جاتا تو یہ اثر کہاں ہوتا۔ اس معمولی سے مجاہدے نے وہ کام کیا کہ شاید عرصہٴ دراز کی محنت سے بھی وہ مطلب حاصل نہ ہوتا۔ فخر و غرورِ نفس تکبر و ادعا کے امراض ایک مسیحا نفس کی ہلکی سی تدبیر سے دفعتاً غائب ہو گئے۔

وہ دن اور آج کا دن نہ کبھی پھر اس پر غرور اور تکبر ہوا اور نہ ایسی بے احتیاطی۔ اور اسی کا ثمرہ ہے کہ اب سنتِ نبوی کے مطابق اپنے گھر میں بھی آواز دے کر جانے کی توفیق ہو جاتی ہے۔

کہاں میں اور کہاں وہ نکہتِ گُل ٭ نسیمِ صبح تیری مہربانی

شام کو بعد نمازِ عصر عام مجلس ہوا کرتی تھی جس میں ہر شخص کو حاضری کی اجازت تھی۔ عموماً دارالعلوم دیوبند میں زیرِ تعلیم طلباء، اور میاں صاحب کے عقیدتمند اہلِ شہر اتنی کثیر تعداد میں جمع ہو جاتے کہ میاں صاحب کے مکان کا خاصا بڑا صحن بھر جایا کرتا تھا۔

حکایت ۵۶۶ ایک روز میں بھی حاضر ہوا۔ مجمع زیادہ تھا میں بھی ایک گوشہ میں جا کر بیٹھ گیا اور ملفوظات سُنتا رہا۔ مغرب کی اذان پر یہ علوم و معارف کی مجلس برخاست ہوئی۔ میں بھی اٹھ کر چلا قریب پہنچنے پر سلام عرض کیا۔ دیکھ کر پہچان لیا اور روک کر اشارہ فرمایا کہ جب کسی مجلس میں پہنچو تو صاحبِ خانہ کے علم میں تمہاری موجودگی ہونی چاہیئے خاموشی سے بغیر اطلاع دیئے بیٹھ جانا درست نہیں۔ بعض اوقات اس سے بہت غلط فہمیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ ممکن ہے میں کوئی بات تم سے مخفی رکھنا چاہتا ہوں اور تمہاری موجودگی کا علم نہ ہونے کی بنا پر وہ بات

کہدوں تو ؟

یہ تو ارشاد فرمایا اور ایک سبب اسکا یہ بھی تھا کہ حضرت میاں صاحب کی عادت تھی کہ کتنا ہی بڑا مجمع ہو جائے ہر ایک سے کچھ خصوصی خطاب فرما کر اسکی دلجوئی کیا کرتے تھے۔ یہ پسند نہ تھا کہ کوئی شخص مجلس میں آئے اور چلا جائے نہ حضرت کو اسکا علم ہو اور نہ وہ حضرت کے خصوصی خطاب سے مستفید ہو سکے۔

حکایت ۵۷۴ تعلیم کے زمانے میں طلباء کا عملی سیاست میں الجھنا میاں صاحب کو ناپسند تھا اور اس سلسلہ میں ہمیشہ طلباء کو اپنے مخصوص مشفقانہ انداز میں نصیحت فرماتے رہتے تھے۔ خصوصاً کانگریسی سیاست کو مسلمانوں کے لئے مضر جانتے تھے اور اسی وجہ سے گاندھی ٹوپی سے سخت نفرت تھی۔ بعض طالب علم وہ پہن کر آجاتے تو فرمایا کرتے تھے کہ اس شیطانی کیپ کا داخلہ میرے اس جھونپڑے میں ممنوع ہے اور کہیں تو میرا اختیار نہیں مگر یہاں کا صاحب اختیار ہوں۔ اگر یہ ٹوپی پہننا ہے تو میرے پاس نہ آئیں۔

حکایت (۵۸۴) ایک روز والد صاحب مدظلہم (حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب) اور یہ ناکارہ درِ دولت پر حاضر ہوئے۔ فرمانے لگے آم چوسو گے؟ والد صاحب نے عرض کیا آم اور پھر حضرت کے عطا فرمودہ، نورٌ علی نور! ضرور عطا ہوں۔ میاں صاحب اُٹھے ایک ٹوکری میں آم لاکر رکھے اور ایک خالی ٹوکری گٹھلی چھلکوں کیلئے سامنے لاکر رکھدی۔ ہم آم چوس کر فارغ ہوئے تو والد صاحب گٹھلی اور چھلکوں سے بھری ٹوکری اٹھا کر پھینکنے کے لئے چلے۔ پوچھا چھلکے کہاں لیکر چلے۔ عرض کیا باہر پھینکنے کیلئے جا رہا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ پھینکنے آتے ہیں یا نہیں؟ والد صاحب نے عرض کیا حضرت یہ چھلکے پھینکنا کونسا خصوصی فن ہے۔ جسکو سیکھنا ضروری ہے؟ فرمایا ہاں! تم اس فن سے واقف نہیں ہو، لاؤ مجھے دو۔ خود

ٹوکری اٹھا کر پہلے چھلکے گٹھلیوں سے علیٰحدہ کئے۔ اسکے بعد باہر تشریف لائے اور سڑک کے کنارے تھوڑے تھوڑے فاصلے سے متعین جگہوں پر چھلکے رکھدئے اور ایک خاص جگہ گٹھلیاں ڈالدیں۔ والد صاحب کے استفسار پر ارشاد ہوا کہ ہمارے مکان کے قرب وجوار میں تمام غربا و مساکین رہتے ہیں۔ زیادہ تر وہی لوگ ہیں جن کو نانِ جویں بھی بمشکل میسّر آتی ہے اگر وہ پھلوں کے یکجائی چھلکے دیکھیں گے تو ان کو اپنی غریبی کا شدت سے احساس ہوگا اور بے مائیگی کی وجہ سے حسرت ہوگی اور اس ایذادہی کا باعث میں بنوں گا اسلئے متفرق کر کے ڈالتا ہوں۔ اور وہ بھی ایسے مقامات پر جہاں جانوروں کے گلّے گذرتے ہیں یہ چھلکے اُنکے کام آجاتے ہیں اور گٹھلیاں ایسی جگہ رکھی ہیں جہاں بچے کھیلتے کودتے ہیں بچے انکو بُھون کر کھالیتے ہیں۔ یہ چھلکے اور گٹھلیاں بھی بہرحال ایک نعمت ہے انکو بھی ضائع کرنا مناسب نہیں۔

یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رہنے کی ہے کہ میاں صاحب خود تو شاید ہی کبھی کوئی آم چکھ لیتے ہوں، عموماً مہمانوں ہی کے لئے ہوتے تھے اور محلّے کے غریب بچوں کو بُلا بُلا کر کھلانے میں استعمال ہوتے تھے اسکے باوجود چھلکے گٹھلیوں کا یکجا ڈھیر کردینے سے گریز فرماتے تھے کہ غریبوں کی حسرت کا سبب نہ بن جائیں۔ بعض فقہاء نے بازار کے کھانے سے اسی لیے پرہیز فرمایا ہے کہ ان پر غریبوں کی نظریں پڑتی ہیں اور ناداری کے سبب وہ ان کی حسرت کا سبب بنتی ہے۔

دیکھئے ان اللہ والوں کی نظر دنیا کے کاموں میں کیسی دقیق ہوتی ہے اور ہر ہر چیز کا حق کس کس طرح ادا کرتے ہیں۔

حکایت (۴۵۹) میاں صاحب کے لئے جو کھانا گھر سے آتا تھا خود تو بہت کم خوراک تھے باقی کھانا محلّے کے بچوں کو بُلا کر کھلاتے تھے۔ جو بوٹی بچ جائے اس کو بلّی

کے لئے دیوار پر رکھ دیتے تھے اور جو ٹکڑے بچ جاتے ان کو چھوٹا چھوٹا کر کے چڑیوں کے لئے۔ اور دسترخوان کے ریزوں کو بھی ایسی جگہ جھاڑتے تھے جہاں چیونٹیوں کا بل ہے۔ حق تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر پہچاننا ان کو ٹھکانے لگانا انہی صاحب بصیرت بزرگوں کا حصّہ تھا۔ آج تو ہر گھر میں بچا ہوا کھانا سڑتا ہے اور نالیوں میں جاتا ہے جس کا اگر اہتمام کیا جاتا تو بہت سے غریبوں کا پیٹ بھرتا۔

حکایت (۴۰۷) اعزا، اقربا، احباب، اہلِ محلہ کے حقوق و جذبات کی جسقدر رعایت کرتے ہوئے اس مردِ باخدا کو دیکھا اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ میاں صاحبؒ کا اکثر مکان کچا تھا جس پر ہر سال کہگل ہونا ضروری تھی۔ اگر نہ کی جاتی تو مکان منہدم ہونیکا خطرہ تھا۔ ہر سال برسات سے پہلے اس پر کہگل کرانے کا معمول تھا اور اسوقت گھر کا سارا سامان باہر نکالنا پڑتا تھا۔ ایسے ہی ایک موقع پر والد صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ہر سال آپ کو یہ تکلیف ہوتی ہے اور ہر سال کا خرچ بھی جو اس پر ہوتا ہے وہ جوڑا جائے تو پانچ سات سال میں اتنا ہو جائیگا کہ اس سے پختہ اینٹوں کا مکان بن جائے۔

اخلاق کریمانہ سے کسی کی بات کاٹنے کا وہاں دستور ہی نہ تھا۔ بڑی دلداری اور حوصلہ افزائی کیساتھ فرمایا ماشاء اللہ آپ نے کیسی عقل کی بات کہی میرا اندازہ بھی یہی ہے کہ پانچ سات سال میں جتنا خرچ اس پر ہو جاتا ہے اتنے خرچ میں میں پختہ مکان بنا کر اس غم سے نجات ہو سکتی ہے۔ ہم بڈھے ہو گئے اتنی عقل نہ آئی کہ ایک دفعہ ایسا کر لیتے۔ یہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔ اس کی جو اصل حقیقت تھی اس کا اظہار اسطرح فرمایا کہ میرے پڑوس میں جتنے مکان ہیں سب غریبوں کے ہیں اور کچے ہیں ایسی حالت میں میاں صاحب کو کیا اچھا لگتا کہ اپنا پختہ مکان بنا کر بیٹھ جاتا، پڑوسیوں کو حسرت ہوتی۔

اسوقت یہ راز کھلا کہ یہ حضرات کس مقام بلند پر ہیں ان کے اعمال و افعال کا اندازہ لگانا دشوار ہے کہ ان میں کیسے کیسے اسرار پوشیدہ ہیں۔ پڑوسیوں اور غریبوں کی رعایت اور انکی خدمت جو حضرت میاں صاحب کی فطرت بنی ہوئی تھی، دوسروں کا اس کیطرف دھیان جانا بھی آسان نہ تھا ۔

در نیابد حال پختہ ہیچ خام　٭　پس سخن کوتاہ باید والسلام

میں نے دیکھا کہ اسکے بعد بھی ہمیشہ سالانہ یہ تکلیف برداشت کرنے کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں کے پڑوسیوں نے اپنے مکانات پختہ بنائے تب حضرت میاں صاحب نے بھی اپنے مکان کو پختہ بنوایا۔

یہ حضرات ہیں جن کو سلف کا نمونہ کہا جا سکتا ہے۔ حضرت فاروق اعظمؓ کے عہدِ خلافت میں ایکمرتبہ مدینہ طیبہ میں گھی گراں ہو گیا۔ تو امیر المومنین فاروق اعظم نے گھی کھانا ترک کر دیا اور فرمایا اسوقت گھی کھاؤنگا جب مدینے کے عوام گھی کھانے لگیں۔

یہ واقعہ تاریخ میں پڑھا اور سنا تھا مگر ایثار، ہمدردی اور اخوت کے اس مقام بلند کی جیتی جاگتی تصویر حضرت میاں صاحبؒ ہی کی زندگی میں نظر آئی۔

ایک مشہور عالمِ دین بزرگ سے بعض سیاسی مسائل میں حضرت میاں صاحبؒ کو شدید اختلاف تھا جس کا اظہار ہمیشہ برملا فرماتے رہے۔ لیکن اس کے باوجود ان کی شان میں اگر کسی سے کبھی کوئی نامناسب کلمہ نکل بھی جاتا تو بڑی سختی سے تنبیہ فرماتے۔ اختلاف بھی اختلافِ امتی رحمۃٌ کی تشریح پر تھا اختلاف کی حدود سے سرِ مُو تجاوز ان کی فطرت ہی نہ تھی۔

انہی مختلف الخیال بزرگ نے ایک دفعہ امساک باراں کی شدت دیکھ کر نمازِ استسقاء

پڑھنے کا اعلان کیا۔ میاں صاحب کو غالباً کشف کے ذریعہ معلوم ہو چکا تھا کہ ان ایام میں بارش نہیں ہوگی۔ لیکن اس کے باوجود والد صاحب سے فرمایا کہ میاں بارش تو ہوتی نہیں، البتہ نماز کا ثواب حاصل کرنے کیلئے چلنا ضرور ہے۔ چنانچہ والد صاحب نے انکی معیت میں نمازِ استسقاء ادا کی۔ بارش کو نہ ہونا تھا نہ ہوئی۔ ان بزرگ نے دوسرے روز کے لئے بھی نماز کا اعلان فرمایا تو اس دن بھی وہی پہلے دن والی بات فرما کر نماز ادا کرنے پہنچ گئے اور بغیر بارش ہوئے واپس آ گئے۔ تیسرے روز کے لئے پھر نماز کا اعلان ہوا تو تیسرے دن بھی میاں صاحبؒ نماز کے لئے میدان میں پہنچ گئے اور خود ان بزرگ سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو آج نماز میں پڑھاؤں۔ ہر شخص حیرت سے دیکھ رہا تھا کہ میاں صاحبؒ تو کبھی پنج وقتہ نماز لوگوں کے اصرار پر بھی نہیں پڑھاتے آج انہوں نے خود نماز پڑھانے کی پیشکش کیسے کی۔

بہرکیف نمازِ استسقاء میاں صاحب کی امامت میں شروع ہوئی۔ میاں صاحبؒ کے عقیدتمندوں کے دل میں بار بار یہ خیال پیدا ہو رہا تھا کہ آج بارش ضرور ہو جائیگی۔ شاید میاں صاحب نے کشف کے ذریعہ معلوم کر کے یہ تبدیلی کی ہوگی۔ لیکن آج بھی دھوپ اُسی شدت کیساتھ چمکتی رہی اور بادل کا دور دور بھی نام و نشان نہ تھا۔ مجبوراً پورا مجمع شکستہ دل اور مغموم واپس ہوا۔

والد صاحب نے اس خلافِ عادت عمل پر استفسار کیا کہ آپ تو کبھی نمازِ پنجگانہ میں بھی امامت نہیں فرماتے آج یہ کیا ماجرا تھا؟ تو فرمایا میرا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ جو عالمِ دین دو روز سے نماز پڑھا رہے ہیں لوگوں کو ان پر ہی بدگمانی نہ ہو میں بھی اس میں شریک ہو جاؤں۔ کیونکہ مجھے اندازہ تھا کہ بارش اس وقت ہونا مقدر نہیں، کسی

عالِم یا مقدس ہستی کا اس میں کیا قصور ہے اب اگر بدنامی ہوتی ہے تو تنہا ایک عالِم کی نہ ہو۔

سوچئے! ان اہل اللہ اور ہم دنیاداروں میں کس قدر بعد المشرقین ہے؟ ہماری تمام کوشش اور سعی کا محور صرف یہ ہوتا ہے کہ اپنے مخالف کا کوئی کمزور پہلو تلاش کر کے اسکو مجروح کرنیکی کوشش کیجائے اور اس کیلئے ہر جائز و ناجائز حربہ آزمایا جائے اور اگر قابو چل جائے تو اس کو پوری طرح ذلیل و رسوا کیا جائے۔

لیکن یہی اختلاف جب اسلامی سانچہ میں ڈھلتا ہے تو کس درجہ حسین اور دلفریب ہو جاتا ہے کہ جس پر سینکڑوں اتحاد قربان ہو سکتے ہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ان بزرگوں کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ دنیا میں رہنے اور دنیا کو برتنے کا لطف و سلیقہ بھی ان اہل اللہ ہی کو آتا ہے اور جو خود کو دنیادار کہتے ہیں ان کو اسکے لطف کی ہوا بھی نہیں لگتی۔

حکایت (۴۱۲) حضرت میاں صاحبؒ کو روزمرہ کے واقعات سے عبرت آموزی کا خاص انداز تھا۔ آنے والے ہر واقعہ سے کوئی عبرت و نصیحت حاصل کرتے تھے۔ آپ کا مکان دارالعلوم سے کافی فاصلہ پر محلہ قلعہ میں ہے۔ شہر سے باہر باہر آنے کا دستور تھا۔ راستہ میں کچھ جنگل بھی پڑتا تھا۔

دارالعلوم میں تشریف لانے کے بعد معمول یہ تھا کہ ایک کمرہ جس میں حضرت مولانا کی تصنیف کی اشاعت کا سلسلہ بھی تھا "دارالتدریس والاشاعت" کے نام سے موسوم تھا، میرے والد ماجد مولانا محمد شفیع صاحب بھی درس سے فارغ اوقات میں یہاں بیٹھتے تھے اور حضرت میاں صاحب بھی سبق پڑھانے سے پہلے اور بعد میں کچھ دیر یہاں تشریف رکھتے تھے۔

ایک روز مکان سے تشریف لائے تو والد صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آج ہم ایک عجیب تماشا دیکھ کر آئے ہیں۔ والد صاحب اس تماشے کی حقیقت سننے کے لئے ہمہ تن گوش ہو گئے۔

فرمایا کہ محلہ کوٹلہ سے باہر جنگل میں چند چھوٹی چھوٹی لڑکیاں بیٹھی ہوئی آپس میں لڑ رہی تھیں، ایک دوسری کو مارتی تھیں۔ ہم قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہ سب مل کر جنگل سے گوبر چُن کر لائی ہیں اور ایک جگہ ڈھیر کر دیا ہے اب اس کی تقسیم کا مسئلہ زیرِ نزاع ہے، حصوں میں کمی بیشی پر لڑنے مارنے پر تُلی ہوئی ہیں اوّل نظر میں مجھے ہنسی آئی کہ یہ کس گندی اور ناپاک چیز پر لڑ رہی ہیں۔ ہم ان کی کم عقلی اور بچگانہ ذہنیت پر ہنستے ہوئے ان کی لڑائی بند کرانے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ قدرت نے دل میں ڈالا کہ ان کی بیوقوفی پر ہنسنے والے جو دنیا کے مال و دولت اور جاہ و منصب پر لڑتے ہیں، اگر ان کو چشمِ حقیقت بیں نصیب ہو جائے تو وہ یقین کریں گے کہ عقلارِ زماں اور حکمارِ وقت کی سب لڑائیاں بھی ان بچوں کی جنگ سے کچھ زیادہ ممتاز نہیں۔ فنا ہونے والی اور چند روز میں اپنے قبضہ سے نکل جانے والی یہ سب چیزیں بھی آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں ایک گوبر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں۔ حدیث میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مضمون کے لئے ارشاد فرمایا۔ الدُّنیا جیفۃ وطلابھا کلاب۔ "دُنیا ایک مردار جانور ہے اور اس پر جھپٹنے والے کتے ہیں"۔

غور کیجئے اس طرح کے سینکڑوں واقعات سب کی نظروں سے گذرتے ہیں مگر کہاں ہے وہ نظر و فکر جو ان سے عبرت حاصل کرے۔

حکایت (۴۶۳) ایک روز والد صاحب حسبِ معمول مغرب کے بعد حاضر

خدمت ہوئے۔ عموماً مغرب سے عشاء تک یہ مجلس رہا کرتی تھی۔ آج خلافِ عادت فرمایا کہ آج ہماری گفتگو عربی میں ہو گی۔ سبب پوچھنے کی تو جرأت نہ ہوئی خود ہی گفتگو کی ابتدا عربی میں فرمادی پھر والد صاحب نے بھی جو کچھ کہا عربی میں کہا لیکن طرفین کو عربی زبان میں مکالمہ کی عادت تو تھی نہیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سوچ سوچ کر صرف ضروری باتیں کہی اور سنی گئیں۔ اپنی زبان میں جب بسط و تفصیل سے کلام ہوا کرتا تھا اور ایک منٹ کی بات میں پانچ منٹ خرچ ہو جایا کرتے تھے اس کا انسداد ایسا ہوا کہ وقت سے پہلے ہی مجلس ختم ہو گئی۔

اسوقت فرمایا کہ زندگی کا ایک ایک منٹ بڑا قیمتی بلکہ بیش بہا جواہرات ہیں ان کو فضول کام یا کلام میں صرف کرنا بڑی بے عقلی ہے۔ میں جانتا تھا کہ گفتگو عربی میں کریں گے تو صرف ضروری کلام ہی ہو گا اسلئے یہ کہا تھا۔ اور فرمایا کہ ہماری مثال اس دولت مند انسان کی سی ہے جس کے خزانے میں بے شمار گنیاں بھری ہوئی ہیں اور وہ بے دریغ خرچ کر رہا ہے۔ مگر اسی طرح ایک ایسا وقت آگیا جب خزانہ خالی ہونے کے قریب آیا اور چند گنی چنی گنیاں رہ گئیں۔ تو وہ اب دیکھ بھال کر خرچ کرتا ہے اور ہاتھ کھینچتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں عمر کے بے شمار جواہرات عطا فرمائے تھے جن کو ہم بے دریغ خرچ کر چکے اب عمر آخر ہے خزانہ خالی ہونے کو ہے اس لئے ایک ایک منٹ دیکھ کر خرچ کرنا چاہیئے۔

میاں صاحبؒ کی زندگی کا ہر گوشہ بلکہ ہر حرکت و سکون ہر بات ہر ادا صحیح اسلامی زندگی کا ایک عظیم درس تھا۔ کاش ہم اس سے سبق حاصل کرتے۔

اسوقت جو واقعات دیکھے ہوئے یا سُنے ہوئے حافظہ میں محفوظ تھے بغیر کسی ترتیب کے حوالۂ قرطاس کر دئے ہیں اگر پھر کچھ واقعات یاد آ گئے تو کسی دوسری صحبت میں پیش کر دیے جائیں گے۔

موقوف ہو غمِ میر کہ شب ہو چکی ہمدم ✽ بس اور کسی روز یہ افسانہ کہیں گے

چند جملوں کا ایک خط

حضرت میاں صاحبؒ پر یہ مضمون حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم نے ملاحظہ فرمایا تو مندرجہ ذیل چند سطریں بطور تتمہ تحریر فرمائیں:۔

برخوردار عزیز مولوی محمد زکی سلمہٗ نے حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ حالات و مقالات مجھ سے ہی سُنے ہوئے لکھ لئے۔ اس سے تو خوشی ہوئی کہ انہوں نے ان کلمات کی قدر پہچانی اور یاد رکھا۔

لیکن اس یگانۂ روزگار ہستی کے علمی و عملی کمالات اور محض طرزِ زندگی کی کوئی جھلک بھی ان چند کلمات کے ذریعہ نہیں دیکھی جا سکتی۔ برخوردار نے یہ چند سطور لکھ کر ماضی کی ایک ایک بھولی ہوئی مجلس کا نقشہ آنکھوں کے سامنے کر کے تڑپا ہی دیا۔ حضرت میاں صاحبؒ کا نورانی چہرہ گویا سامنے آ گیا آپ کے کلماتِ دلنواز کانوں میں گونجنے لگے کبھی کے واقعات یاد آنے لگے، مگر ان کو ضبطِ تحریر میں لانے کی طاقت، فرصت کہاں سے لاؤں۔ صرف ایک خط کے الفاظ اسوقت بے ساختہ قلب و زبان پر آ گئے جو حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شگفتہ اور معنی خیز تحریر کا ایک نمونہ ہے۔

اس جگہ لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

حکایت (۴۶۴) حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا تجارتی کتب خانہ[1] آخر میں تھوڑی سی قیمت لگا کر مجھے عطا فرما دیا تھا اور اس کی قیمت بھی بہت کم مقدار کی ماہوار قسطوں میں ادا کرنا طے ہوا تھا۔ آخر عمر میں ایک مرتبہ آپ بطورِ علاج کوہ کسولی پر گئے ہوئے تھے، یہ مہینہ کی قسط میں نے بذریعہ منی آرڈر وہیں بھیج دی۔ اسکے جواب میں والا نامہ صادر ہوا جسکے یہ کچھ الفاظ یاد ہیں۔

"آپ کا مرسلہ عطیہ احب الاشیاء وابغضہا وصول ہوا، روز روز کے احسانات کا شکریہ کہاں تک، بس دعا کرتا ہوں اور آپ سے بھی حیاً و میتاً دعا کا امیدوار ہوں۔"

دو سطر کا خط ہے مگر ذرا دیکھئے اس میں سموئے ہوئے مضامین، ایک قرض کو قسطوں پر وصول کرنے کا جو احسان مجھ پر فرمایا تھا اس کو میرا احسان قرار دیتے ہیں اس کا نام تحفہ رکھتے ہیں اس کیساتھ مال دنیا کی حقیقت اس عربی جملہ میں کیسی واضح فرمائی کہ شاید اس سے زیادہ مفصل نہیں کی جا سکتی کہ مال ایسی چیز ہے کہ ایک طرف اس کی برابر کوئی چیز محبوب نہیں کیونکہ وہ ساری محبوب چیزوں کے حصول کا ذریعہ ہے دوسری طرف وہ ایک ایسی چیز ہے کہ اس کے برابر دنیا کی کوئی چیز مبغوض نہیں ہو سکتی کہ باپ کو بیٹے سے، بیٹے کو باپ سے، شوہر کو بیوی سے، بیوی کو شوہر سے لڑا دیتی ہے۔ انسان ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کو تیار ہو جاتا ہے۔

آخری جملہ میں ہر وقت موت کے استحضار کو واضح کرتے ہوئے دعا کی ترغیب فرمائی۔

فللہ درہٗ وعلیہ اجرہٗ۔

بندہ محمد شفیع۔ ۸ ربیع الاول ۱۳۸۶ھ

---

[1] یہ وہی کتب خانہ ہے جو تقسیم ملک کے بعد "دار الاشاعت کراچی" کے نام سے موسوم ہے۔ (ناشر)

رسائلِ ثلاثہ کی تمہیداتِ سابقہ

تمہید شریف الدرایات یعنی حواشی امیر الروایات فی حبیب الحکایات

بعد الحمد و الصلوٰۃ یہ احقر بخدمتِ شائقین و محبین تذکرہ بزرگان سلسلہ ولی اللٰہیہ عرض رسا ہے کہ اپنی سب جماعت کو معلوم ہے کہ جناب امیر شاہ خانصاحب متوطن خورجہ مقیم مینڈھو ضلع علی گڈھ مرحوم و مغفور کو اللہ تعالیٰ نے اس موضوع کے متعلق چند نعمتوں کا جامع بنایا تھا:۔

(۱) اپنے سلسلہ کے متعدد اکابر کی خدمت و صحبت (۲) ان سب حضرات کی نظر میں مقبولیت و محبوبیت (۳) اُن حضرات کے اقوال و افعال سے استفادہ کا اہتمام۔ (۴) ان فوائد کی تبلیغ کا شوق و رغبت (۵) قوتِ حافظہ و احتیاط فی الروایت و التزامِ سند۔ چنانچہ ان مرحوم و مغفور کا کوئی جلسہ اس تذکرہ سے کم خالی ہوتا ہوگا۔ احقر کو اِن روایات کی نافع ہونا دیکھ کر بار بار قلب میں تقاضا ہوا کہ اگر یہ جمع ہو جاویں تو اہلِ دین کو عموماً اور اپنے سلسلہ والوں کو خصوصاً بہت نفع ہو مگر اس کی کوئی صورت نہ بنتی تھی۔ اتفاق سے میرے خالص و مخلص دوست مولوی حبیب احمد صاحب کیرانوی کو مدرسہ مینڈھو کی مدرسی کے ذریعہ سے خاں صاحب مرحوم کے ساتھ یکجائی کا موقعہ ملا۔ اس موقع کو احقر نے غنیمت سمجھ کر مولوی صاحب موصوف سے اس کے جمع کرنے کی درخواست کی اور خدا تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے اسکو منظور کیا۔ گو بوجہ زیادہ وقت نہ مِل سکنے کے زیادہ ذخیرہ جمع نہیں ہو سکا۔ مگر جتنا بھی ہو سکا بقولِ رومیؒ ؎

آب جیحوں را اگر نتواں کشید ؎ ہم ز قدرِ تشنگی نتواں بُرید

اُسی کو مغتنم سمجھا گیا۔ پھر خانصاحب مرحوم کی وفات ہو جانے اور اس لئے اضافہ کی اُمید قطع ہو جانے سے اس رسالہ کو ختم سمجھ کر یہ جی چاہا کہ اگر اس کی اشاعت کی کوئی صورت ہو جائے تو اس کے ضروری ضروری مقامات پر کچھ حواشی لکھ دئے جاویں۔ چنانچہ بفضلہ تعالیٰ اب اس کا وقت بھی آگیا، سو وہ رسالہ مع حواشی حاضر ہے۔ میں نے رسالہ کا نام برعایت اسمار راوی و مروی عنہ امیر الروایات فی حبیب الحکایات اور حواشی کا نام برعایت اپنے نام کے مادہ کے اور اُن دونوں ناموں کے وزن کے شریف الدرایات رکھدیا۔ اللہ تعالیٰ اس کو نافع فرمائے۔ والسلام

کتبہ، اشرف علی عفی عنہ وسط ۱۳۴۳ھ

تمہید رسالہ امیر الروایات فی حبیب الحکایات بصورتِ خط از مولوی حبیب احمد صاحب مؤلف رسالہ بنامِ احقر اشرف علی

مجدد الملت والدین فاضت انہار فیوضہم۔ جناب خانصاحب سے معلوم ہوا کہ جنابِ سامی کا خیال تھا کہ جناب خانصاحب کو جو اپنے بزرگوں کے واقعات و ملفوظات وغیرہ یاد ہیں، وہ اگر جمع ہو جائیں تو اچھا ہے۔ بنابریں احقر نے ارادہ کیا ہے کہ جو جو باتیں جناب قبلہ خانصاحب سے سنوں ان کو متفرق طور پر قلم بند کر کے خدمتِ سامی میں ارسال کرتا رہوں۔ مجتمع ہو جانے کے بعد پھر ترتیبِ مناسب سے ان کو مرتب کیا جاوے۔ وباللہ التوفیق۔

حاشیہ مسمیٰ بہ شریف الدرایات (نوٹ) سہولت کے لئے یہ صورت اختیار کی گئی کہ بدوں اسکے کہ ترتیب میں کوئی تصرف کیا جاوے۔ ہر حکایت کے بعد اس

ئے نمبر کا حوالہ دے کر حاشیہ متن ہی میں لکھا جاوے گا اور اس کے شروع میں لفظِ حاشیہ (جس سے مراد یہی حاشیہ شریف الدرایات ہوگا) اور اس کے ختم پر لفظِ "شت" جو رمز ہے حاشیہ کے نام کا لکھا جاویگا۔ (وباللہ التوفیق)

روایاتُ الطیب مع سقایاتِ الصیب الملقب بہ الکلم الطیب مع سجم الصیب

تمہید حاشیہ

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ رسالہ اشرف التنبیہ کی (جس میں اپنے اکابر قریبہ کے حالات مذکور ہیں) اشاعت کے زمانہ میں اسکے متعلق میری ایک مجلس میں کچھ ضروری مشورہ ہو رہا تھا جس میں مولوی محمد طیب صاحب مہتمم مدرسہ دارالعلوم دیوبند اور مولوی محمد نبیہ صاحب تاجر ٹانڈہ بھی موجود تھے، سلسلہ گفتگو میں حاجی صاحب اول الذکر کے کلام سے معلوم ہوا کہ ایسے واقعات کچھ ان کے پاس بھی جمع ہیں۔ اسپر میں نے اور مولوی صاحب آخر الذکر نے خصوصاً اور دیگر شرکار مجلس نے عموماً ان کے بھیج دینے کی درخواست کی۔ چنانچہ وہ درخواست منظوری اور عمل دونوں کے ساتھ مقرون ہوئی۔ چونکہ وہ مجموعہ اپنے طرز میں امیر الروایات کے مشابہ تھا جی چاہا کہ اسی کے طرز پر اس کا ضروری تحشیہ بھی اور اسی کے طرز پر متن اور حاشیہ کا تسمیہ بھی ہو اور ویسی ہی ترتیب ہو اور حاشیہ کا ویسا ہی رمز ہو۔ چنانچہ متن کا نام "روایات الطیب"

لہ جب متن روایات کا مسودہ آیا اسپر یہ عنوان لکھا تھا اور جب اسکی تمہید آئی اسپر الکلم الطیب لکھا تھا۔ میں نے دونوں کی رعایت ملحوظ رکھی ۱۲ منہ سے فی القاسم منجم المار المبین ۱۲ منہ

تجویز ہوا۔ (اور یہ وہی عنوان ہے) جو ماتن نے لوح پر فارسی ترکیب میں لکھا تھا۔ مضاف الیہ پر الف لام داخل کر کے عربی ترکیب بنا دی گئی اور حاشیہ کا نام شفایات الصیب تجویز ہوا۔ اول روایت مع عدد لکھی جاویگی پھر لفظ حاشیہ بڑھا کر اس روایت کا حاشیہ مع عددِ روایت متن ہی میں اور اس کے ختم پر خلط سے بچنے کے لئے اس کا رمز لفظ "ش ب" لکھا جاوے گا۔ فقط

اشرف علی۔ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۲۰ سنہ ہجری

تمہیدِ متن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ وکفیٰ والسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد احقر العباد ننگِ خلائق محمد طیب دیوبندی عرض رسا ہے کہ تقریباً ۱۳۲۰ھ میں جناب حاجی امیر شاہ خانصاحب خورجوی نے (جو احقر کے جدامجد حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم قدس سرہٗ کے خاص لوگوں میں تھے) احقر سے فرمایا کہ مجھے فضلائے خاندان ولی اللّٰہی کے بہت سے واقعات ایسے محفوظ ہیں کہ غالباً دوسروں سے نہ مل سکیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ تو ان کو قلمبند کر لے ورنہ یہ ذخیرہ صاف میرے ساتھ قبر میں چلا جائے گا۔ احقر نے لبیک کہہ کر ان کے ارشاد کی تعمیل کی۔ مگر کچھ ہی واقعات تحریر میں جمع کئے گئے تھے کہ اچانک خانصاحب کو دیوبند سے واپس ہونا پڑ گیا۔ اور یہ غالباً اُن کا آخری سفر تھا اسلئے باقیماندہ واقعات رہ گئے۔ مگر جتنے بھی واقعات انہوں نے بیان فرمائے اُن سے ایک خاص ذوق اس نوع کے حالات کیساتھ علاوہ خاندانی مناسبت کے پیدا ہو گیا تھا۔ اور جب کبھی حضرات اکابر دارالعلوم

دیوبند مثل حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ و حضرت والد ماجد مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ و حضرت عمِ محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجالس میں ان مقدسین ولی اللّٰہی کا ذکر چھڑتا تھا تو میں اُسی مذکورہ ذوق کیساتھ اس کو قلمبند کر لیتا تھا۔ اور اس طرح تقریباً سوا سو حکایتوں کا ایک ذخیرہ جمع ہو گیا جس سے ان اکابر کی مختلف شؤن حیات پر روشنی پڑتی ہے۔

یہ ذخیرہ رکھا ہوا تھا اور کبھی کبھی ادھر دھیان جاتا تھا کہ اس ذخیرہ کو شائع کر کے اس کا افادہ عام کیا جائے کہ اس قریبی مدت میں اسی موضوع پر امیر الروایات فی حبیب الحکایات شائع ہوئی اور اس میں خانصاحب مرحوم کی وہ روایات فرمودہ واقعات جو احقر نے لکھے تھے بنقل جناب مولانا حبیب احمد صاحب کیرانوی دام مجدہ اکثر آ گئے تھے اسلئے اشاعت کا خیال سست پڑ گیا۔ لیکن اسکے بعد اسی موضوع پر رسالہ اشرف التنبیہ شائع ہوا جس میں حضرت قبلہ سیدی و سندی حکیم الامۃ مولانا الحاج محمد اشرف علی صاحب دامت برکاتہم کی روایات سے ان اکابر کے کچھ اور حالات و ملفوظات شائع ہوئے۔ اس کو دیکھ کر دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ جو کچھ غیر مطبوع ذخیرہ میرے پاس ہے اس کو اسی سلسلہ میں شائع کرا دینا مناسب ہے تاکہ اس کا وجود ہو جائے۔ احقر نے یہ خیال حضرت ممدوح مدظلہ کے سامنے عرض کیا جسکو حضرت نے بہت خوشی سے قبول فرمایا۔ وللہ الحمد۔ پس ذیل کا مجموعہ جو ۶۹ حکایات پر مشتمل ہے وہی مجموعہ ہے جو امیر الروایات اور اشرف التنبیہ کے علاوہ ہے جس کا کچھ حصہ احقر کو خانصاحب مرحوم سے پہنچا اور کچھ والد ماجد حضرت مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اور کچھ عمِ محترم مولانا حبیب الرحمٰن

صاحبؒ سے اور کچھ حضرت مرشدی و مولائی حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے، ہر حکایت کے شروع پر مروی عنہ کا اسم گرامی درج کردیا ہے۔ اب اگر اسکے بعد کوئی ملفوظ یا واقعہ یاد آیا تو امید ہے کہ اسی سلسلہ کے کسی جزو میں پھر پیش کرسکوں۔ حق تعالیٰ اس ذخیرہ کو میرے لیے اور تمام اخوان کے لیے دنیا اور آخرت میں نافع فرمائے اور اسے قبول فرمائے آمین۔

محمد طیب غفرلہٗ (از دار العلوم دیوبند)

۲۵۔ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ چہار شنبہ

تمہید ملفوظات یعنی حصہ اول جدید ملفوظات ملقب بہ اشرف التنبیہ فی کمالات بعض ورثۃ التشفیع والتنبیہ

بعد الحمد والصلوٰۃ عجالہ ہذا کی وجہ تالیف میں عرض ہے کہ رسالہ امیر الروایات کے زمانہ اشاعت میں (جو اپنے اکابر قریبہ کے مقامات و مقالات میں مدون کی گئی ہے) بعض احباب[2] نے تحریک کی کہ ان حضرات کی اس قسم کی اور روایات بھی جو یاد آجاویں، اگر منضبط ہو جاویں تو موجب نفع ہیں۔ مگر اسوقت تک اس تحریک پر عمل نہ ہو سکا۔ جسکا سبب یہ تھا کہ مجھ کو تحریر کا وقت نہ ملتا تھا اور تقریر کو کوئی ضبط کرنیوالا میسر نہ ہوا۔ مگر خیال اسکا برابر رہا چنانچہ میرے رسالہ تحسین دار العلوم کے (جو کہ القاسم محرم ۱۳۴۷ھ میں چھپا ہے) ایک حاشیہ میں اس خیال کیطرف اشارہ بھی کیا گیا ہے بقولِ اشارۃ الی احتمال ضبط ما یتفق احیانا من سرد بعض من حکایات ھولاء الاکابر فی غیرھم[1]

اتفاق سے اس زمانہ میں کہ ۱۳۴۸ھ کا آغاز ہے بعض احباب[3] نے اسکی پھر تحریک کی اور خوش قسمتی سے بعض احباب[4] اس کیلئے بھی آمادہ ہو گئے۔ وہ لکھ کر مجھے دکھلا دیتے تھے اور میں اسمیں مناسب ترمیم کر دیتا تھا جس سے وہ صورت حاصل ہوئی جو آپکے سامنے ہے۔ گویا اسکو امیر الروایات کا ضمیمہ کہنا چاہیئے اتنا فرق ہے کہ اسمیں متون کیساتھ اکثر اسانید بھی ہیں اور مجھ کو رجال یاد نہیں رہے لیکن کسی حکمِ شرعی کا مدار نہ ہونے کے سبب یہ مضر بھی نہیں

کتبہ اشرف علی

---

[1] یہی اس کا لقب ہے اس کی پوری حالت اس کے خطبہ سے معلوم ہوگی ۱۲

[2] المراد بہ المولوی محمد زکریا الکاندھلوی سلمہ ۱۲ [3] المراد بہ المولوی محمد شفیع الدیوبندی ۱۲

[4] المراد بہ المولوی محمد نبیہ التاندوی سلمہ ۱۲

چند مطبوعات دارالاشاعت

سیرت خلفاء راشدین	عکسی گلیز۔ از مولانا عبدالشکور لکھنوی چاروں خلفاء کے نہایت صحیح حالات اور انکے عہد حکومت کے کارنامے	۱۸/=
سیرت عمر بن عبدالعزیز	عکسی گلیز مجلد۔ مولانا عبدالسلام ندویؒ۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے مفصل سوانح زندگی اور مجددانہ کارنامے	۱۸/=
سائنس اور اسلام	عکسی گلیز مجلد۔ مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند اس موضوع پر نہایت فاضلانہ بحث۔	۹/=
سیرت الرسول	عکسی گلیز۔ از حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ۔ شاہ صاحبؒ کی کتاب سرور المحزون کا نہایت سلیس ترجمہ۔ سیرت طیبہ پر مستند کتاب	۴/۵۰
شہید کربلا	عکسی گلیز۔ از مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہٗ حضرت امام حسینؓ کی داستان شہادت اور اسوۂ حسینی	۹/=
ضبط ولادت	عقلی و شرعی حیثیت سے۔ از مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ مولانا محمد تقی عثمانیؒ ضبط تولید سے متعلق تمام گوشوں پر بہترین کتاب	۹/=
طب نبوی	عکسی گلیز۔ بکس بورڈ جلد۔ از حافظ اکرام الدین صاحب رسول اللہ کے بتلائے ہوئے ہر قسم کی بیماریوں کے علاج	۹/=
علم الفقہ اردو	۶ حصے کامل۔ گلیز مجلد۔ از مولانا عبدالشکور لکھنویؒ فقہی احکام و مسائل پر نہایت جامع و مستند کتاب آسان زبان میں	۷۵/=
علمی کشکول	گلیز۔ مجلد۔ از مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ علمی، اخلاقی، تاریخی، ادبی، فقہی چیدہ چیدہ مضامین کا دلچسپ مجموعہ	۴۸/=
عیسائیت کیا ہے؟	عکسی گلیز۔ مجلد۔ از مولانا محمد تقی عثمانی تردید عیسائیت میں ایک تحقیقی اور مستند کتاب	۲۷/=

دارالاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی

لطائف علمیہ اردو ترجمہ کتاب الاذکیا

تصنیف:- امام ابن جوزی بغدادیؒ ❖ **ترجمہ:-** مولانا اشتیاق احمد صاحب مدظلہ

عقل و دانائی ذکاوت و ذہانت اور حاضر جوابی سے متعلق عجیب و غریب حکایات و واقعات کا نہایت دلچسپ اور مستند ذخیرہ جس میں انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام، تابعین، اولیاء، علماء، صلحاء، اُدباء، شعراء، رؤساء، ارباب صنعت و حرفت اور والیان ملک غرض ہر طبقہ کے لوگوں کے ذہانت دانائی، عقلمندی و حاضر جوابی اور مزاح و خوش طبعی کے واقعات تاریخ کی مستند کتب اور احادیث سے جمع کئے گئے ہیں جو مردہ دلوں اور پژمردہ طبیعتوں کے لیے روح افزا اور کم عقلوں کے لیے ایک اکسیر علاج ہے۔ سائز $\frac{22 \times 18}{8}$ صفحات:- ۳۸۴

عکسی عمدہ طباعت سفید کاغذ مع جلد قیمت:- ۲۸/-

تاریخ دارالعلوم دیوبند

از مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند کیا ہے؟ کیوں ہے؟ کب سے ہے؟ کس سے ہے؟ کیا کام کر رہا ہے؟ یہ ایسے سوالات ہیں جو اکثر ذہنوں میں پیدا ہوتے ہیں یہ کتاب ایسے ہی سوالات کے جواب میں لکھی گئی ہے جس میں دارالعلوم کی سَو سالہ زندگی، اُس کی تاسیس، وجہ تاسیس تعلیمی، تبلیغی، انتظامی اور عام افادی کوائف و احوال کا جامع مرقع پیش کیا گیا ہے۔ دارالعلوم کی اجمالی تاریخ پر ایک ایسا مجموعہ ہے جس کے مطالعہ سے پورا دارالعلوم بیک وقت سامنے آسکتا ہے۔ اس کے ساتھ مشاہیر اور فاضلین دیوبند کے حالات اور علمی کارنامے انتہائی جامعیت کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ پورے دارالعلوم کی عمارات کے عکسی فوٹو بھی کتاب کی زینت ہیں۔

سائز $\frac{22 \times 18}{8}$ صفحات مع فوٹو تقریباً ۱۶۰ عکسی طباعت سفید کاغذ مع جلد قیمت ۱۹/۵۰

دارالاشاعت

مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی ۱